WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ
حنا
جولائی 2015
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
عید نمبر
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہر گھر کے لیے

ماہنامہ

حنا

جلد: 37 شمارہ: 7

جولائی: 2015

قیمت: 60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماہنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور، فون: 042-37321690، 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@yahoo.com, monthlyhina@hotmail.com

مستقل سلسلے

قارئین کرام! جولائی 2015ء کا شمارہ ''بطور عید نمبر'' پیش خدمت ہے۔

ادارہ حنا کی جانب سے دلی عید مبارک۔ عید کا نام لیتے ہی ذہن میں خوشیوں کا تصور آتا ہے، ایسا تہوار جب چہار سو خوشیوں کی برسات ہو اور ہر چہرہ عید کی خوشی سے جگمگا رہا ہو۔

دنیا بھر میں ہر مذہب و ملت میں خوشی و مسرت کے اجتماعی اظہار کے لئے کچھ دن مخصوص ہوتے ہیں، ان تہواروں میں وہ اپنے اپنے انداز سے خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ عید الفطر مسلمانوں کا مذہبی تہوار ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماہ رمضان کی عبادت و ریاضت کا انعام ہے، جو روزے داروں کے لئے ہزاروں خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لے کر آتا ہے۔

عید الفطر مسلمانوں کا ایک رسمی تہوار ہی نہیں بلکہ ان کے لئے عبادت کا بھی درجہ رکھتا ہے، دنیا بھر کے مسلمان اس مقدس دن کا آغاز اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ عید اجتماعی خوشی کا نام ہے اور یہ خوشی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب یہ ہر دل تک پہنچے، اپنی خوشیوں کے ساتھ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرنا ہی عید کی حقیقی خوشی ہے۔ جذبہ انسانیت اور خیر خواہی ہمارے مذہب کی روح ہے، ہمارے اردگرد بہت سے ایسے ضرورت مند افراد ہیں جو عید کی خوشیاں حاصل کرنے کی استطاعت سے محروم ہیں ان کو اپنی خوشیوں میں شامل کریں۔ تب ہی ایک ماہ کے روزوں کی تربیت اور عید کا حقیقی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ عید ہم سب کے لئے امن عافیت، خوشیوں اور محبتوں کا تحفہ لے کر آئے

آمین۔

عید نمبر 2:۔ بعض مصنفین کی تحریریں اور سروے لیٹ موصول ہونے کی وجہ سے اس ماہ شائع نہیں ہو سکے، انشاء اللہ آئندہ ماہ عید نمبر 2 میں شامل کیے جائیں گے اگست کا شمارہ عید نمبر 2 ہوگا۔

اس شمارے میں:۔ مصنفین سے عید سروے، سباس گل اور روبینہ سعید کے مکمل ناول، سندس جبیں اور معصومہ منصور کے ناولٹ، قرۃ العین رائے، حیاء بخاری، نائلہ طارق اور سویرا فلک کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

ہے تیری ذات میں اسوۃ سب کے لئے
تو ہے اسوۃ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

سید اختر ناز

عیدین میں اذان اور اقامت

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز کئی بار بغیر اذان کے اور بغیر اقامت کے پڑھی۔ (صحیح مسلم)

عیدالفطر میں صدقہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز فطر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب کے ساتھ گیا تو ان سب بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ نماز، خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے یعنی خطبہ پڑھ کر، گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بٹھانا شروع کیا پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور پھر فرمایا کہ تم نے ان سب کا اقرار کیا کہ اس میں سے ایک عورت نے کہا کہ ”ہاں اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!“ راوی نے کہا کہ معلوم نہیں وہ کون تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”صدقہ کرو“ پھر انہوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا کہ ”لاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں“ اور وہ سب چھلے اور انگوٹھیاں اتار اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم)

نماز عید میں کیا پڑھیں

عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فطر میں کیا پڑھتے تھے؟“ انہوں نے کہا کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں ق و القرآن المجید اور اقتربت ساعۃ وانشق القمر پڑھتے تھے۔“ (صحیح مسلم)

عورتوں کی نماز عید

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ ہم عید الفطر میں اور عید الاضحیٰ میں اپنی کنواری جوان لڑکیوں کو اور حیض والیوں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں، پس حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کار نیک اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ ”اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔“

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا دے۔'' (صحیح مسلم)

عید کے دن تفریح

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچھونے پر لیٹ گئے اور اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا کہ ''شیطان کی تان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ''ان کو چھوڑ دو'' (یعنی گانے دو) پھر جب وہ غافل ہو گئے تو میں نے ان دونوں کے چٹکی لی کہ وہ نکل گئیں اور وہ عید کا دن تھا اور سوڈان ڈھالوں اور نیزوں سے کھیلتے تھے، سو مجھے یاد نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی یا انہوں نے خود فرمایا کہ ''کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟''

میں نے کہا کہ ''ہاں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ''اے اولاد ارفدہ! تم اپنے کھیل میں مشغول رہو۔''

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بس؟''

میں نے عرض کیا کہ ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ۔'' (صحیح مسلم)

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔'' (پورے سال کے رزوں کا ثواب ہوگا) (صحیح مسلم)

عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

ابن ازہر کے غلام ابو عبید سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ آئے اور نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ۔

''یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور آج کا یہ دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا دن ایسا ہے کہ تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔'' (مسلم)

عید فطر کے دن

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن جب تک کچھ کھجوریں نہ کھا لیتے نماز کے لئے نہ جاتے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی حدیث بیان کی اس میں یہ ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھاتے۔ (بخاری شریف)

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ملک شام میں امام کے دیر سے نکلنے پر اعتراض کیا اور) کہا اس وقت تو ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی جس وقت نفل پڑھنا درست ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

سب مسلمان بھائی ہیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد مت کرو، لڑائی پن مت کرو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، پس نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ذلیل کرے نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ اور پرہیز گاری یہاں ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا (یعنی ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا، جب تک اس کا سینہ صاف نہ ہو) اور آدمی کو یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔'' (مسلم)

تقویٰ کی اہمیت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھے گا۔'' (مسلم)

پردہ پوشی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا عیب چھپائے گا۔ (مسلم)

ساتھ بیٹھنے والوں کی سفارش کے بیان میں

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص ضرورت لے کر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سے فرماتے۔

''تم سفارش کرو، تمہیں ثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبر کی زبان پر وہی فیصلہ کرے گا جو چاہتا ہے۔'' (مسلم شریف)

قیامت کے دن

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کی پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کا دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔''

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانا

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص بولا۔
''اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا۔'' میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے۔

بدگمانی

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دو، یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے، جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ نے نزدیک قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔''

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

مسلمانوں کو ایذا پہنچانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور جو لوگ مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (ایسا) کام کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' (احزاب)

ف:۔ اگر ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور اگر عمل سے ہے تو صریح گناہ ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''بڑی تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں، کیا ان لوگوں کو ان کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہیے اور ناپ تول میں کمی سے توبہ کرنی چاہیے) (مطففین)

عیب تلاش کرنا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔
''اگر تم لوگوں کے عیب تلاش کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے۔'' (ابوداؤد)

ف:۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت

سی برائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں، یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔ (بذل المجہود)

مسلمانوں کو ستانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔'' (ابن حبان)

راستہ بند کرنا

حضرت انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے لیے راستہ بند ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا کہ جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا، اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

مسلمان کو تکلیف دینا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جس شخص نے کسی مسلمان کی پیٹھ کو ننگا کر کے ناحق مارا، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

مفلس کون ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) ارشاد فرمایا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

''ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم (پیسہ) اور (دنیا کا) سامان نہ ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کا مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، پھر اگر وہ دوسرے کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان کے حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔'' (مسلم)

☆☆☆

قدرت اللہ شہاب کی باتیں

ابن انشاء

لاہور اور کراچی کے کئی اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ قدرت اللہ شہاب جو اردو کے ایک نامور ادیب ہیں، بھیس بدل کر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ان علاقوں میں گھس گئے جو ہمارے نزدیک عرب علاقے ہیں اور ہمارے دشمنوں کی اصطلاح میں ''اسرائیلی''۔ وہاں یہ بیت المقدس میں گھومے پھرے، عربوں کے گھروں میں گئے، ان کے انڈر گراؤنڈ لیڈروں سے ملے، کیونکہ یہ الفتح کے مجاہدین کے ساتھ یا ان کی مدد واعانت سے ہی تو گئے تھے اور اسرائیلی چیرہ دستیوں کے ثبوت مع فلم فوٹو وغیرہ لے کر واپس پہنچ گئے اور وہاں یونیسکو کے پلیٹ فارم سے ایسی معرکے کی تقریر کی کہ اسرائیلی اور حامیان اسرائیل بوکھلا کر رہ گئے۔ اقوام متحدہ کے اس پلیٹ فارم سے نہ صرف اسرائیل کی مذمت ہوئی، بلکہ یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل کو تفتیش کے لئے خود بھاگ کر تل ابیب جانا پڑا۔

☆☆☆

ہم نے یہ خبر پڑھی اور آنکھیں ملیں، پھر اپنے چٹکی لی، یہ جاننے کے لئے کہ ہم جاگ رہے ہیں یا خواب دیکھ رہے ہیں کیونکہ ہم اس قسم کی جرأت کے متحمل نہیں ہو سکتے، ہمارا واسطہ زیادہ تر کاغذی شیروں کے ساتھ پڑتا ہے، سچ مچ کا شیر صرف چڑیا گھر میں یا ایم جی ایم کی فلموں میں ٹائٹل پر دیکھا ہے۔

دیکھا جائے تو اس میں چٹکی لینے کی چنداں بات بھی نہ تھی، کیونکہ ایک صاحب کے قول کے مطابق قدرت اللہ شہاب ایک آئس برگ ہیں، برف کا پہاڑ، ایک درجہ پانی کے اوپر دس درجے نیچے، ایک طرف درویش خدامست ہیں، دوسری طرف شوخ وشنگ افسانہ نگار، ایک طرف الحاج، تہجد گزار، اعتکاف نشین، دوسری طرف بقول ایک صاحب کے رابن ہڈ کے ہم زلف۔

1948 میں کشمیر پر حملہ ہوا تو نوکری چھوڑ کر اڑی یا تراڑ کھل میں جا بیٹھے، لیکن ہم سے پوچھیے تو ان کا مزاج اس سے پہلے سے بلکہ لڑکپن ہی سے عاشقانہ تھا۔

قحط بنگال کے دنوں میں جب کہ یہ نئے نئے آئی سی ایس ہوئے تھے اور مدنا پور میں تملوک کے ایس ڈی او تھے تو انہوں نے اپنی نگرانی میں بیوپاریوں کے گودام لٹوا دیے تھے، جن میں ہزاروں بوریاں لالہ پنا لال اگروال نے موقع مناسب پر سونے کے مول بیچنے کے لئے ذخیرہ کر رکھی تھیں، ان پر ایک تحقیقاتی کمیٹی بھی بیٹھی تھی، لیکن یہ دیکھ کر لوگ تو ان کو پوجنے لگے ہیں، بیٹھی ہی بیٹھی رہ گئی۔

اور بھاگل پور کا واقعہ تو اس سے بھی عجیب ہے، کوئٹ انڈیا تحریک زوروں پر تھی، ایک گاؤں میں لوگوں نے سرکاری ڈاک خانہ جلا دیا تھا، اوپر کی سطح پر فیصلہ ہوا، کہ یہ پورا گاؤں جلا دیا جائے، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، چنانچہ کمشنر میکفرسن، ڈپٹی کمشنر پریڈو، ڈی آئی جی پولیس کچھ نفری لے کر تیل کے کنستروں سے مسلح شہاب صاحب کی عمل داری میں پہنچ گئے، انہوں نے پوچھا۔

''خیریت؟''

جواب ملا۔

''ہم فلاں گاؤں جلانے آئے ہیں۔''

یہ بولے۔

''مجھ سے اجازت لے لی؟''

کمشنر وغیرہ بہت ہنسے اور بولے۔

''تو کون ہے؟''

انہوں نے کہا۔

''میں اس علاقے کا ایس ڈی او، آپ کتنے بھی بڑے حاکم ہوں یہ علاقہ میری تحویل میں ہے، یہاں کے نظم ونسق کا میں ذمہ دار ہوں، آپ لوگ چلے جائیے۔''

وہ اور زیادہ ہنسے کہ چہ پدی چہ پدی کا شوربا۔

ان کے پاس ایک اردلی تھا شیر خان، جہلم کا رہنے والا، اس نے انہوں نے کہا۔

''دیکھو شیر خان! یہ صاحب لوگ گاؤں کو جلانے آئے ہیں، تم میرا حکم مانو گے؟''

بولا۔

''حضور آپ ہی کا حکم مانوں گا۔''

انہوں نے فرمایا۔

''اچھا تو ان صاحب لوگوں میں سے جو بھی اس دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرے اس کو گولی مار دے۔''

وہ اور بھی بگڑے دل تھا، بولا۔

''جناب! اگر حکم ہو تو، یہ لوگ اگر نہ بھی نکلیں تب بھی گولی مار دوں؟''

انہوں نے کہا۔

''نہ نہ ایسا مت کرنا۔''

یہ بات ان افسران عالی مقام کو سنا کر کہی گئی تھی، ڈی آئی جی صاحب نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن شیر خان کی بندوق کی نال دیکھ کر سہم گئے، ساری پارٹی کو بے نیل ومرام غصے کے شعلے اگلتے لوٹنا پڑا۔

چیف سیکریٹری کے ہاں طلبی ہوئی تو یہ استعفے جیب میں رکھ کر لے گئے، انہوں نے کہا برخوردار تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے، ایک گاؤں جل جاتا تو سارے بہار میں آگ لگ جاتی، لیکن اتنے بڑے بڑے حاکموں کی حکم عدولی نہیں کیا کرتے، اب جاؤ میں سمجھ لوں گا۔''

تتمہ اس کہانی کا یہ ہے کہ راجندر پرشاد جو ان ہی نواحات کے رہنے والے تھے اور بعد میں بھارت کے صدر ہوئے، یہ ماجرا سن کر ایک جلوس لئے زندہ باد کے نعرہ لگاتے ان کے گھر پر آئے اور اس رشتے سے بعد میں تاحیات ان کو عید پر عید کارڈ بھیجتے رہے۔

☆☆☆

جھنگ اور لائل پور کی ڈپٹی کمشنری کے زمانے میں بھی یہ ہارون الرشیدی کیا کرتے تھے، یعنی بھیس بدل کر شہر اور دیہات میں گھوما کرتے تھے، وہاں انہوں نے لوگوں کے لئے جو کچھ کیا اس کی بناء پر اب تک یاد کیے جاتے ہیں، لیکن وہاں کے پیروں اور جاگیرداروں کو یہ ایک آنکھ نہ بھائے اور آکر ان کی ڈپٹی کمشنری چھڑا کر انہیں ہالینڈ بھیج دیا گیا۔

دوسرے پھر جب عالمی جاگیرداروں کو ان کی آزاد طبعی پسند نہ آئی تو ان کو ہالینڈ بھجوایا گیا، ایران کے بادشاہ فتح علی شاہ قاچار کے ملک اشعرا پر بھی یہی گزری تھی، ایک بار بادشاہ نے کچھ اشعار لکھے جو نہایت ہیچ پوچ تھے، ملک الشعراء سے رائے مانگی تو انہوں نے کہا۔

''حضور! یہ کہاں کی شاعری ہے۔''

بادشاہ نے غصے ہو کر اسے طویلے میں بند کرا دیا، کچھ دن بعد پھر بادشاہ نے فکر سخن کی اور ملک

الشعراء کو بلایا تا کہ آ کر داد دیں، انہوں نے شعر سنے اور اٹھ گئے۔

شاہ نے پوچھا۔

''کہاں چلے؟''

بولے۔

''پھر طویلے جاتا ہوں۔''

☆☆☆

لاہور کے ایک اخبار نے کمال کیا، ان کے عرب مقبوضہ علاقوں میں جانے کی خبر دی اور ساتھ ہی ٹانکا لگایا کہ یہ کس ملک کا جعلی پاسپورٹ بنوا کر گئے تھے؟ وہ کوئی پاکستان کا دشمن ملک ہی ہوسکتا ہے، ان کی تحقیق ہونی چاہیے، تب ہمیں معلوم ہوا کہ الفتح کے مجاہدین جب چھاپہ مارنے جاتے ہیں تو باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزا کے ساتھ جاتے ہیں، سرحد پر اسرائیلی افسروں کو بتاتے ہیں کہ ہم آپ کے علاقے میں بم پھینکنے جا رہے ہیں، وہ کہتے ہیں، اچھی بات ہے اور مہر لگا کر اجازت دے دیتے ہیں، بلکہ آدمی بھی ساتھ کر دیتے ہیں، تا کہ کوئی ان کو منع نہ کرے۔

دوسری بات بھی ایسی ہی جوڑ دی کہ ایک صاحب جو شہاب کے دوست ہیں، پچھلے دنوں کراچی سے لندن آتے ہوئے ماسکو اترے تھے اور ایک محفل میں پاکستان بھارت کی کنفیڈریشن کے بارے میں خیال آرائی کرتے سنے گئے، لیجیے ''رائی'' یہ تھی کہ کوئی صاحب جو شہاب کے ایک ہزار ایک دوستوں میں سے ہوں گے، پی آئی اے کی اس فلائٹ سے آئے جو ماسکو کے راستے جاتی ہے، اتر کر ماسکو کی سیر بھی کی ہوگی، اگرچہ کوچسن سے ان کے ملنے کا امکان کم ہے، بہرحال پربت یہ بنا کر ضرور قدرت اللہ شہاب لندن میں بیٹھے پاکستان اور بھارت کی کنفیڈریشن بنا رہے ہوں، خبر سے خبر یوں ہی نکلتی ہے بلکہ نکالی جاتی ہے۔

وہ بزرگ بڑے دور اندیش تھے، جن کی چھاتی پر سے چوہا گزر گیا تو رونے لگے، لوگوں نے کہا۔

''میاں اس میں کیا بات گھبرانے اور رونے کی ہے۔''

بولے۔

''میں چوہے کو نہیں روتا، چوہے کے پیچھے بلی دوڑی آئے گی، بلی کے پیچھے کتا آئے گا، کتے کے پیچھے پولیس کا پیادہ آئے گا اور پھر پوری فوج پریڈ کرتی میری چھاتی پر سے گزر گئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔''

شہاب صاحب سمجھے ہوں گے کہ انہوں نے اسرائیل پر چھاپہ مار کر بڑا کام کیا، یہاں ایک معمولی اخبار والے نے دفتر میں بیٹھے بیٹھے لنگڑی ماری اور چاروں شانے چت کر دیا، واہ بھئی واہ اخبار والو!

☆☆☆

فوزیہ شفیق

عید رنگوں، خوشیوں اور مسرتوں بھرا تہوار، ایک خوشگوار مہکتا احساس، لفظ ''عید'' سے ہزاروں خوشیاں وابستہ ہوتی ہیں، عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور چاند رات کو تو یہ تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں، صبح عید کا تصور ہی جان افزا ہوتا ہے۔

عید مبارک کی صداؤں میں عید کا دن طلوع ہوتا ہے، آرائش، زیبائش، رنگ، خوشبو، خوشیاں اور میل ملاقات یہ ہی حسن ہے عید کے تہوار کا۔

عید کی ان سچی خوشیوں کو ہماری پیاری اور قابل فخر مصنفین نے ہمیشہ کی طرح ''عید سروے'' میں شرکت کر کے قارئین کی عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہے، ہم نے عید سروے کے سوالات کچھ یوں ترتیب دیے تھے۔

۱۔ عید کی خوشیاں منانے کا اہتمام آپ کس طرح سے کرتی ہیں؟ روایتی انداز میں یا کچھ ہٹ کر؟

۲۔ تحفہ دینے یا لینے کے متعلق کوئی خوشگوار واقعہ، جسے یاد کر کے آپ آج بھی مسکراتی ہوں؟

۳۔ عید کے حوالے سے کوئی خاص ڈش جو آپ بناتی ہیں اور کھانے والوں سے داد وصول کرتی ہیں، ترکیب بھی بتائیں؟

۴۔ کوئی ایسا شعر، نظم یا غزل جو اپنے کسی خاص پس منظر کی وجہ سے یاد رہتا ہو؟

۵۔ بطور عیدی کوئی ایک جملہ ''حنا'' کے لئے؟

آیئے دیکھتے ہیں ہماری مصنفین نے اپنی چاہتوں کے پھول لفظوں کی صورت بکھیر کر اپنے قارئین کو کتنی انمول عیدی سے نوازا ہے۔

قرۃ العین رائے

ہک ہاہ، فوزیہ جی آپ کے سروے کے سوالات کمرہ امتحان کی یاد تازہ کر دیتے ہیں سب کچھ رٹا لگا کر یاد کرنے کے باوجود جیسے ہی پرچہ ہاتھ میں آتا ہے ہر سوال پڑھنے پر دن میں تارے نظر آ جاتے ہیں فیثا غورث کی روح کو تڑپاتے ہوئے چاہے ساری رات اس مسئلے کو حل بلکہ رٹ رٹ کے ذہن میں ٹھونسا جس کا حل شاید فیثا غورث کے پاس بھی نہیں تھا لیکن جیسے ہی کوئسچن پیپر پر فیثا غورث کا مسئلہ پڑھا جاتا یوں لگتا یہ کسی اور

ہی سیارہ کا تذکرہ ہے تو اتنی لمبی تمہید کا مقصد خود کو بے حد مظلوم اور آپ کو...... (اب ظالم تو میں نہیں کہہ سکتی) ثابت کرنا ہے۔

سارے سروے کے سوالات یکبار پڑھنے کے بعد یہی خیال کہ اتنے لوگوں کو لفظوں کا ماہر، الفاظ شناس جیسے ناموں سے پکارا جاتا لیکن جب اپنے بارے میں بات کرنی ہو، سارے الفاظ ہی منہ چڑھائے کونے کھدروں میں جا گھستے ہیں تو چلیئے میرے ساتھ آپ بھی ان شرارتی لفظوں کو ڈھونڈیئے اور ان سے ملنے سے جو جواب تشکیل پاتے ہیں وہ پڑھیئے۔

1۔ عید کی خوشیاں منانے کا اہتمام روایتی انداز میں ہو یا ہٹ کر میرے بے حد کاموں سے شروع ہوتا اور بے حد کاموں پر ہی اختتام پذیر ہوتا ہے جن میں اب تقریباً اپنی تیاری کی علاوہ بیٹی کی تیاری اور اس کا اہتمام اولین فرائض میں شامل ہو چکا ہے، ہے تو محترمہ سات سال کی مگر عید پر بناؤ سنگھار اماں سے بھی زیادہ کرنا ہوتا ہے، مہندی پورے دونوں بازؤں پر بھر بھر کر مجھ سے لگوائی جاتی ہے، بے انتہا ڈائریکشن دیتے ہوئے اور مسلسل ہلتے جلتے ہوئے دعا کی عید کی تیاری دیکھ کر واقعی عید کا اہتمام روایتی اور لازمی ہوتا ہے کوشش کرتی ہوں کہ رمضان سے پہلے عید کی شاپنگ کرلوں تاکہ گرمی کے روزے سکون سے اور عبادت میں گزر سکیں چونکہ ہمیں عید کے روز سسرال جانا ہوتا ہے جہاں پر ہمارا بے تابی سے انتظار ہو رہا ہوتا ہے، لہٰذا عید کا اہتمام میٹھی سوئیاں کے ساتھ حتمی ہوتا ہے اور اچھا بھی لگتا ہے۔

2۔ دوسرے سوال کے لئے یاداشت اور لفظوں کو خوب ڈھونڈا پڑا ارے آپ تو اونگھنے لگے میرے جواب دینے تک، خیر چلیے بتاتے ہیں میاں صاحب نے پہلی دفعہ چاند رات کو تنہا میری اور دعا کی شاپنگ کی تھی گئے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی شاپنگ کے لئے تھے اور ویسے بھی انہیں تنہا ہماری شاپنگ کا تجربہ نہیں تھا تو وہ سرپرائز بہت اچھا اور خوش گوار لگا پہلی دفعہ دعا کے فراک وہ بھی اس کے سائز کا ایک خوش گوار حیرت چھوڑ گیا تھا، ویسے یہ واقعہ پہلی اور آخری بار ہوا اب محترم بیٹی اور بیوی (یعنی مجھے) کو بازار ڈراپ کر دیتے ہیں جو شاپنگ کرنی ہے کرلو تو وہ نفیس سا فراک اور میرا سوٹ

مجھے آج بھی ایک خوشگوار مسکراہٹ اور ٹھنڈی سانس خارج کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

3۔ لو جی ہر سوال ایک سے بڑھ کر ایک مشکل لگتا ہے اس پیپر میں فوزیہ جی نے مجھے مکمل طور پر فیل کرانے کی ٹھانی ہوئی ہے۔
عید کے روز تو آف کورس سوئیاں ہی بنائی جاتی ہیں اور سبھی پوچھتے ہیں کہ اس میں کھویا ڈالا ہے یا برنی جبکہ ایسا ہرگز نہیں میں تو بس ہلکی آنچ پر دودھ ابالنے کو رکھ دیتی ہوں اور چار پانچ بار بوائل ہونے کے بعد سوئیاں، چینی، چھوٹی الائچی، گری بادام چاہے تو کھجور بھی (بھئی کاٹ کر) ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں بہت مزے دار سوئیاں تیار ہو گئیں اور یہ کام میں عید کے روز نماز فجر ادا کرنے کے فوراً بعد کرنا شروع کر دیتی ہوں لہٰذا صبر اور وقت دونوں ہوتے ہیں اس لئے ڈش اچھی تیار ہوتی ہے اور ہر دفعہ کھانے پر سب سے داد بھی وصول ہوتی ہے امید ہے آپ نے ترکیب تو نہیں ٹپس ضرور نوٹ کر لیں ہو گئیں بس یہی میری ترکیب ہے۔

4۔ فوزیہ جی زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات ہے میرے اردگرد بسنے والے لوگ شعر و شاعری، ادب افسانہ جیسی چیزوں سے ناواقف ہیں جو بات بھی ہے سیدھی اور صاف (دوسرے لفظوں میں وٹے کی طرح ماری جاتی ہے) کی جاتی ہے آج کل بیٹی کو یہ نعت بہت پسند ہے اور ٹیپ پردہ فرمائش کر کے لگوا دیتی ہے (اب بھی یہی کر رہی ہے جبھی خیال آیا کہ اس شعر سے بڑھ کر کوئی شعر نہیں ہے تو سنیے میرا مطلب ہے پڑھیئے)۔

خوب نام محمدؐ ہے اے مومنو
جس میں نقطہ بھی رب کو گوارا نہیں

5۔ ''مجھے آپ سب سے بہت پیار ہے اور آپ کا پیار مجھے لکھے رکھنے پر اکسائے رکھتا ہے۔'' میری طرف سے آپ سب کو پیشگی عید مبارک اور دعا ہے رب کائنات سے کہ یہ عید ہم سب کے لئے ہمارے وطن عزیز کے لئے دائمی خوشیاں لے کر آئے اور گری کے ماہ صیام کو صبر اور خوش گوار موسم کے ساتھ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔
جاتے جاتے میں اللہ تعالیٰ کے بے حد مشکور ہوں جس نے یوں تو بے حد اور بے تحاشہ ان گنت نعمتوں سے نوازا لیکن آج دس جون کو بے حد اور شدید گرمی تھی جس کا اختتام شام کو ٹھنڈی ہوا اور بادلوں کی کھنکناہٹ بھری آواز سے ہوئی ہے تھنک یو اللہ میاں جی آج بہت گرمی تھی اور آپ نے اپنی مخلوق پر رحم کیا ہے بے شک آپ کی رحمت کا کوئی شمار نہیں۔

نایاب جیلانی

1۔ گو کہ عید ہمارا اسلامی تہوار ہے اور پوری عقیدت و جوش جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے، بچپن کی عیدوں کا اب کی کسی عید سے موازنہ کرنا سراسر زیادتی ہے۔
پچھلے دو تین سالوں سے ''عیدین'' کی خوشیوں کا مزہ اور ترنگ کچھ اور ہے، گزشتہ عید کی ایسی غضبناک تیاری کرنے کے بعد اچانک چاند رات کو میں بیمار ہو گئی تو ٹرائفل سے لے کر کھانا بنانے تک میرے شوہر نے ایک ہزار ایک باتیں سنا سنا کر پورا دن کچن

میں گزارا تو اپنی ہی اماں کو بار بار یاد کرتے رہے۔

''امی ہوتی تو یہ نہ ہوتا، میرا دن کچن میں نہ گزرتا، تم بہانہ بنا کر بیڈ پہ نہ لیٹتی۔'' ایسے ہی کئی طرح کے کٹیلے جملے سنا سنا کر انہوں نے کھانا بنایا، ضحیٰ کو تیار کیا، صائم کو کپڑے پہنائے اور پھر دونوں بچوں کو اٹھا کر غصے میں اپنی امی کے گھر لے گئے، یوں میرا دن ٹرائفل کھاتے، ٹی وی انجوائے کرتے اور جلتے کسلتے گزر گیا۔

ویسے تو عید کی تیاری روایتی انداز میں کی جاتی ہے، آدھی شاپنگ میں کرتی ہوں آدھی میری امی، رمضان سے پہلے ہی ہم سب تیاریاں مکمل کر لیتے ہیں اور اس دفعہ تو ساری شاپنگ سنٹورس اسلام آباد سے ہماری پھپھو نے کروا دی، سو کچھ بھی خریدنا نہیں پڑا۔

2- مجھے تحفے دینے کا جنون کی حد تک شوق ہے، (کیوں آمنہ، عذیر، بسمہ، ربیعہ، اقرا ٹھیک کہہ رہی ہوں؟)

میں نے کبھی کسی کی سالگرہ تک کو مس نہیں کیا، ہمیشہ اپنے سب کزنز کو گفٹ دیتی ہوں اور پھر مانگ کر لیتی بھی ہوں۔

اپنی بیٹی کی سالگرہ سے پہلے اپنے سب کزنز کو میسج کر کر کے یاد بھی کرواتی ہوں، عید سے پہلے رولا ڈال دیتی ہوں کہ اس دفعہ فلاں فلاں چیز تحفے میں دیں، اس طرح میرے کزنز بھی مجھ سے مانگ کر تحفہ لیتے ہیں، اس اپنائیت اور دیدہ دلیری کا کوئی انت نہیں۔

3- ایک دفعہ پہلے بھی ایک سروے میں ترکیب لکھ کر بھیجی تھی، ایمان سے جھوٹ نہیں کہوں گی، میں نے رسالے میں سے ترکیب لکھ کر بھیج دی تھی۔

مجھے کچھ بھی پکانا نہیں آتا، جو پکاتی ہوں خود بھی نہیں کھا سکتی، میری کوکنگ بہت خراب ہے، میرا پکا ہوا میرے ابو بھی نہیں کھا سکتے، میری روٹی بہت عجیب ہوتی ہے۔

اور میں انتہائی پھوہڑ ہوں، کام کرنا وبال لگتا ہے، کچن میں جانا عذاب لگتا ہے، اگر ہوٹل نہ ہوتے تو جانے میرے جیسوں کا کیا بنتا؟

4- یہ جواب خاصا دل پسندانہ ہے، شعر گو کہ یاد نہیں رہتے، لیکن یہ شعر کبھی بھولتا نہیں، مجھے پسند بھی نہیں ہے۔

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا پیار کی بازی
جیتوں تو تمہیں پاؤں ہاروں تو پیا تیری

5- حنا کے لئے بس ایک بات، ایک جملہ، ایک ہی عید گفٹ۔

یہ میرا پہلا ناول حنا کے لئے، حنا میں بہت پذیرائی ملی، ہمیشہ کی طرح اچھے قاری اچھے دوست اور اچھے ساتھی ملے ہیں۔

حنا کے ریڈر میرے لئے نئے اور اجنبی تھے، لیکن مجھے بہت اپنائیت کا احساس ہوا اور میرے دوستوں میں سدرہ صدیقی کی محبتیں، دعائیں اور اس کے حوصلہ افزا جملوں کے طفیل میں اس مقام تک آنے میں کامیاب ہوئی۔

عمارہ امداد

تمام قارئین اور ادارہ حنا کو ماہ رمضان بہت مبارک ہو اور پیشگی عید الفطر کی بھی مبارک باد قبول کیجئے، اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

- بچپن میں تو عید بہت اہتمام سے مناتی رہی ہوں اب تو سادگی سے ہی مناتی ہوں البتہ

اپنے بیٹوں کو اہتمام سے تیار کرتی ہوں ان کے لئے خاص طور پر شلوار قمیض خریدتی ہوں لڑکوں کی اور تو اتنی خاص عید کی تیاری ہوتی نہیں، خود بھی تیار ضرور ہوتی ہوں، عید الفطر والے دن میں آئسکریم ضرور کھاتی ہوں اور یہ عادت بچپن سے ہے پہلے میں اور میری کزن ہم مل کر کھاتے تھے اب بچوں کے ساتھ مل کر کھاتی ہوں اور میاں کو بھی زبردستی کھلاتی ہوں۔

2۔ تحفے سے متعلق ایک بہت مزے کا بچپن کا واقعہ ہے وہ اکثر یاد رہتا ہے اور اپنی نادانیوں پر ہنسی بھی آتی ہے، میں فورتھ کلاس میں تھی عید الفطر سے پہلے ہم سب دوستیں ایک دوسرے کو عید کارڈز ضرور دیتی تھیں، میری ایک دوست تھی ہم دونوں نے ایک دوسرے کو کارڈز دیئے اور عیدی بھی دی اور تحائف کے تبادلے کے دو دن بعد ہی ہم دونوں کی کسی بات پر لڑائی ہوگئی تو اس نے میرا تحفہ واپس کر دیا اور میں نے اس کا اور ایک دوسرے سے بولنا بند کر دیا پھر عید والے دن ایک اور دوست نے ہماری صلح کروائی۔

3۔ عید کے حوالے سے کوئی مخصوص ڈش تو نہیں ہے، میرے میاں میٹھے کے بہت شوقین ہیں تو اس لئے میٹھا ضرور بناتی ہوں، کھیر، سویاں وغیرہ ان کی ترکیب تو سب کو ہی آتی ہے، میرے بیٹوں کو چاکلیٹ ٹرائفل بہت پسند ہے، ان کے لئے اکثر بناتی رہتی ہوں، اس عید پر بھی ان کی یہی فرمائش ہوگی، اس کی ترکیب ہی لکھ دیتی ہوں۔

"چاکلیٹ ٹرائفل"

اجزاء:۔ ایک لیٹر کوئی سا بھی ملک پیک، ایک کریم کا پیکٹ، کینڈی بسکٹ، کا بڑا ڈبہ یا دو ہاف رول، ونیلا کسٹرڈ، کوکو پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ، فروٹ کاکٹیل، ایک چھوٹا ٹن، ونیلا کسٹرڈ، چار کھانے کے چمچ اور کوکو پاؤڈر دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب۔

دودھ میں کوکو پاؤڈر مکس کر کے پکنا رکھ دیں، جب کوکو پاؤڈر اچھی طرح مکس ہو جائے تو چینی ڈال دیں جس حساب سے کسٹرڈ میں ڈالتے ہیں پھر ابال آنے پر ونیلا کسٹرڈ ڈال کر پکا لیں، پھر اس کسٹرڈ کو ٹھنڈا کر لیں، جب ٹھنڈا ہو جائے پھر ایک چوکور باؤل میں ہلکی ہلکی کریم لگا کر اس کو پھیلا دیں، ابھی کریم تھوڑی سی لگانی ہے (کریم میں دو تین قطرے لیموں ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں) پھر سارے باؤل میں کینڈی بسکٹ ایک ایک کر کے پھیلا دیں، دو تین بسکٹ بچا لیں اوپر چورا کر کے ڈالنے کے لئے) پھر بسکٹ کے اوپر فروٹ کٹیل میں فروٹ نکال کر ڈال دیں (سیرپ نہیں ڈالنا) یہ بھی پھیلا دیں اور آخر میں اوپر بسکٹ کا چورا ڈال دی اور ٹھنڈا کرنے رکھ دیں، اس ٹرائفل کو بہت ٹھنڈا کرنا ہے، فریزر میں رکھ دیں، اتنا ٹھنڈا ہو کہ بس جمے نہیں لیکن بہت ٹھنڈا ہو چکا ہو پھر یہ بہت مزے کا لگتا ہے۔

4۔ ایک شعر ہے جو یاد رہتا ہے اور کس وجہ سے یاد رہتا ہے تو وہ بہت مزے کا واقعہ ہے چلیں آپ کو بھی سناتی ہوں۔

میرے میکے والے گھر میں اوپر والے پورشن میں ہماری فیملی رہتی ہے، نیچے والے حصے میں دو پورشن ہیں ایک میں میرے چچا کی فیملی ہوتی ہے اور دوسرے میں ایک اور فیملی

رہتی تھی، بہت سال ہم نے اکٹھے گزارے میرے بچپن سے شادی تک اکٹھے ہی وقت گزرا اس لئے ان کے بچوں سے بھی ہمیں بہت پیار تھا، جب میں تھرڈ ائیر میں تھی تو ان کا ایک بیٹا تھری کلاس میں تھا اس نے عید الفطر سے پہلے مجھے عید کارڈ دیا (یہ کارڈ تھا جس پر اداکاروں کی تصاویر ہوتی ہیں) اور پیچھے لکھا تھا ڈئیر عمارہ تمہیں میری طرف سے دلی عید مبارک قبول ہو اور شعر لکھا تھا۔

جنگل میں رہتا کانٹوں پر سوتا ہوں
جب تمہاری یاد آتی ہے دل بھر کر روتا ہوں

میرے علاوہ اس نے میری امی، چچی اور بڑی بہن کو بھی کارڈ دیئے تھے اور سب پر یہی شعر لکھا تھا، اسے پڑھ کر بہت دیر تک میں اور میری باجی ہنستی رہی تھیں۔

5۔ میری طرف سے ''حنا'' کے لئے ڈھیروں دعائیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ یونہی زینہ بہ زینہ کامیابی کی منازل طے کرتا رہے اور پڑھنے والوں کے لئے یونہی مشعل ہدایت بنا رہے، آمین۔

درخشاں ضیاء

1۔ مجھے اپنی روایتوں سے بہت پیار ہے، عید کی خوشیاں روائتی انداز سے مناتی ہوں گو کارڈ دینے کی روایت دم توڑ چکی ہے مگر میں آج بھی اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے کارڈ بنا کر بھیجتی ہوں، عیدی کے لئے لفافے گھر میں بناتی ہوں، عید کے لئے اسپیشل ڈشز بناتی ہوں، کپڑوں کے معاملے میں، میں بہت چوزی ہوں، موسم اور فیشن کو دھیان میں رکھ کر ڈریسز بناتی ہوں، ہر آنے والے مہمان کا استقبال اپنی بھرپور محبتوں اور

مسکراہٹ سے کرتی ہوں۔

2۔ میری زندگی میں گزری ہر عید اللہ کے کرم سے خوشگوار ہے، تحفے دینا مجھے بہت زیادہ پسند ہے، شادی کے بعد پہلی عید پر میرے ہزبینڈ مجھے سرپرائز شاپنگ لے گئے تھے، اپنی پسند کے ڈریس بمعہ میچنگ دلوائے، وہ میرے لئے یادگار تحفہ تھا، پچھلے سال عید پر میرا بھائی عیدی اور گفٹس لے کر اچانک آ گیا، وہ سب بہت خوش گوار تھا۔

3۔ کوکنگ کرنا تقریباً سبھی عورتوں کو پسند ہوتا ہے مجھے بھی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عید پر بننے والی ڈشز بھی تبدیل ہو گئی ہیں، بریانی، قورمے کی جگہ اب پیزا برگر نے لے لی ہے، میں لنچ یا ڈنر میں تو بریانی، گوشت، فش یا کڑاہی بناتی ہوں، لیکن اس کے ساتھ منی پیزا، بریڈ رول وغیرہ بھی تیار کرتی ہوں، میٹھے کی روایت چونکہ اپنی جگہ قائم و دائم ہے، میرے ہاتھ کی بنائی ہوئی ''شیر'' سب کو بہت پسند آتی ہے، میرے چھوٹے بھائی کی تو فرمائش ہوتی ہے، کہ باجی شیر ضرور بنانا، شیر کی ترکیب درج ذیل ہے۔

اجزا:۔

دودھ	پانچ لیٹر
سویاں	آدھا کپ
بادام	ایک پاؤ
چھوہارے	ایک پاؤ
کھویا	ایک کلو
الائچی پاؤڈر	ایک چمچ
شکر	چار کپ

بادام کو ہلکا سا جوش دے کر چھلکا اتار لیں، چھوہاروں کو درمیان سے کھول کر گٹھلی نکال لیں اور تقریباً چھ گھنٹے بھگوئیں، دودھ ابال لیں، جوش آنے پر سویاں ڈال کر مزید پکائیں، تھوڑا دودھ گاڑھا ہو جائے تو کھویا ڈال دیں، چمچہ ہلاتے رہیں کہیں نیچے لگ نہ جائے، تھوڑا گاڑھا ہونے پر میوے اور الائچی پاؤڈر ڈال دیں، دو گھنٹے تک پکائیں، پھر شکر ڈال دیں پندرہ منٹ مزید پکائیں، پھر چولہا بند کر دیں تھوڑی ٹھنڈی ہو جائے تو ڈشز میں نکال کر فریج میں رکھ دیں شیر بننے میں کافی وقت لیتی ہے، مگر تھوڑی محنت آپ کی عید یادگار بنا دے گی۔

4۔ یہ نظم عید کے حوالے سے نہیں ہے، مگر اس نظم عید اور میرا گہرا تعلق ہے، یہ نظم میرے دل کے بھی بہت قریب ہے، آج بھی میری ڈائری میں محفوظ ہے، نظم کا ایک قطعہ پیش خدمت ہے۔

یونہی دوش پہ سنبھالے گھنی زلف کے دوشالے
وہی سانولی سی رنگت وہی نین نیند والے
وہی من پسند قامت وہی خوش نما سراپا
کسی اور ہی سفر میں سر راہ مل گئی تھی
تمہیں اور کیا بتاؤں وہ تیری طرح کوئی تھی

5۔ اللہ پاک حنا کو مزید ترقی دے آمین۔

سونیا چوہدری

1۔ عید کی خوشیاں، میں زیادہ تر روایتی انداز میں منائی جاتی ہیں، عید کے خاص دن کی تو اپنی ہی اہمیت ہوتی ہے، لیکن عید والے دن سے زیادہ میں چاند رات کو زیادہ انجوائے کرتی ہوں، چاند رات کا بھی اپنا ایک الگ ہی مزا ہوتا ہے، کزنز کو مہندی لگانے کے چکر میں ہمیشہ خود کے ہاتھوں پہ نہ لگا پانا، سب گھر والوں کے ساتھ مل کر بازار جانا، سونے

سے پہلے صبح عید کی نماز کے لئے کپڑے جوتے سب کچھ ریڈی کر کے سونا، سب کچھ بہت اسپیشل ہوتا ہے اور میٹھی عید کی اصلی خوشی کا اہتمام تو عیدی ملنے کے بعد ہی کیا جاتا ہے۔ جی اور اس بار تو عید سے پہلے ایک بار پھر میری چھ جولائی کو عید ہونے والی ہے جی مطلب میری سالگرہ۔

2۔ ایک تحفہ مجھے یاد ہے جس کو سوچ کر آج بھی مسکرا دیتی ہوں، ویسے تو ہر تحفے کو مسکرا کر ہی وصول کرتی ہوں لیکن چونکہ وہ کچھ خاص تھا اس لئے آج بھی وہ لمحہ یاد ہے۔

میرے ایک چھوٹے سے اسٹوڈنٹ نے مجھے اپنی پاکٹ منی سے پیسے جمع کر کے ایک چھوٹا سا بے حد خوبصورت بریسلیٹ گفٹ کیا تھا، جو تھا تو سمپل سا لیکن بے حد نفیس تھا اور جب یہ بات مجھے اس کی امی نے بتائی کہ اس نے اپنی پاکٹ منی سے خریدا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی، اور یہ چھوٹے چھوٹے لمحات ہی ہماری زندگیوں کو خوبصورت بنا دیتے ہیں۔

3۔ کوکنگ زیادہ تر میری امو جان ہی کرتی ہیں اس لئے کبھی کبھار کوکنگ کرنے پر مجھے داد ضرور ملتی ہے کہ میں جب بھی کھانا بناتی ہوں اچھا بناتی ہوں، ویسے میں بریانی، چائنیز رائس سب سے زیادہ مزے کا بناتی ہوں۔

4۔ کسی خاص پس منظر کی وجہ سے تو ابھی کوئی شعر، غزل یاد نہیں، لیکن "کیف بھوپالی" جی کی اک غزل جو ہمیشہ دل میں طلسماتی اثر چھوڑتی ہے وہ آپ سے شیئر کر رہی ہوں۔

دیدہ و دانستہ ان کے سامنے
لغزشیں ناکامیاں پسپائیاں
ہائے لوگوں کی کرم فرمائیاں
تہمتیں بدنامیاں اور رسوائیاں
زندگی شاید اسی کا نام ہے
دوریاں مجبوریاں تنہائیاں
کیا یہی ہوتی ہے شام انتظار
آہٹیں گھبراہٹیں پرچھائیاں
میرے دل کی دھڑکنوں میں رہ گئیں
چوڑیاں موسیقیاں شہنائیاں
زخم دل کے پھر ہرے کرنے لگیں
بدلیاں برکھارتیں پروائیاں
پیدا کر سمندر کی طرح کیف
وسعتیں خاموشیاں گہرائیاں

5۔ حنا کے لئے ایک جملہ بطور عیدی، اللہ پاک اس ادارے کو مزید ترقیوں کی جانب گامزن کرے آمین۔

روبینہ سعید احمد

سب سے پہلے میں اپنے تمام پڑھنے والوں فوزیہ جی، سردار سر اور ادارہ حنا کے تمام کارکنان کو عید کی بہت بہت مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی، اللہ پاک ہم سب کو رمضان المبارک کے حوالے سے اپنی خاص رحمتوں اور برکتوں سے نوازے آمین۔

فوزیہ جی! سوالنامہ پڑھ کر بہت اچھا لگا، آپ کا سوالنامہ اتنا مکمل اور جامع ہے کہ لگتا ہے کہ آپ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، واہ جی واہ، سوالنامے میں عید کی خوشیاں بھی ہیں اور تحائف بھی، خاص ڈش بھی ہے اور عیدی بھی، خوشگوار یادیں بھی ہیں اور کسی خاص پس منظر کی وجہ سے شعر یا غزل بھی، مان گئے فوزیہ جی، آپ کی ذہانت کو، یعنی چاروں طرف سے ہمیں اس طرح قابو کیا ہے کہ عید کے حوالے سے کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، ویلڈن فوزیہ جی اب

آتے ہیں سوالات کی طرف۔

1۔ عید تو نام ہی خوشی کا ہے اور دوستو، اللہ نے روزوں کا انعام عطا کیا ہے تو پھر خوشیاں کیوں نہ منائیں، بالکل میں عید جوش و خروش سے مناتی ہوں اور روایتی انداز میں ہی مناتی ہوں، عید ہو اور شیر خورمہ نہ ہو تو مزہ نہیں آتا، صبح اٹھتے ہی شیر خورمہ بنالیا جاتا ہے، پاس پڑوس کے گھروں میں بھی شیر خورمہ ضرور بھیجا جاتا ہے، کیونکہ بقول ان کے آپ کے شیر خورمے کی بات ہی الگ ہے، (تو پھر روبینہ عید کے دن آپ کے شیر خورمے کا ہم بھی ویٹ کریں۔)
عید کے دن دہی بھلے بھی گھر میں بناتے ہیں، اس کے علاوہ شامی کباب ایک دن پہلے ہی بنا کر فریز کر دیتے ہیں، صبح ناشتے میں ابو کچوریاں لیتے آتے ہیں جب نماز پڑھ کر آتے ہیں لہٰذا ناشتہ کچوریوں کا ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بھائی لوگ عید کی نماز سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو مٹھائی، حلوہ یا اسی طرح کی دوسری سوغاتیں بھی گھر آجاتی ہیں، یوں گھر میں کھانے پینے کا جو دور شروع ہوتا ہے تو چلتا ہی رہتا ہے، چونکہ میں ایک ٹیچر ہوں اسی لئے میرا حلقہ احباب بھی بہت وسیع ہے لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنے جانے والوں کا تانتا بندھتا جاتا ہے، میرے سٹوڈنٹس، کولیگ اور دیگر رشتہ دار، ماشاءاللہ خوب رونق عید کے دن لگی رہتی ہے اور عید کا دن مصروف ترین گزرتا ہے، آنے والے مہمانوں کو بھرپور کمپنی دیتی ہوں اور ساتھ ساتھ ان کو اپنے گھر کے عید اسپیشل پکوانوں سے محظوظ بھی کرتی رہتی ہوں، یوں دوستو! عید بہت روایتی انداز میں ہنستی مسکراتی گزر جاتی ہے

2۔ فوزیہ جی سوال نمبر دو پڑھ کر مجھے بہت ہنسی آئی، اس سوال کے ذریعے آپ تو مجھے میرے ماضی میں لے گئی ہیں، دوستو جب مجھے سکول میں داخل کروایا گیا تو اس زمانے میں عید جون جولائی میں آتی تھی اور ظاہر ہے کہ ان مہینوں میں سکول بند ہوتے ہیں اور عید ہم چھٹیوں میں ہی مناتے تھے، پھر ساتھ ہی یہ ہوا کہ جس وقت میں چھٹی جماعت میں آئی تو عید خیر سے مئی میں آئی اور سکول کھلے ہوئے تھے اور ان دنوں پہلی بار مجھ پر یہ در وا ہوا کہ طالبات ایک دوسرے کو عیدی دیتی ہیں اور مجھے یاد ہے کہ مجھے میری ہم جماعت نے جب مجھے عیدی کے نام پر ایک گفٹ دیا تو یقین کریں مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، اگرچہ تحفے تحائف ملتے رہتے تھے مگر کسی دوست سے عیدی ملنا اس کی تو بات ہی کچھ اور تھی، میں نے بہت بے صبری سے وقت کلاس میں گزارا اور گھر پہنچتے ہی گفٹ کھولا تو عید کارڈ کے ساتھ چوڑیاں، مہندی، ٹاپس، کلپ پا کر جو مسرت مجھے حاصل ہوئی وہ اس کے بعد بڑے سے بڑے گفٹس پا کر بھی نہیں ملی اور پھر امی نے بھی میری سہیلیوں کے لئے ایسے ہی گفٹ بنا کر دیے، آپ یقین کریں فوزیہ جی، بچیاں ان چھوٹے چھوٹے گفٹس سے اتنی خوش ہوتی ہیں کہ کیا بتاؤں اور پھر ایسا سلسلہ چلا کہ عائشہ (بیٹی) بھی اپنی سہیلیوں کو ہر سال ایسے ہی تحفے پیک کر کے دیتی ہے، اب بھی اپنی سٹوڈنٹس کو چوری چوری گفٹ پیک کرتے دیکھتی ہوں تو بے اختیار مسکرا دیتی ہوں۔

دوستو! کسی سہیلی کی طرف سے پہلا تحفہ میرے لئے ایسا یادگار واقعہ ہے کہ میں اسے آج تک بھلا نہیں پائی اور اللہ آپ کا بھلا کرے آج آپ نے پھر مجھے اپنے بچپن کے دن یاد کروا دیئے ہیں، کیا بات ہے بچپن کی۔

3۔ دوستو! عید کا موقع ایسا ہوتا ہے کہ ہر کوئی مزے دار ڈشز بناتا ہے، عید کے حوالے سے سب کے گھروں میں مختلف اور خاص خاص پکوان منتخب کئے جاتے ہیں، منفرد اور لذیز ڈشز ہی دیکھا جائے تو عید کی خوشیوں کو چار چاند لگاتی ہیں، شیر خرمہ اور چکن بریانی کے علاوہ ہمارے گھر میں لب شیریں سب کو بہت پسند ہے، ترکیب حاضر خدمت ہے۔

لب شریں

اجزاء:۔

کارن فلور	چار بڑے کھانے کے چمچ
دودھ	دو لیٹر
چینی	حسب پسند
مکس فروٹ ٹن	ایک عدد
فریش کریم	ایک پیکٹ
جیلی (دو رنگوں والی)	دو پیکٹ

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں دودھ ابالنے رکھ دیں، کارن فلور ایک کپ نیم گرم دودھ میں گھول کر رکھ لیں، دودھ جب اچھی طرح ابلنے لگے اور کچھ گاڑھا ہو جائے تو دودھ میں چینی شامل کر دیں، اب دودھ میں ملا ہوا کارن فلور آہستہ آہستہ شامل کریں اور چمچہ مسلسل چلائیں ورنہ دودھ میں کارن فلور کی گٹھلیاں بن جائیں گی، جب اچھی طرح گاڑھا ہو جائے تو اتار کر رکھ لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں اب شیشے کا بڑا پیالہ لے کر کسٹرڈ اس میں ڈالیں ساتھ میں فروٹس اور جیلی اور فریش کریم بھی ہلکے ہاتھ سے شامل کریں۔

اب باؤل کو فریج میں رکھ کر خوب ٹھنڈا کر لیں پھر آخر میں جیلی اور پائن ایپل سے سجائیں پیش کریں اور داد وصول کریں۔

نوٹ:۔ کسٹرڈ یا لب شیریں بنانے کے لئے لکڑی کا چمچہ استعمال کریں، اس سے کسٹرڈ گاڑھا بنتا ہے۔

4۔ یہ سوال پڑھ کر میں نے یادداشت کو بڑا کھنگالا، مگر افسوس کوئی ایسا شعر یا نظم یاد نہیں آئی جس کا خاص پس منظر ہو، ویسے تو ڈھیروں شعر، غزلیں ازبر ہیں مگر پس منظر کے ساتھ، نہیں بھئی، فی الحال تو کوئی ایسا موقع یاد نہیں آ رہا۔

5۔ حنا کے تمام اسٹاف کی خدمت میں ایک شعر پیش ہے۔

آج کی عید پہ ہے کیا موقوف
ایسی عیدیں ہزار دیکھیں آپ

مبشرہ انصاری

1۔ رمضان کا آخری روزہ ہمیشہ ہی مجھے اداس کر جاتا ہے، بے انتہا دکھی ہو جاتی ہوں میں، سوچتی ہوں کہ کیا ہی اچھا ہو کہ پورا سال رمضان رہے بہت پرسکون مہینہ ہوتا ہے، دلی سکون محسوس کرتی ہوں۔

چاند رات کنفرم ہوتے ہی سب سے پہلے فیملی کو چاند رات وش کرنے کے بعد اپنی تمام فرینڈز کو ایس ایم ایس پر چاند رات وش کرتی ہوں، پھر حنا لگوانے سیلون چلی جاتی ہوں، مجھے حنا سے بہت لگاؤ ہے، اسی

کی خوبصورت دل موہ لینے والی خوشبو مجھے بے انتہا پسند ہے، پھر گھر آ کر دو چار گھنٹوں بعد ہاتھ دھو لیتی ہوں اور اپنی بہنوں اور امی کے ہاتھوں پر حنا بکھیرتی ہوں، میں نے کراچی سے حنا ڈیزائننگ کا کورس کیا تھا، اسی لئے میرے گھر والوں کو حنا لگوانے سیلون نہیں جانا پڑتا، حنا سے فارغ ہونے کے بعد اکثر بھائیوں اور بہنوں کے ہمراہ لانگ ڈرائیو پر چلی جاتی ہوں، چاند رات لانگ ڈرائیو کا اپنا ہی مزہ ہے، دل کا موسم کیسا بھی ہو مگر میں دل کھول کر انجوائے کرتی ہوں، صبح ہوتے ہی ابو اور دونوں بھائی تیار ہو کر مسجد چلے جاتے ہیں، بہن شاہی سویاں بناتی ہے، تبھی اپنی اپنی تیاریوں میں لگ جاتی ہیں، مجھے جس رنگ کا ڈریس پہننا ہوتا ہے، اسی کی میچنگ کی نیل پالش لگاتی ہوں، میچنگ کی چوڑیاں پہنتی ہوں اور لائٹ سا میک اپ کر لیتی ہوں، ابو اور بھائیوں کے آنے سے پہلے ہی فل بن سنور کر کھڑی ہو جاتی ہوں، عید وش کرنے سے زیادہ مجھے عیدی لینے کا بے چینی سے انتظار ہوتا ہے، حالانکہ میرے دونوں بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں، لیکن پھر بھی ان دونوں سے عیدی لیتی ہوں، خیر، عید ملنے اور عیدی بٹورنے کے بعد اپنی تمام فرینڈز کو ایس ایم ایس پر عید وش کرتی ہوں، پھر ہماری پوری فیملی کا ایک سپیشل فوٹو شوٹ ہوتا ہے۔

شاہی سویاں ٹیبل پر لگائی جاتی ہیں، میں بس چکھ لیتی ہوں، مجھے میٹھا کچھ زیادہ پسند نہیں، اس لئے بناتی بھی کم ہوں اور کھاتی بھی کم ہوں، سب کے شاہی سویاں کھانے کے دوران میں دوپٹہ کس کر کچن کو سلام کرتی ہوں، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنی اپنی خواب گاہوں میں آرام کرتے ہیں اور پھر شام ہوتے ہی ابو اپنے فرینڈز کو ویلکم کرتے ہیں اور ہم بہن بھائی لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے ہیں۔

ہر عید ہماری پوری فیملی رات کا کھانا باہر ہی کھاتی ہے، میری عید کا ڈنر سپیشلی طور پر چکن اسٹیک کھائے بنا پورا ہی نہیں ہوتا، بس یونہی عید کا دن گزر جاتا ہے، پچھلے سولہ سالوں سے یہی سب چلتا آ رہا ہے، الحمدللہ۔

2۔ آں..... اتنا سوچنے کے باوجود کوئی بھی ایسا واقعہ ذہن کی دیواروں سے ٹکرا نہیں رہا۔

خیر میری زندگی میں ملنے والے پہلے تحفے کی داستان ہی سنا ڈالتی ہوں، سترہ سال پہلے جب میں سات سال کی تھی، میرے نصف قرآن پاک حفظ کرنے پر، میری زندگی کی پہلی بیسٹ فرینڈ (فاطمہ) نے مجھے ایک چھوٹا سا، خوبصورت سا قرآن پاک تحفے میں دیا تھا، جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے، فاطمہ سے ملے مجھے سولہ سال بیت گئے، مگر اس کا دیا تحفہ آج بھی مجھے اس کی بے حد یاد دلاتا ہے، میں سمجھتی ہوں کہ تحفے اس قدر خوبصورت ہی ہونے چاہئیں، جو ایک خوبصورت یاد بن کر ہمیشہ آپ کے پاس رہتے ہیں۔

3۔ پچھلے پانچ سالوں سے میں ہر عید الفطر پر ایک ہی ڈش بناتی چلی آ رہی ہوں، جو میں خاص اس ایک دن ہی بناتی ہوں، (چکن قیمہ کچوری) مجھے سپائسی کھانا بے حد پسند ہے، خالی ہری مرچیں تک کھا جاتی ہوں، اک نشہ سمجھ لیجیے، اسی لئے (چکن قیمہ کچوری) میں بھی دل کھول کر مرچیں ڈالتی

ہوں۔
امی ابو سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے، لیکن کیا کروں ڈھیٹ بہت ہوں اور پھر ڈانٹ ڈپٹ سے تو بھرپور ضد میں آ جاتی ہوں، جانتی ہوں بری عادت ہے، لیکن میں ایسی ہی ہوں، دو بہنیں تو کچوریاں کھاتے ہوئے باقاعدہ طور پر آنسو بہا رہی ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی کھاتی ہیں، مزے کی بہت ہوتی ہیں ناں، امی ابو بھی کھاتے ہیں لیکن زیادہ سی دہی لگا کر، کوئی چھوڑتا نہیں، سب کھاتے ہیں، داد اپنے آپ وصول ہو جاتی ہے، مجھے کوکنگ کا بہت شوق ہے، گھر والے بھی شوق سے کھاتے ہیں، میں نے ہر مشکل سے مشکل ڈش بنائی ہوئی ہے، جیسے کہ چکن تکہ پیزا، فرائیڈ چکن دم قیمہ، چکن سٹفڈ کٹلس، آچاری چکن، نہاری، چکن چیز بالکس، پنیالہ چکن تکہ، پاستا، مٹن روسٹ اور بھی بہت کچھ، بہت لمبی لسٹ ہے، لیکن فی الحال میں آپ سے اپنی (چکن قیمہ کچوری) کی ترکیب شیئر کرنا چاہوں گی، آپ لوگ ضرور ٹرائے کیجئے گا، مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کو میری بنائی ہوئی کچوریاں یقیناً پسند آئیں گی۔

چکن قیمہ کچوری

اشیاء

چکن قیمہ	ایک کلو
پلین پراٹھا کسی بھی کمپنی کا ایک پیکٹ	
انڈے	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	ایک چٹکی
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ کرش کی ہوئی	دو چائے کے چمچ
تندوری مصالحہ	دو چائے کے چمچ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
تیل تلنے کے لئے	ڈیڑھ لیٹر

ترکیب:۔
ایک فرائی پین میں دو چمچ تیل، لہسن پیسٹ اور قیمہ ڈال کر اچھی طرح سے فرائی کر لیں، قیمہ سفید ہوتے ہی انڈوں کے علاوہ باقی تمام مصالحہ جات اس میں شامل کر کے درمیانی آنچ پر قیمے کو اچھی طرح سے بھون لیں، قیمہ پک جانے کے بعد اسے کسی باؤل میں نکال کر ایک سائیڈ پر رکھ لیں، اب پراٹھے کو اچھی طرح سے بیل لیں، اتنا کہ اس کی موٹی تہہ باریک تہہ میں بدل جائے، بیلتے وقت خشک میدہ کا استعمال کریں، جیسے ہی پراٹھا باریک تہہ میں بدلے، گول کٹر یا پھر گلاس کو الٹا کر کے پراٹھے کو دس چھوٹے گول حصوں میں تقسیم کر لیں، پراٹھے کے بقایا کناروں کو موڑ کر ایک بار پھر سے بیل لیں اور پھر سے کٹر کی مدد سے مزید دس حصوں میں تقسیم کر لیں، تمام پراٹھوں کو چھوٹے گول حصوں میں بانٹ لینے کے بعد انڈوں کو اچھی طرح سے پھینٹ لیں، پراٹھے کا ایک چھوٹا گول حصہ پلیٹ میں رکھیں اور اس پر پھینٹے ہوئے انڈے کا تھوڑا سا لیپ کریں، پراٹھے کا ایک اور حصہ اٹھا کر ساتھ رکھ لیں، اس اوپر ایک کھانے کا چمچ بھنا ہوا قیمہ رکھیں، انڈہ لگا پراٹھے کا حصہ اٹھا کر قیمہ بھرے حصے کے اوپر الٹا کر کے رکھ دیں، دونوں سائیڈز کے کناروں کو ہلکا سا دبا کر آپس میں جوڑ لیں، سائیڈز کو تھوڑا سا فولڈ کر لیں تاکہ دونوں حصے اچھی طرح سے آپس میں جڑ جائیں، تمام کچوریاں اسی

طرح تیار کر کے ٹرے میں رکھ دیں، اب فرائی پین میں ڈیڑھ لیٹر تیل اچھی طرح سے گرم کرلیں، تمام کچوریاں ایک ایک کر کے پھینٹے ہوئے انڈوں میں ڈپ کر کے گرم تیل میں ہلکی آنچ پر فرائی کرلیں، لائٹ براؤن ہوتے ہی ایک الگ ٹرے میں نکال لیں، مزیدار چکن قیمہ کچوری تیار ہے، چلی کیچپ، دہی یا پھر اپنے کسی بھی من پسند رائتہ کے ساتھ سرو کریں اور خود بھی کھائیں اور مجھے دعائیں دیں۔

4۔ میری زندگی شروع سے ہی ہنگامہ خیز زندگی رہی ہے، میں بہت حساس الطبع ہوں، ہر چھوٹی بڑی بات کو گہرائی کے ساتھ محسوس کرتی ہوں، زندگی نے یہی سکھایا ہے کہ کچھ باتوں کا جواب صرف خاموشی ہوتی ہے اور خاموشی بہت خوبصورت جواب ہے۔

دکھ جو اپنے حصے کا ہے سہنا ہو گا
ہنسنا ہو گا اور خاموش بھی رہنا ہو گا
ہم سمندر کی طرح چپ ہیں کہ ہم جانتے ہیں
ہم اگر صبر نہ کرتے تو قیامت کرتے

5۔ حنا بہت ہی خوبصورت، سبق آموز اور ایک کامیاب ڈائجسٹ ہے، اللہ سے یہی دعا ہے کہ حنا اپنے رنگ اور خوشبو سمیت یونہی تا عمر گھر گھر مہکتا رہے، آمین ثم آمین۔

چھولے آسمان کی بلندیوں کو
خدا تجھے ایسی کامیابیاں عطا کرے

عظمیٰ شاہین رفیق

1۔ ہمارے ہاں عید روایتی انداز میں منائی جاتی ہے، عید کے نئے کپڑے بنانا اور عید والے دن طرح طرح کے پکوان بنانا، جب چھوٹے ہوتے تھے تو سب سے عیدی لیتے تھے، اب بڑے ہو گئے ہیں تو سب کو دیتے ہیں، خیر امی ابو سے تو اب بھی عیدی لی جاتی ہے۔

2۔ 24 اکتوبر 2014ء ایک یادگار دن، جب راشد منہاس شہید (نشان حیدر) کی والدہ سے ملاقات ہوئی، میں اور میرا بھائی حامد ان کے گھر جا رہے تھے، راستے سے بہت خوبصورت پھولوں کا بکے لیا جس کی پے منٹ بھائی نے کی، میں نے بڑی شو سے بھائی سے کہا یہ بکے ان کو میں نے دینا ہے تو اس کے پیسے بھی میں خود ہی دوں گی، بھائی کہنے لگے اچھا ٹھیک ہے واپسی پہ دے دینا اور وہ واپسی آج تک نہیں ہوئی (سمجھ گئے نا) بھائی آج تک ان پیسوں کو یاد کرتے ہیں ہاہا اور کہتے ہیں پتری (بیٹا) یار شرم کر ہن تے دے دے پیسے۔

3۔ عید کے موقع پر یوں تو مختلف قسم کے کافی کھانے بنائے جاتے ہیں لیکن زیادہ تر امی اور چھوٹی بہن ہی بناتی ہیں، میں رشین سیلڈ عید کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی بڑے شوق سے بناتی ہوں۔

رشین سیلڈ

اجزاء:۔

سیب	دو عدد
میکرونی ابال لیں	آدھا کپ
پائن ایپل	ایک چھوٹا پیک
فروٹ کاک ٹیل	ایک چھوٹا پیک
گاجر کاٹ کر ابال لیں	ایک عدد
مٹر ابلے ہوئے	آدھا کپ
بند گوبھی ہلکی فرائی کی ہوئی	حسب ضرورت
آلو کاٹ کر ابال لیں	ایک عدد
کریم	ایک پیک

مایونیز	ایک باؤڈیڑھ کپ	
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چمچ	
چینی	چار چمچ	

ترکیب:۔

ایک باؤل میں مایونیز، کریم، کالی مرچ اور چینی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، جب اچھی طرح پھینٹ لیں تو باقی تمام چیزیں ڈال کر مکس کریں، فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیں۔

4۔
زمین پہ رہنا شاہیں کو کہاں راس آتا ہے
یہ فضا سے جب بھی آئے اداس آتا ہے
جب بھی بات ہو جاں سے گزر جانے کی نذیر
میرے ذہن میں فقط راشد منہاس آتا ہے

میرے عظیم استاد سر نذیر حسین صاحب نے یہ شعر لکھا تھا، میں کسی وجہ سے ان سے کچھ ناراض تھی تو انہوں نے مجھے خوش کرنے کے لئے یہ شعر لکھا، جب راشد منہاس کی والدہ سے ملاقات ہوئی تو ان کو بھی یہ شعر سنایا، وہ اور ان کے بہن بھائی بہت خوش ہوئے، پھر رشیدہ منہاس صاحبہ کی پرسنل ڈائری پر یہ شعر لکھنے کا مجھے اعزاز ملا، سر نذیر صاحب کو جب یہ بتایا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے، راشد منہاس مائی ہیرو، میرے میاں (تین ماہ ہوئے ہیں شادی کو) بھی مجھے منانے کے لئے کہتے ہیں ''تمہیں راشد منہاس کی قسم بان جاؤ یار)۔

5۔ ہمارے ہاتھوں میں آج تک وہ ''حنا'' کی خوشبو مہک رہی ہے۔

سباس گل

دوستو کیسے ہیں آپ سب؟ سب سے پہلے تو حنا کے تمام معزز مدیران کو رائٹرز اور ریڈرز کو تمام مسلمانوں کو ٹھنڈی میٹھی عید مبارک ہماری دعا ہے کہ یہ عید ہمارے پاکستان کے لئے اور پیارے پاکستانیوں کے لئے امن و آشتی، محبت اور خوشیوں سے بھرپور گزرے آمین۔

حنا نے حسب روایت ''عید سروے'' کا اہتمام کیا ہے جو بہت اچھی روایت ہے کہ ہم رائٹرز کو قارئین سے اپنے عید کے معمولات شیئر کرنے کا موقع میسر آجاتا ہے تو قارئین اب چلتے ہیں فوزیہ آپی کے ''عید سروے'' کی جانب تو پہلا سوال خاصا دلچسپ ہے جناب۔

1۔ جناب ہم جتنے بھی جدت پسند بن جائیں مگر عید تو اپنے روایتی انداز میں منانے کا ہی مزا ہے، صبح صبح نماز عید کی تیاری، نئے کپڑوں کی بہار، چوڑیوں کی جھنکار، مہندی کی مہکار، عید مبارک کی چہکار، ہی خوشیوں کا نکھار اور اقرار ہوتی ہے پکوان میں شیر خرمہ، کھجوریں، چکن قورمہ، کیک، پیزا سبھی کچھ عید کی صبح، دوپہر اور شام کا لطف دوبالا کر دیتا ہے اور ہم سب گھر والے اکٹھے ہو کر آؤٹنگ پر جاتے ہیں پکنک مناتے ہیں، سب کا ساتھ ہونا ہی تو اصل عید ہے، اللہ پاک ہم سب کے پیاروں کو ہمیشہ ہمارے ساتھ تندرست اور سلامت رکھے آمین اور ہماری ہر عید ان کے پیار اور ساتھ کے سنگ گزرے، ثم آمین۔

2۔ تحفہ عید وصول کرنے کا ایک خوشگوار واقعہ ہے تو دوستو! ہمیں آئس کریم بہت پسند ہے تو گزشتہ عید الفطر کے دوسرے روز ہماری پیاری دوست توبیہ ہم سے عید ملنے آئیں اور ساتھ ہی ہمارے لئے ایک گفٹ پیک بھی

لائیں، جو ہم نے شکریہ کے ساتھ وصول کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کر دوست کے ساتھ گپ شپ میں مگن ہو گئے دوست کی خاطر تواضع اور باتوں میں ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تو بیبہ کے جانے کے بعد ہم نے گفٹ پیک شاپر سے نکالا اور اپنے کمرے میں آ کر ریپر کھولا تو کیا دیکھتے ہیں والز کی شیر خرمہ فلیور کی آئس کریم کا فیملی پیک تاخیر سے کھولے جانے پر پانی پانی نہیں نہیں دودھ، دودھ ہوا جا رہا ہے آئس کریم سے آئس نام کی چیز ناپید ہو چکی تھی، جسے دیکھ کر سب نے ہمارا خوب ریکارڈ لگایا اور ہم نے ہنستے ہوئے آئس کریم پیک فریزر میں رکھ دیا کہ شاید آئس لوٹ آئے مگر کہاں صاحب، واپڈہ والوں کی مہربانی سے آئس جمتی ہی نہیں ہے گرمی میں اور آئس کریم جمانا تو ایک خواب ہی ہے، بس یہی واقعہ ہمیں جب بھی یاد آتا ہے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے اور ہم نے تو بیبہ سے کہہ دیا ہے کہ خبردار جو آئندہ آئس کریم کو اتنا سجا سنوار کر لائیں، آئندہ آئس کریم لاؤ تو فوراً بتاؤ۔

3۔ خاص ڈش، ویسے تو (آہم) ہر وہ ڈش ہی خاص ہوتی ہے جو ہم بناتے ہیں، لیکن عید کے موقع پر ہمارے ہاتھ کا بنا شیر خرمہ اور شامی کباب، املی پودینے کی چٹنی سب کو بے حد پسند آتی ہے اور ہمیں خوب داد بھی ملتی ہے، سچ کہہ رہے ہیں بھئی اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہے بس ترکیب لکھنے سے ہماری جان جاتی ہے اب آپ یہ مت سمجھیے گا کہ آپ کو سگھڑ لڑکی بننے کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں ترکیب نہ لکھ کر اور آپ کو تعریف و ستائش سے محروم کرنا چاہیے ہیں۔

بخدا ایسا ہرگز نہیں ہے، بس ہم سے ناپ تول کے اشیاء و اجزاء کی ترکیب نہیں لکھی جاتی ہم تو اندھا دھند فائرنگ کرتے ہیں لگ جائے تو واہ واہ، نہ لگے تو ہاہاہا، سمجھ تو گئے ہوں گے ہمارے سیانے قارئین ہے نا؟

4۔
میری ہر عید تیرے ساتھ کی عیدی مانگے
تو کہتی ہے تو عطا کر دے یہ عیدی مجھ کو

یہ شعر ہم نے گزشتہ عید پر فیملی ممبرز کے ساتھ ہونے والے عید کے بیت بازی کے مقابلے میں فی البدیہہ پڑھا تھا اور خوب داد سمیٹی تھی اسی لئے یہ شعر ہمیں یاد بھی رہ گیا۔

یہ اشعار ہماری ایک عزیز از جان دوست کی نذر بطور عید کا تحفہ۔

عید کا چاند جو دیکھا تو تمہیں یاد کیا
اک حسین ذات کو سوچا تو تمہیں یاد کیا
گل و گلزار عبارت ہیں تمہارے دم سے
جب کسی پھول کو چوما تو تمہیں یاد کیا

5۔ حنا کی مہک ہر سو پھیلے سدا آمین، لیجئے دوستو! عید سروے کے جوابات تمام ہوئے زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ بھی ہم آپ کو عید مبارک کہنے آتے رہیں گے اپنا اور اپنوں کا اپنے رشتوں کا بہت خیال رکھیے، عید کی خوشیوں میں ضرورت مندوں اور ناداروں کو بھی شامل کیجئے گا، کیونکہ عید کی سچی اور حقیقی خوشی تب ہی ملتی ہے جب مالک اور اس کی مخلوق دونوں ہمارے حسن عمل سے خوش ہوتے ہیں، دعاؤں میں ہمیں بھی شامل رکھیئے گا، عید مبارک، جزاک اللہ، فی امان اللہ۔

(باقی اگلے ماہ)

پہلی عید
قرۃ العین رائے

سنو نہ سنگ مرمر کے یہ مینارے
کچھ بھی نہیں ہیں آگے تمہارے
کتنا رومانٹک گانا تھا وہ گانے کے بولوں میں کھوئی ہوئی تھی لیکن اچانک ہی وہ ہر چیز سے اکتا سی گئی بیزاری ہر چیز پر حاوی سی ہوئی تھی اور بے مزہ سی ہو کر ایف ایم کا آف بٹن دبا دیا، دراصل آر جے اپنی فسوں خیز آواز میں اس سامع کا پیغام سنا رہا تھا جس نے یہ گانا اپنی منگیتر کو منسوب کیا تھا۔

''آہ۔'' اس کے سینے سے بوجھل سانس خارج ہوئی تھی، اب رات کمرے میں تنہائی کے ساتھ کروٹیں بدلتے گزرنی تھی بیزاری میں جھنجلاہٹ کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دہلیز پہ میرے دل کی جو رکھے ہیں تو نے قدم
تیرے نام پہ زندگی لکھ دی میرے ہم دم
دل کی دھڑکن یکبار تیز ہوئی تھی ٹی وی کا والیوم خاصا بلند تھا اور گانے کے بول جو وہ گنگنا رہی تھی اب دھیمے کر دیئے تھے سماعت اس کے بڑھتے قدموں پر تھی، یقیناً گانا سچوئیشن کے عین مطابق تھا اور وہ ضرور کوئی اشارہ کوئی جملہ یا کوئی انداز سے اپنی پسند کا اظہار کرے گا کچن میں بظاہر گلاس دھوتی ہوئی وہ اس کے قریب آنے کی منتظر تھی گالوں پر سرخی جھلکنے لگی تھی جب اس کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو اسے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی اور پھر کچھ ہی پل میں، وہ خوشبو دور ہوتی چلی گئی تھی فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر وہ اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا تھا اور کرن کا دل چاہا تھا کہ دور ہوتی چوڑی پشت پر شیشے کا گلاس دے مارے وہ ایسا کر بھی گزرتی اگر امی عین اس کے نشانے کے درمیان نہ آ جاتیں۔

''کرن بیٹا جلدی سے کھانا لگا دو تمہیں تو پتہ ہے عاشر افطاری کے فوراً بعد کھانا کھا لیتا ہے سبھی لوگ مغرب کی نماز پڑھ آئے ہیں اور کھانے کے منتظر ہیں بس عاشر بھی فریش ہو کر آ رہا جلدی کرو بیٹا۔'' امی نے اچھی خاصی جلدی مچاتے ہوئے کہا اور عاشر کے ذکر پر وہ بس دانت کچکچا کر رہ گئی۔

دراصل کرن کے ابو اور چچا اصغر افطاری میں بس دودھ اور کھجور لیتے تھے اور پھر فوراً قریبی مسجد میں نماز ادا کرنے چلے جاتے تھے، واپسی پر کھانا فوراً لگا دیا جاتا اس گھر میں افطاری پکوڑوں، سموسوں، فروٹ چاٹ، دہی بھلے اور ایسی ہی انواع اقسام کی چیزوں سے مبرا ہی ہوتی تھی گھر کے سبھی افراد رمضان میں خاص طور پر سادہ کھانے کو ترجیح دیتے تھے تاکہ جسم کی صحیح طرح زکوۃ ادا کی جا سکے کرن نے ایک دو دن بڑے چاؤ سے ہیوی قسم کی افطاری تیار کی اتنی شدید گرمی میں روزے کی حالت میں کافی دیر وہ کچن میں گرمی اور پیاس سے نڈھال مصروف رہی اور جس کے لئے اتنی محبت سے محنت کی گئی اس نے اگلے روز ہی ٹوک دیا تھا کہ وہ اتنی ہیوی ڈائٹ افطاری میں نہیں لیتا وہ تو بس سادہ خوراک پسند ہے اور کرن نے اسی وقت اپنی محنت اور اس کی سادہ خوراک پر لعنت بھیجی تھی اور کمرے میں آ کر خوب روئی تھی بجائے اس کے کہ وہ بعد میں محبت اور نرمی سے موقع ملتے ہی اس کا ہاتھ تھام کر اس کی محبت اور محنت کا شکریہ ادا کرتا الٹا روکھے پن سے منع کر دیا وہ عاشر کے رویے سے خاصی بددل ہو چکی تھی اور یہ بددلی دکھ سے ہوتی ہوئی پچھتاوے میں ڈھلنے لگی تھی۔

''تو کیا ساری زندگی اسے پچھتاوے کے سہارے گزارنی ہو گی؟'' اس کی زندگی میں زری کی طرح بہار کبھی نہ آئے گی کس قدر حسین اور خوش نظر آ رہی تھی وہ آج کل اور جب وہ اپنے

اگلے روز جب امی نے چچا اصغر کا پیغام دیا کے جواب میں کرن کا ردعمل اور بات سن کر اپنی جگہ حیران پریشان اور ساکت ہی بیٹھی رہ گئیں منگنی کی انگوٹھی اتار کر وہ بیڈ پر رکھ کر کب کی جا چکی تھی، رقیہ بیٹی کے رویے اور انکار پر دکھی اور بے حد پریشان بیٹھی رہ گئیں تھیں، چچا اصغر نے ماں بیٹی کو عیدی کی شاپنگ کے لئے کہا تھا، کہ ان کی طرف سے عیدی کی شاپنگ کرن خود ہی کرے۔

☆☆☆

اگلے روز کرن کے کانوں کو یقین نہ آیا جو کچھ امی کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے صدمے سے اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا تھا اپنے ماں باپ ہی اس کے احساسات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے کسی اور سے کیا توقع وہ جتنا رو سکتی تھی روئی اور چلائی جو احتجاج کر سکتی تھی کیا، افطاری سحری بھی وہ اپنے کمرے میں کر رہی تھی، جیسے جیسے عید قریب آ رہی تھی اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی لیکن وہاں کسی کو پرواہ ہی کب تھی اس کا رونا دھونا سب بیکار گیا تھا۔

عید کے روز اس گھر میں محض عید کی رونق ہی نہیں لگی تھی بلکہ خوشی ہلا گلا کی ایک اور خاص وجہ عاشر اور کرن کا نکاح تھا وہ سادگی سے شادی کرنا چاہتا تھا یہ عید بہت خاص تھی سب کے لئے کرن اترے چہرے کے ساتھ دلہن بنا دی گئی اس کی اکلوتی سہیلی زری اس شادی میں شریک نہیں تھی تو پھر وہ اپنا دوکھڑا کس سے روتی تھی تو میٹھی عید لیکن اسے قربانی کی عید نظر آ رہی تھی جس میں اس کے باپ نے روایات کے بلی چڑھا دیا تھا اسے ماں باپ کے رویے نے اتنا شدید دکھ دیا تھا کہ ہر احساس سے عاری وہ ربوٹ کی مانند جو امی کہتی چلی گئی کرتی چلی گئی۔

''ٹھیک ہے جب ان کی آنکھوں کے سامنے ایک جہنم بھری زندگی گزاروں گی تو یہ لوگ پچھتائے گے، دیکھیے اب ساری عمر اپنی بیٹی کو سسکتے بلکتے زندگی گزارتے۔'' کرن نے یہ سوچ کر چپ سادھ لی تھی۔

☆☆☆

حجلہ عروسی میں آتے ہی اسے دھچکا لگا لیکن پھر اس نے اپنی ہر سوچ کو سرد رویے میں لپیٹ لیا تھا پورے کمرے کا فرش سرخ گلابوں کی پتیوں سے ڈھکا ہوا تھا سامنے دیوار پر سرخ گلاب کی کلیوں سے دل بنایا گیا جس کے درمیان میں کرن کے تصویریں لگی ہوئی تھیں بچپن سے لے کر اب تک کی، ایک بڑی سی تصویر اس کی منگنی کے روز کی تھی، جس میں آنکھیں جھکائے بیٹھی وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

بیڈ پر بھی بے حد خوبصورت انداز میں پھولوں کے ذریعے آئی لو یو کرن لکھا گیا تھا بیڈ کے چاروں طرف نرگس اور گلاب کے پھولوں کے بڑے بڑے گلدان رکھے گئے تھے۔

''اتنے روکھے پھیکے شخص کا نہ جانے کون سا دوست اتنا رومانٹک ہے جس نے یہ کمرہ سجایا ہے۔'' کمرے کے وسط میں کھڑی اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیڈ پر بیٹھے یا صوفے پر کیونکہ جتنی خوبصورت انداز میں بیڈ پر پھولوں کو بکھیر کر اس سے اظہار محبت کیا گیا تھا، اسے خراب کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا جبھی اپنی پشت پر اسے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی دل یکبارگی بے حد زور سے دھڑکا تھا جب جانی پہچانی سی خوشبو اس کے قریب آ کر اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔

اور پھر اگلے پل محبت کے اتنے خوبصورت اظہار نے اسے اپنی جگہ پر ساکن کر دیا تھا عاشر نے اس کے سامنے آ کر اپنی محبت اس کے ماتھے

منگیتر کے ساتھ ہوئی ملاقات اس کے ڈائیلاگ اس کے بے تابی اس کا بے باک اظہار محبت گالوں پر شفق بکھیر کر سناتی تو کتنی حسین نظر آتی ہر دفعہ نوید کا لایا ہوا کارڈ، بے شمار میسجز محبت میں ڈوبے ہوئے اس کے ہمراہ ہوتے اور جب یونہی وہ اس سے اس کے منگیتر کی محبت کی دیوانگی کے بابت پوچھتی تو کرن کے پاس ایک جملہ بھی ایسا نہ ہوتا جو وہ مسکراتے لبوں سے اسے سنا سکے اس کے اردگرد سناٹے بڑھنے لگے تھے زری کے ہاتھ میں موبائل پر ہر وقت میسج ٹون پر بجتا رہتا اور جب کبھی کرن رات کی تنہائی اور خاموشی سے اکتا کر زری کو فون کرتی تو وہ نوید کے ساتھ آگے ہی فون پر بزی ہوتی اور وہ جھنجھلا کر رہ جاتی اس کی دوستی بس زری سے ہی تھی جو دو گھر چھوڑ کر رہتی تھی وہ اپنی دنیا میں مگن اور تنہائی پسند اور کم گو لڑکی تھی، اس لیے اس کی کسی کے ساتھ بھی کوئی خاص دوستی نہ تھی اسے تو بس گانے سننا، اچھی سی فلمیں دیکھنا اور اپنی خوابوں کی دنیا میں رہنا پسند تھا اور اب تو اس کے خوابوں کا شہزادہ باقاعدہ ایک واضح روپ دھار چکا تھا مبہم ہیولا واضح شخصیت میں ظاہر ہو چکا تھا وہ جو اس کی خوابوں کی دنیا میں ہر وقت اس کے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا، اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا، کوئی شوخ جملے سے اس کو بلش کرتا، اس کے دل کی دھڑکن کو نئی لے پر لے جانے والا حقیقی زندگی میں اس کے برعکس تھا، وہ اسے کزن کے علاوہ کوئی اور عہدہ دینے پر شاید راضی نہیں تھا رسمی سی سلام دعا کے بعد اس نے دوسری نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی حالانکہ گھر میں ایک ہی جگہ پر رہتے ہوئے کتنے ہی ایسے مواقع تھے جب وہ اپنی چاہت کا اظہار کر سکتا تھا یا کم از کم اپنے رویے سے یہ ظاہر کر سکتا تھا کہ وہ اس کے لیے کتنی اہم اور خاص ہے اس کی خواہش غلط تو نہ تھی، کرن عاشر کے رویے سے خاصی بد دل ہو چکی تھی اور جب سے زری نے اس کا مسئلہ سن کر یہ کہا تھا کہ عاشر ہوسکتا کسی اور کو پسند کرتا ہو جبھی اس پر دھیان نہیں دیتا بقول زری کے نوید تو ہر لمحے کو خوب انجوائے کرتا اور کراتا ہے کہ منگنی کا یہ دور بڑا سہانا ہوتا ہے، جب شادی ہوگئی تو یہ چوری چھپے کا رومانس ختم ہو جائے گا منگنی کے عرصے کو تو خوب انجوائے کرنا چاہیے بعد میں ہم اپنے انہی لمحات کو یاد کرکے ہنسیں گے وہ نوید سے باہر کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ملتی تھی اور یہاں بہانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

کرن کو یقین ہو چلا تھا عاشر کا کراچی میں یقیناً کوئی افیئر رہا اور اس کے ناکام ہونے کے بعد ہی اس نے اپنی ٹرانسفر لاہور کروائی اور دونوں باپ بیٹا اپنے آبائی گھر کے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئے جس کے نچلے حصے میں کرن اپنی مما بابا کے ساتھ رہتی تھی چچا اصغر جاب کے سلسلے میں کراچی چلے گئے چچی کی وفات کے بعد وہ ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے عاشر کو ایک اچھی پرائیویٹ کمپنی میں جاب مل گئی، بچپن جوانی اور شادی کے بعد کی زندگی، اصغر چچا کو لاہور بہت یاد آنے لگا تھا پھر چاچی کے بعد تنہائی نے انہیں بیمار کر ڈالا جبھی وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس چلے آئے اور آتے ہی کرن کا رشتہ عاشر کے لیے مانگ لیا جو فوراً قبول کر لیا گیا اتنا ہینڈسم اور نیک اور لائق فائق تھا عاشر بھلا انکار کیوں کرتے اس لیے منگنی کر دی گئی اور اب کچھ عرصے بعد جب کرن کی گریجویشن مکمل ہو جاتی تو شادی ہو جاتی۔

عاشر اوپر والے پورشن کی ضروری توسیع اور مرمت کروانے کا ارادہ رکھتا تھا پورشن کے تیار ہونے پر شادی کی تیاری شروع ہو جانی تھی لیکن

پر ثبت کر دی تھی۔
''السلام علیکم!''
''ہمیشہ کی طرح جواب ندارد تم کبھی میرے سلام کا جواب نہیں دیتی تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے پسند نہیں کرتی اور یہ شادی تمہاری مرضی کے خلاف ہوئی ہے یا تمہاری مرضی کہیں اور......''
عاشر نے گمبھیر آواز میں مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑتے سلسلہ کلام کا آغاز کیا، کرن نے ہراساں سی نگاہ اٹھائی۔
''ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔''
اگلے جملے نے مزید حیران کر دیا پل میں تو شہ پل میں ماشہ ہوتے شخص کے رویے سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔
''لیکن میں جانتا ہوں ایسا کچھ نہیں منگنی کے روز میں نے تمہارے چہرے پر سات رنگوں کی دھنک دیکھی تھی جو آج بھی نظر آ رہی ہے تمہاری شرم اور جھجک اور تمہاری کم گو سی شخصیت ہمارے رشتے میں وہ فاصلہ برقرار رکھا جو رکھا جانا چاہیے۔'' اس نے میٹھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر صوفہ پر لا بٹھایا اور دوزانوں ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا کرن اس کے انداز پر گھبرا سی گئی۔
''اوں ہوں بیٹھی رہو، آج تم پر بے حد روپ آیا ہے لوگ کہہ رہے تھے ہم چاند سورج کی جوڑی لگ رہے ہیں آنٹی مہ ناز حیران سی ہو رہی تھیں کہ بھئی دولہا دلہن کا دس پندرہ دن پہلے پردہ کروایا جاتا ہے تاکہ ان کے چہروں پر دلہناپے کا روپ چڑھ سکے اور یہ تو ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور روپ دیکھو ان پر کتنا اترا ہے تو پردہ تو ہمارے درمیان اول روز سے قائم ہے تمہیں ایسے بیٹھ کر دیکھنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اس کی نازک کلائیوں میں طلائی چوڑیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔
''کرن جب پاپا نے لاہور آنے کا فیصلہ کیا تب ہی انہوں نے پہلے سے قائم اس رشتے کے بارے میں مجھے آگاہ کیا تھا میری مرضی پوچھی تھی کہ ہمارے بزرگ بہت پہلے تمہارے اور میرے رشتے کی بات کر چکے تھے البتہ ہمارے باشعور ہونے پر ہماری مرضی جاننے کے بعد ہی وہ اس رشتے کو حتمی صورت دینا چاہتے تھے مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا مجھے تم شروع سے ہی پسند ہو تمہاری نرم سی اور کم گو شخصیت مجھے اچھی لگتی تھی لہٰذا ہماری منگنی ایک دوسرے کی رضا سے ہی کی گئی تھی، لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ بظاہر یہ کم گو سی لڑکی اندر سے اپنی خیالی دنیا میں رہنے والی بے حد رومانٹک مزاج لڑکی ہے اتفاق سے جس دن تم نے آنٹی کے کمرے میں جا کر اس بات پر منگنی کی انگوٹھی اتار پھینکی کہ پہلی عیدی کی شاپنگ تم اور تمہاری امی اپنی مرضی سے کر آئیں اف کس قدر گلے شکوے تھے تمہیں مجھ سے کہ اگر اس منگنی میں مرضی شامل ہوتی تو آج یوں سر سے اتارنے کی صورت میں عید کی شاپنگ کرنے کو نہ کہی جاتی اور یہ کہ اول روز سے تم میری جانب سے بیگانگی اور روکھا پن کے رویے کا شکار ہو جو واضح یہ بتا رہا ہے کہ اس رشتے میں میری مرضی ہرگز شامل نہیں اور تمہیں زبردستی کا رشتہ قائم رکھنا پسند نہیں تمہارے کمرے سے نکلتے ہی میں نے حیران پریشان آنٹی کو سمجھا دیا تھا میں نے واضح کر دیا تھا کہ میں تمہاری باتیں سن چکا ہوں میں جو آنٹی کو عید کی شاپنگ کے پیسے دینے آ رہا تھا تمہارے تمام شکوک سے آگاہ ہو چکا تھا، جبھی میں نے عید کے روز شادی کرنے کا کہا تھا اور اپنے دلائل سے ان سب لوگوں کو راضی بھی کر لیا تھا میں تو چاہتا تھا کہ تمہارے شایان شان اس پورشن کی سجا سنوار

لوں مگر اب مجھے ایک پل کی بھی دیر گوارا نہ تھی اور میں جانتا ہوں تمہارے احتجاج اور ناراضگی کے بارے میں بھی لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ آج کے روز تمہاری ساری غلط فہمیاں دور کر ڈالوں گا اور میری محبت کا اظہار جو مجھے آج کا دن حق کے طور پر دیتا ہے تمہارے تمام گلے شکوے دھو ڈالوں گا۔"

"جان جاں بابا نے مجھے سمجھایا تھا کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اس رشتے کے احترام کو میں نہ بھولوں ایسی کوئی بات نہ ہو جو ان کی تربیت اور میری شخصیت پر حرف لے آئے اور ان سب سے بڑھ کر تمہاری عزت جو اب میری بھی عزت تھی میلی ہو اس لئے میں نے ہمیشہ تمہیں نظر انداز کیا، تم اتنی پیاری سی ہو کہ تمہاری قربت میں دل مچل سا جاتا تھا، شرارت کرنے پر اور منگنی تو کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہم پہلے بھی نامحرم تھے اور منگنی کے بعد بھی نامحرم تھے اور اب ہم ایک دوسرے کے محرم راز ہیں ایک دوسرے کا لباس ہیں اب ہمارے پاکیزہ مقدس اور مضبوط رشتے میں شیطان کا گزر نہیں میں معذرت خواہ ہوں کہ میرے محتاط رویے نے میری جان کو پریشان کر ڈالا۔" دھیمے سے اس کے ہاتھ کو لبوں سے لگاتے ہوئے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے عاشر نے ہر غلط فہمی اس سے دور کر ڈالی تھی اور کرن کو اس سمے اپنی قسمت پر رشک آیا تھا کہ اللہ نے اس کے لئے ایک مضبوط سوچ رکھنے والے شخص کا انتخاب کیا ہے تب اسے یہ بھی اندازہ ہوا تھا کہ خوابوں کی دنیا پانی کے بلبلے کی مانند ہوتی ہے اصل زندگی عملی زندگی ہے جسے آپ اپنی مثبت رویے اور سوچ سے ہی بہتر بنا سکتے ہیں عید کا دن اس کا یادگار دن بن گیا تھا۔

☆☆☆

"وہ بہت ظالم ہے، سنگدل ہے، بے شرم کہیں کا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی محبت جھوٹی ہے، وہ یہ سب مجھے پھنسانے کے لئے کر رہا تھا گھن آتی ہے مجھے اپنی گزشتہ زندگی پر اور ہر اس پل پر جو میں نے اس کے ساتھ بتایا۔" پھپھک پھپھک کر روتے ہوئے ہچکیوں میں وہ بمشکل یہ جملے ادا کر پائی تھی۔

"میں تو ایک رومنٹک مزاج لڑکی تھی، فلمیں دیکھنا اور گانے سننا ہی میرا شوق تھا مجھے کیا خبر تھی بظاہر وہ جتنا رومان پرور اور میری محبت میں دیوانہ نظر آتا ہے اصل میں وہ ایک سطحی سوچ رکھنے والا اپنی ہوس کا غلام انسان ہے، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی وہ میرا کہیں اور رشتہ بھی نہیں ہونے دے گا اس کے پاس میری بہت ہی تصویریں ہمارا اکٹھے ہوٹلنگ کرنا ہماری رات بھر میسج پر ہونے والی پرسنل گفتگو بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو مجھے میرے گھر والوں کی نظروں میں بھی گرا دے گیں اور زمانے میں بھی بدنام کر دے گیں، میں نے کہا تم تو میرے منگیتر ہو میری عزت کے رکھوالے، تو کہتا ہے منگنی کون سا رشتہ ہوتا ہے کیا ہمارا مذہب اور معاشرہ اس رشتے میں اس قدر قریب آنے کی اجازت دیتا ہے اور اب تو اس نے ضد پکڑ لی ہے جب تک میں اس کی وہ نیچ بات نہ مانوں گی وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گا بھلا شادی سے پہلے میں اس کے ساتھ کیسے اس رشتے کو قائم کر لوں میں جانتی گئی ہوں اس کا مجھ سے دل بھر گیا ہے وہ فلرٹی ہے آج کل اس کا افیئر اپنی کزن سے چل رہا ہے اڑتی اڑتی یہ خبر مجھ تک بھی پہنچ گئی ہے اور اب مجھ سے جان چھڑانے کے لئے اس نے وہ گھٹیا شرط رکھ دی ہے اگر میں نے اس کی بات مان لی تو بھی وہ مجھ سے منگنی توڑ دے گا مرد تو دریافت کا پرندہ

ہوتا ہے جب دریافت کرلیا تو پھر وہ اڑ جاتا ہے۔'' زری نے کرن کے سامنے روتے ہوئے اپنی مصیبت اس کے گوش گزار کی اور اس کی شادی میں نہ شامل ہونے کی وجہ پریشانی بتائی اور کرن زری کی پرابلم سن کر دل ہی دل میں رب کی شکر گزار ہورہی تھی وہ جو زری کی اور اس کے منگیتر کے محبت کے قصے سن سن کر منگنی توڑنے کی حماقت کر چکی تھی اگر عاشر سمجھ دار نہ ہوتا تو آج اس کی زندگی بھی زری کی زندگی جیسی پتوار کے بنا ناؤ کی طرح ڈانواڈول ہوگئی ہوتی، اب اس کے پاس زری کے سوائے دلاسہ دینے کے اور کوئی چارہ نہ تھا اس مصیبت میں وہ خود گرفتار ہوئی تھی اور کرن کے سمجھانے پر کہ وہ ساری بات اپنے والدین کو بتا دے وہی اس کا حل نکال سکے گے کوئی مشورہ نہ دے پائی تھی۔

عاشر کے آنے کا وقت ہورہا تھا زری کی وجہ سے لیٹ ہوگئی تھی آج اس نے بریانی بنائی تھی، عاشر کو بہت پسند تھی اور اب وہ اس کے کھانے کی تعریف سب کے درمیان کردیتا تھا جس پر وہ بلش کرجاتی تھی۔ عاشر اس سے کتنی محبت کرتا اس کا ہر انداز اس پر واضح کرتا تھا اس کے ماں باپ داماد کی محبت پر سرشار تھے اپنی بیٹی کو مطمئن اور آسودہ دیکھ کر اور ای نے اس کی حماقت کا بھی ذکر نہیں کیا تھا کرن کو اپنی یہ پہلی عیدی اب تمام عمر یاد رہنی تھی عاشر نے اسی لئے اس دن کا انتخاب کیا تھا کھانے کے بعد وہ اسے شاپنگ پر لے کر جانے والا تھا کہ اس کا یہ گلہ ختم ہو چکا تھا کہ عید کی شاپنگ بھی وہ ہمارے ساتھ جا کر نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اسے کوئی دلچسپی نہیں گاڑی میں چلتا ہر رومانٹک گانا وہ فوراً اس کے نام کردیتا تھا اور آتے جاتے دھیمے سے گنگناتے ہوئے اسے شرمانے پر مجبور کرڈالتا تھا اس کی یہ عید اور سسرال کی جانب سے آئی پہلی عیدی بہت خاص اور ہمیشہ کے لئے یادگار بن گئی تھی، عاشر کی پسند کا سوٹ استری کرتے ہوئے اس کے لب وہی گانا گنگنا رہے تھے جو صبح تیار ہوئے عاشر کے لبوں پر مچل رہا تھا اور پھر لبوں پر ایک شرمگیں سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

☆☆☆

رُت کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

پانچویں قسط خلاصہ

شادمان کی محدود زندگی میں نشرہ حالات کی چکی میں پستی جا رہی ہے، سلیمان تایا اور نوازش چچا کے رحم و کرم پہ اس کی زندگی وبال ہے۔

دوبئی سے آنے والا پھپھوزاد ولید نشرہ کے لئے اپنے دل میں نرم جذبات رکھتا ہے، صائمہ تائی کی عینی نشرہ سے جلتی ہے۔

ہوٹل روز کل میں اسامہ جہانگیر کا قیام ہے، اسامہ آرکیالوجسٹ ہے، ایک حادثے میں اس کی ملاقات عشبہ سے ہوتی ہے، دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم جذبات ہیں۔

سباخانہ اور رحمت کے تعلقات سرد ہیں، رحمت سردار بٹو کی بھتیجی ہے، اس کی حیثیت بی جاناں کی نگاہ میں صفر سے بھی کم ہے، البتہ سباخانہ میں بی بی جاناں کی جان بند ہے۔

نیل بر سردار بٹو کی اکلوتی طرح دار بیٹی ہے، جہاندار سردار بٹو کا معتمد خاص ہے اور نیل بر کی ذمہ داری پلس حفاظت پہ مامور بھی۔

ہیام کو کرائے کے مکان کی تلاش ہے، بیہ کی مدد سے اسے ایک مکان میں کرائے پہ کمرہ مل جاتا ہے، ہیام اچھی رہائش کے لئے پر امید ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھٹی قسط

مغربی ماڈل، ایک الگ تہذیب، نظریہ فکر، لباس، انداز، چال، زبان، سوچ، خیالات، دیامر میں نیل بر جیسے کئی سیاح تو دکھائی دے سکتے تھے، لیکن مقامی خاتون کا نیل بر جیسا ہونا ایک الگ ہی وقوعہ تھا، وہ اپنے لباس، انگریزی اسٹائل، نخروں اور نخوت کے باعث اپنی الگ ہی پہچان رکھتی تھی، کیونکہ وہ سردار کبیر بٹو جیسے مغرور شخص کی مغرور بیٹی تھی، اس کی دور تلک سوچتی نگاہیں نیل بر کا تعاقب دور تلک ہی کرتی رہیں، اس کے سرخ بے انتہا سرخ و سفید چہرے پہ عجیب سی چمک تھی، جیسے بجلی کوندی ہو کہیں۔

☆☆☆

کسی نے سچ ہی کہا تھا، زبان کا زخم تلوار کے زخم سے گہرا ہوتا ہے، اس کے زخم جاتے جاتے ہی مندمل ہوتے ہیں، عموماً رستے ہیں، اکھڑے رہتے ہیں، ان پر کھرنڈ نہیں آتا، ہاں مجبوری اور صبر کی کائی ضرور جم جاتی ہے۔

وہ رات سے سر نیہوڑائے بستر میں پڑی تھی، اب دوسری سہ پہر بھی ڈھل چکی تھی، سورج تو نکلا نہیں تھا، بس گہرے بادل رستے بدل کر ڈھلتے ہوئے نانگا پربت کے حضور کھڑے تھے۔

نیاز کے لئے بنوایا حلوہ جوں کا توں پڑا رہ گیا تھا، بھٹورے اور چنے شاید نوکروں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے، اس نے نیچے جھانک کر نہیں دیکھا۔

سباخانہ کی تلخ باتوں نے زخموں پر ایسا نمک چھڑکا تھا کہ کل سے آج تک درد، زہر اور اذیت کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں، پلکیں ایک دوسرے سے جڑی تھیں جیسے گریس سے چپکا دی گئی ہوں، لمحے بیتتے رہے، سمے گزرتے رہے، سباخانہ کی اذیت ناک باتیں ابھی تک دماغ میں گونج رہی تھیں۔

''آج کل تمہیں ماں بہت یاد آتی ہے؟'' طنز میں لپٹا تیر کیسے اس کے دل میں پیوست ہوا تھا کیا سباخانہ کو اس بات کا احساس تھا۔

''ویسے تمہاری ماں کو یاد کیا جانا بنتا تو نہیں، ایسا بھی کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دے کر تمہاری ماں مری نہیں۔'' سباخانہ کی آواز لہروں کی شکل میں اس کے کانوں میں گھسی جا رہی تھی، وہ بے قراری سے تکیہ اٹھاتی، کانوں پہ رکھتی، پھر تکیہ ہٹاتی اور منہ پہ رکھتی، جیسے چین کہیں نہیں تھا، جیسے سکون کہیں نہیں تھا، وہ بری طرح بے بسی کے عالم میں رونے لگی، وہ رات سے رو رہی تھی، رونے کے سوا کر بھی کیا سکتی تھی، دلوں کو بھنبھوڑنا کس قدر آسان عمل تھا، ہر کوئی یہ کام باآسانی کر لیتا تھا، ہاں حمت میں جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔

اس کی خاموشی کا مفہوم کیا بنتا تھا؟ کیا اس کے پاس جواب نہیں تھا؟ کیا جواب مشکل تھا؟ کیا وہ سباخانہ سے بھی ڈرتی تھی؟ ایسا ہرگز نہیں تھا۔

بچپن سے لے کر اب تک اپنی ماں کے بارے میں بی جاناں سے سن سن کر وہ کچھ نہیں بہت کچھ جان گئی تھی، اتنا کچھ سننے کے بعد بھی وہ آج تک زندہ تھی، سانس لے رہی تھی، وہ انہی لوگوں کے درمیان رہ رہی تھی، اپنی ماں کے حق میں بولنے کے لئے حمت کے پاس دلیل کا ایک لفظ بھی نہیں تھا، یہ بات بھی نہیں تھی کہ لفظوں کے معاملے میں حمت قلاش تھی۔

وہ برنارڈ شا کے مقولے پر عمل بھی نہیں کرتی تھی کہ خاموشی اظہار نفرت کا بہترین طریقہ ہے، ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ خاموشی کی ڈھال میں چھپ ضرور جاتی تھی۔

خاموشی اس کی جائے پناہ تھی، واحد پناہ گاہ، وہ اس میں خود کو لپیٹ کر محفوظ ہو جاتی تھی، جیسے رات سے محفوظ تھی، جیسے صبح سے محفوظ تھی۔

لیکن اس پناہ گاہ میں بھی سکون نہیں تھا، وہ سر پٹخ پٹخ کر تھک گئی تو اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی، آنکھوں میں بھری ریت پانی کے چھپاکوں سے بھی کم نہ ہوئی تو وہ نل کھول کر باہر نکل آئی، پانی کی دھاریں اب بھی بہہ رہی تھیں۔

ٹھنڈا پانی نکل رہا تھا، گرم پانی کے آنے میں کچھ وقت درکار تھا، وہ باتھ روم کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی نل سے تو نہیں، آنکھ کے کٹوروں سے گرم سیال ضرور بہنے لگا۔

اسے سباخانہ کی تلخ باتیں پھر سے یاد آئیں، گو کہ وہ اپنے عام لہجے میں دہرا رہی تھی پھر بھی سارا قصور تو حمت کی حساسیت کا تھا۔

بی جاناں جو بھی کہہ لیتیں، اسے اتنا انتہا کا دکھ نہ ہوتا، ہاں سباخانہ کے الفاظ تیر کی طرح دل میں پیوست تھے۔

پانی کی ٹھنڈی دھار کے بعد نیم گرم سیال ٹونٹی کے سوراخوں سے نکلنے لگا تھا، وہ بے خیالی میں دیکھتی رہی، رشتہ جتنا قریب کا ہو دکھ اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ رشتے اور راستے زندگی کے دو پہلو ہیں، کبھی کبھی رشتے نبھاتے نبھاتے راستے کھو جاتے ہیں اور کبھی کبھی راستوں پر چلتے چلتے رشتے بن جاتے ہیں، کسی کو رشتے راس آ جاتے ہیں تو کسی کو راستے، فرق صرف اتنا ہے راستوں کے دکھ برداشت ہو جاتے ہیں رشتوں کے نہیں اور وہ رشتوں کے کرب تلے سسک رہی تھی۔

ایسے رشتے جو نام کی حد تک تھے، ہر ملائمت اور نرمی سے کوسوں دور، جیسے کسی مجبوری کے تحت اسے برداشت کرتے تھے اگر مجبوری کا ہوا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ بنو محل کی گنی چنی خواتین کے دل میں کم از کم حمت کے لئے کوئی نرمی نہیں تھی۔

اور بنو محل کی بیٹیوں میں حمت کا نمبر نیل بر، سباخانہ اور شاید خادماؤں کے درجے سے بھی حیثیت کے لحاظ سے بہت کم درجے پہ آتا تھا، سو وہ اس فہرست میں اپنا شمار نہیں کرتی تھی، بی جاناں کی ایک تو لاڈلی پوتی تھی دوسری نواسی اور ان دونوں کے بعد گو کہ حمت کا رشتہ بھی پوتی کے گریڈ تک آتا تھا تاہم وہ بی جاناں کی منظور نظر نہیں تھی۔

نیل بر سے زیادہ سباخانہ بی جاناں کو عزیز تھی، گو کہ وہ ظاہر نہیں کرتی تھیں لیکن حقیقت بس یہی تھی، وہ اپنی نواسی پر کسی اور کو فوقیت نہ دیتیں۔

رہی حمت تو وہ کھلاڑیوں میں آخری نمبر پہ تھی جو ٹیم میں ہونے نہ ہونے کچھ کرنے نہ کرنے میں برابر تھے، تین میں نہ تیرہ میں، اس نے گہرا سانس کھینچا اور نل بند کر کے باہر چلی آئی۔

وہ اپنے دھیان میں تھی، صوفے میں دھنسی مخملی بلیک شرٹ، بلیک جینز میں ملبوس نیل بر کو دیکھ نہیں سکی، اب نگاہ پڑی تو ٹھٹک گئی تھی، نیل بر نے گہرے رنگ کی بڑی خوبصورت شرٹ پہن رکھی

تھی، کسی بھی سجاوٹ کے بغیر مخملی گرم کپڑے سے بنی، آستین لمبی تھیں، آدھی انگلیوں تک کو ڈھانپ رکھا تھا، لمبے ریشم سے بال دائیں کندھے پہ پڑے تھے، وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے شاہانہ انداز میں بیٹھی تھی، معاً اس کی نگاہ حمت کی سوجی سرخ آنکھوں پر پڑی تھی، وہ لمحوں میں چونک گئی، پھر ٹھٹک گئی، چہرہ ستا ہوا نہیں بلکہ رویا ہوا لگ رہا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک ہو حمت!'' عام روٹین سے ہٹ کر وہ خاصی بے قرار نظر آئی تھی، حمت کو نجانے کیا ہوا، وہ ایسی کمزور تو نہیں تھی پھر بھی نیل بر کے سامنے بری طرح سے رو پڑی تھی، نیل بر اس صورت حال پہ گھبرا گئی تھی، پھر اس نے نرمی سے حمت کا گال تھپک کر تسلی دینی چاہی تھی، کسی روتے ہوئے کو چپ کروانے کا اس سے بہتر طریقہ اسے نہیں آتا تھا، اس کا گال چھوتے ہوئے نیل بر کے انداز میں نزاکت واضح تھی۔

''سمجھ گئی تم کہاں بتاؤ گی، بی جاناں نے کچھ کہا ہوگا؟ یا ان کی نواسی نے؟ ہونہہ مائی فٹ، تم اس کی باتوں سے ہرٹ ہوئی ہو؟ ویری بیڈ۔'' نیل بر لمحوں میں بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی، اسے حمت سے کچھ پوچھنا نہیں پڑا۔

''بولو، کیا کہا سباخانہ نے؟'' اس نے خاصے برہم انداز میں پوچھا تھا، حمت روتے روتے چونک سی گئی تھی۔

''تم کو کس نے بتایا؟''

''اس بات کو چھوڑو اور جواب دو۔'' نیل بر کی برہمی بڑھنے لگی تھی، حمت کو بتانا ہی پڑا تھا، کیونکہ نیل بر اپنے باپ کی طرح ''انکار'' سننا گوارا نہیں کرتی تھی، اس کی پوری بات سن کر نیل بر کے رخسار تپ سے گئے تھے۔

☆☆☆

کچھ انکشافات بہت اچانک رونما ہوتے ہیں، کسی الہامی کیفیت میں اترتے ہیں اور کسی وحی کی طرح دلوں میں گداز بھر دیتے ہیں، وہ بھی ایسی کیفیت سے گزر رہی تھی، تعجب اس بات پہ نہیں تھا کہ انکشاف اچانک ہوا تھا۔

اصل Astonishment کی بات تو یہ تھی کہ انکشاف کی نوعیت بہت حیران کن تھی، جسے سمجھ کر وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی، یہ ایسا تعجب تھا جس نے اسے کچھ پل کے لئے فریز کر دیا تھا۔

گو کہ اس گھر میں وہ کبھی بھی حمت خان کی پروٹیکٹر نہیں رہی تھی، نہ کبھی اس نے بی جاناں کے مقابل آ کر حمت کا ڈیفنڈر بننے کی کوشش میں وقت ضائع کیا تھا اور نہ ہی وہ کسی کی ال لیگل سپورٹر تھی، سو اس کے دائیں بائیں جو بھی ہوتا نیل بر کی بلا سے، وہ سننا تو درکنار دیکھنا تک بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔

اپنی ذات کے بت کدے میں گم رہنا اسے پسند تھا، وہ ایسی ہی بے نیاز اور لاپرواہ تھی، دوسرے معنوں میں بے حس کہنا بھی غیر مناسب نہیں تھا، گو کہ یہ تصور مبہم ہی تھا، وثوق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔

اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کسی بند کتاب کا کوئی ان چھوا باب تھی، جسے پڑھنے کی کوئی

جسارت نہیں کر سکتا تھا، یا اس کی شخصیت پیاز کی پرتوں میں چھپی تھی جیسے تہہ بہ تہہ، یا پھر سیپ میں بند کسی موتی نما راز کی طرح تھی، جس کے اندر ہیرا ہو یا کیڑا؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

وہ بیال پہ اترے بادلوں اور پہاڑیوں کے کونوں سے نکلتی دھوپ سا مزاج رکھتی تھی، بادلوں کی طرح آتی، دھوپ کی طرح فٹافٹ سمٹ جاتی اور کبھی کبھی دھوپ میں بھی بے انت برس جاتی تھی۔

اپنی سیلانی طبیعت کے باعث بہت کم عرصے میں بیال کے لوگ اس کی عادتوں اور فطرت سے آگاہ ہو گئے تھے، وہ انتہا کی بے نیاز، موڈی شیٹ فارورڈ، نخریلی اور غصیلی تھی۔

اس کے انداز میں ایک نخوت بھری ''لاتعلقی'' جھلکتی تھی، جیسے وہ ہر نئے پرانے چہرے اور ہر نئی پرانی ''کنسیونگ'' کو اس انداز میں دیکھتی گویا اس میں نیل بر کے لئے کچھ بھی ''پرسنل او[illegible]'' نہیں تھا، سو اسی طرح بڑمحل میں آکر بھی نیل بر نے ڈومیسٹک سیاست سے گریز ہی برتا تھا۔

آس پاس آگے پیچھے، اوپر نیچے کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے، ایسا ہونا بھی چاہیے یا نہیں، اسے قطعی طور پر غور کرنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ روز اول سے ہی اپنی ذات میں گم، مگن اور مطمئن تھی، اس ساری ''لاتعلقی'' کے باوجود چونکہ وہ اسی گھر کا ایک اہم فرد تھی سو چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ پسندیدہ باتیں، چلتے پھرتے، آتے جاتے، باہر نکلتے، کھانا کھاتے ہوئے اس کی سماعتوں پہ ناگوار بوجھ کی طرح ٹکراتی۔

ان بوجھ نما باتوں میں حمت کا ذکر کثرت سے پایا جاتا تھا، وہ حمت جو کہیں نہ ہوتے ہوئے بھی گفتگو کی حد تک ''ہاٹ ٹاپک'' کا حصہ بن جاتی تھی، تب نیل بر کو بھی کچھ چیزوں پہ غور کرنا پڑ جاتا تھا، لامحالہ ہی سہی وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی۔

''بی جاناں حمت کو کس قدر ''یاد'' رکھتی ہیں، چاہے برے لفظوں میں ہی سہی، ایسی **Showy** ٹائپ کلر فل لینڈ اسکیپنگ کے مزہ دوبالا ہو جائے۔'' وہ سوچتی اور سر جھٹک دیتی تھی، اس سے زیادہ ڈیپلی وہ بی جاناں کے لفظوں کی کاٹ اور تندی کو سمجھنے اور سوچنے سے قاصر تھی۔

ان کے غصے، نفرت اور بلاوجہ کی بیزاری کے پیچھے کیا صورتحال یا رویے موجود تھے، نیل بر کبھی گہرائی میں نہ اتر سکی، کیونکہ وہ ایسی کوئی کوشش کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، اسے خوامخواہ کی سر درد پالنے کا شوق نہیں تھا۔

پھر بھی اس کی بے نیاز عقل اتنا ضرور تسلیم کرتی تھی کہ بی جان اور حمت کے بیچ کچھ مس انڈر سٹینڈنگ ضرور موجود ہے۔

نیل بر کو لاکھ خود کو بے نیاز کرنا پڑتا سینکڑوں مرتبہ اگنور کرتی پھر بھی بی جاناں کی گل افشانی پہ حمت کی بھیگتی پلکیں اس کی ''گل بو'' جیسی آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکتی تھیں۔

تب اس کو حمت کی لاچاری پہ ترس تو ضرور آتا تھا لیکن ایسی الہامی کیفیت اس کے دل پہ کبھی نہیں اتری تھی، اس نے آج حمت کی رنجیدگی محسوس کر کے اپنے دل میں گداز اترتا محسوس کیا تھا، یہ گدازیت کچھ اور قسم کی تھی، پہلی کیفیتوں سے قطعی طور پر مختلف، کچھ الگ اور انوکھی۔

اس کے دل نے ایک ہلکی چبھن محسوس کی تھی، اک طویل سی تکلیف کی لہر، یہ لہر کہاں سے اٹھی تھی؟ کسی طرف سے اٹھی تھی؟ کیوں اٹھی تھی؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی، بس اسے اتنی خبر تھی کہ حمت کی

تکلیف نے اسے تکلیف دی تھی اور وہ کون سی چیز تھی جو نیل بر کو حمت کی طرف کھینچ رہی تھی؟ وہ سمجھ نہ پائی، لیکن اس کا چہرہ بغور دیکھتی رہی، جیسے کچھ کھوج رہی تھی، کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

حمت کے خوبصورت چہرے پہ کیا تھا جو نیل بر جیسی کٹھور لڑکی کو اس کی طرف متوجہ کر رہا تھا، جو نیل بر کے لیے باعث اذیت تھا، ایسا آخر کیا تھا؟ حمت کے چہرے پہ مکھن کی ٹکیہ سا پگھلتا کرب؟ اس کی اداس آنکھوں کی گہرائی یا سرخی؟ اس کے ملتانی مٹی جیسے گلابی گالوں پہ پھسلتے شبنمی قطرے؟ اس کی بے بسی اور لاچاری؟

وہ سوچتے سوچتے رک سی گئی تھی، اس نے ایک مرتبہ پھر سے کھوجتی ''گل بو'' جیسی آنکھوں سے حمت کے چہرے کو دیکھا، نیل بر کو اب کی دفعہ جواب مل گیا تھا۔

حمت کے چہرے سے گرتے، پھسلتے آنسوؤں کے قطروں نے نیل بر کو شدید حیرانی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا، کیسا مقام حیرت تھا؟ نیل بر کسی کے آنسوؤں سے اس طرح پسیج سکتی تھی؟ اتنا نرم پڑ سکتی تھی؟ اتنی ملائم ہو سکتی تھی؟

وہ ایک مرتبہ پھر حمت کو سسکتا ہوا دیکھتی رہی، اس کے رونے کی وجہ کیا تھی؟ نیل بر کو معلوم تو نہیں تھا، پھر بھی اتنا ضرور جانتی تھی کہ بی جاناں نے یا تو اپنی کرخت زبان کے جوہر دکھائے تھے یا پھر سبا خانہ نے اپنی میٹھی زبان کے کھٹے ٹرک کو استعمال کیا تھا، اسی حساب سے نیل بر کو بے پناہ غصہ آیا، بھلا سبا خانہ کو کیا ضرورت تھی کہ حمت کو رولاتی؟ اسے تنگ کرتی یا تکلیف دیتی۔

نیل بر گو کہ جانتی نہیں تھی پھر بھی اسے اتنا تو اندازہ تھا کہ سدا کی کم گو، خاموش اور اداس سی حمت پہلے سے ہی کامپلیکس کا شکار ہے، تو پھر حمت کو مزید آزمانے یا تکلیف دینے کا حق کسی کے پاس بھی نہیں تھا، سبا خانہ کے پاس بھی نہیں چاہے جتنا مرضی وہ اپنی نانی کی ''دلاری'' بنتی۔

جب وہ حمت کے آنسوؤں کی کھوج کر سکی تب اس نے اپنے ازلی سابقہ اکھڑ اور دو ٹوک انداز میں تنک کر پوچھا۔

''بتاؤ حمت! سبا خانہ نے تمہیں کیا کہا، اب بھی نہ بتایا تو سیدھا سیدھا سبا خانہ سے پوچھ لوں گی اور تم میری تفتیش کے انداز سے ناواقف نہیں ہو۔'' نیل بر کا انداز دھمکی نما تھا، حمت قدرے سہم گئی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نیل بر جو کہتی ہے وہ کر دکھاتی ہے اور آگے نتائج کی ذمہ داری حمت پہ آتی، کیونکہ سبا خانہ نے اپنی ساری باتیں بھلا کر حمت کو ''چغل خور'' یا پیٹ کی ہلکی کا خطاب تو ضرور دینا تھا۔

''کچھ نہیں، نیل بر، ایسا کچھ بھی نہیں، آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا، یہ آنسو نہیں، پانی ہے۔'' حمت کو گڑبڑا کر بولنا پڑا، یہ وضاحت نہایت بودی تھی، نیل بر تو کبھی نہ مانتی، وہ تو اچھے اچھوں کی نہیں مانتی تھی، اتنی کمزور دلیل پہ کیسے مطمئن ہوتی۔

''پلیز حمت! میں جانتی ہوں، تم کچھ نہیں بتاؤ گی، سبا خانہ نے ضرور تمہارا دل دکھایا ہے، اب میں اسے مزہ چکھاؤں گی۔'' اس کے خطرناک ارادے کی ''بو'' پا کر حمت کا دل ہل گیا تھا، وہ جانتی تھی کہ نیل بر کی ''باز پرس'' پہ سبا خانہ وقتی طور پہ چپ تو کر جائے گی لیکن پھر اس کا کیس بی جاناں کی عدالت میں ضرور لگے گا اور وہاں کی پیشی بھگتنا اتنا سہل نہیں تھا، وہ دورا ہے پہ جیسے آ کھڑی ہوئی

تھی، بھلا کیا کرے؟ بتائے یا نہ بتائے؟

''بولتی ہو یا نہیں۔'' اس نے انگلی اٹھا کر پھر سے دھمکایا، حمت عجیب پھنسی تھی، اس سے کوئی بہانہ بھی بن نہیں پا رہا تھا اور نیل بر بہانے سننے والی بھی نہیں تھی۔

''کچھ نہیں، میں اپنی ماں کو یاد کر رہی ہوں، ان کی برسی قریب ہے۔'' اسے ایک مناسب بہانہ مل گیا تھا، نیل بر شاید مطمئن ہو جاتی، گو کہ اس کی ماں کے سالانہ ختم پہ کبھی کسی نے شرکت نہیں کی تھی اور نہ ہی خاص اہتمام کیا جاتا تھا پھر بھی حمت وہ خاص دن ضرور مناتی تھی، سو اسی دن کی آڑ میں حمت نے خود کو چھپانا چاہا۔

''یہ بھی ٹھیک کہی، لیکن اگلی بات بتاؤ۔'' نیل بر کا انداز ہنوز تھا، حمت لب بھینچ کر سوچنے لگی، کیا اسے بتا دینا چاہیے؟ کیا نیل بر پہ اعتماد کرنا چاہیے؟ گو کہ آج تک دل کی ہر بات، ہر دکھ ہر درد ہر کرب کو اس نے خود تک محدود رکھا تھا، دوست، بہن، کزن، ہمراز کوئی بھی رشتہ میسر نہیں تھا، ایک پری گل کا آسرا تھا وہ بھی چھوٹ گیا، اس نے آج تک اپنے دکھوں کی تشہیر اور اذیتوں کے کرب کی بھاپ نہیں نکالی تھی، وہ اس حوالے سے کسی پہ بھروسہ نہیں کرتی تھی۔

''سباخانہ مجھے برا کہہ بھی لے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن میری ماں کے حوالے سے طنز کرے، انہیں برا کہے تو مجھے بہت فرق پڑتا ہے، آنسو بلاوجہ نہیں نکلتے، کوئی ایسی بات دل پہ ضرور اثر کرتی ہے جو آنسوؤں کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیتی ہے، رونا یوں تو نہیں آتا۔'' وہ بھیگی آواز میں بتاتی چلی گئی تھی، سباخانہ کے نرم ملائم لہجے کے تلخ ترین شیرے میں ڈوبے طنز، اس کی توہین آمیز باتیں اور لفظ، گو کہ سباخانہ بڑی معصومیت اور میٹھے لہجے میں بڑی بھاری اور رکیلی باتیں کر جاتی تھی مقابل کو چاہے کتنی ہی تکلیف پہنچے، بعد میں اسے معصوم بن جانے کی عادت تھی اور نیل بر کو سباخانہ کے اس ٹرک کی خبر نہیں تھی، سو حمت کو اندازہ تھا کہ نیل بر کو بتانے اور اس کے سباخانہ تک پہنچنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

نیل بر کو ساری بات سن کر خاصا افسوس ہوا، اسے اس حد تک سباخانہ کی ذہنیت تک رسائی نہیں تھی، اس کا چہرہ سرخ سا ہو گیا۔

''ویری بیڈ۔'' نیل بر کے تاثرات برہم ہو گئے۔

''تم نے یہ سب سن لیا؟ خاموشی سے، او مائی گڈنیس۔'' اس کے گال تپ رہے تھے۔

''تو کیا کرتی؟'' حمت کا لہجہ تھک سا گیا۔

''اس کا منہ توڑ دیتی۔'' نیل بر نے ازلی نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

''یہ تم کر سکتی ہو میں نہیں۔'' اس کے آنسو پھر سے بکھرنے لگے تھے، نیل بر چڑ سی گئی تھی۔

''رونا تو بزدلی ہے۔''

''میں نے بہادری کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔'' حمت کی آواز مدہم تھی، نیل بر بھی کچھ مدہم پڑ گئی تھی، جیسے حمت کی شکستگی نے اسے تکلیف دی تھی، کیا نیل بر جیسی بے حس لڑکی بھی کسی کی تکلیف محسوس کر سکتی تھی؟ اسے خود پہ بھی حیرانگی ہوئی، نیل بر محسوس کر سکتی تھی، حمت بہت تکلیف میں ہے، اپنوں کے رویے ایسی ہی اذیت سے دوچار کرتے ہیں، نیل بر سمجھتی تھی، خوب سمجھتی تھی۔

اسے حمت کو سمجھانا تھا، اس کی تکلیف کم کرنا تھی، اس کے چہرے پہ مسکراہٹ لانی تھی، رونق بحال کرنا تھی، نیل بر یہ کر سکتی تھی۔

''سنو حمت!'' نیل بر نے ملائمت سے قریب آ کر کہا، حمت بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی، نیل بر نے اس کا شانہ ہلایا، اس کی ساحرانہ آنکھوں میں نرمی پگھلتی اور حمت کی طرف مقناطیس کی طرح بڑھتی تھی، حمت پہ فسوں سا طاری ہو گیا، وہ اس کی دمکتی ستاروں بھری آنکھوں میں دیکھتی تھی اور حیرانگی سے سنتی تھی۔

''تمہیں ایک چھوٹا سا لیکچر سمجھنا ہے، ایک معمولی سا لیسن ہے اگر تم سمجھ لو تو۔''

میرے پاس وقت نہیں
ان لوگوں سے نفرت کرنے کا
جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں
کیونکہ
میں مصروف رہتی ہوں
ان لوگوں میں
جو مجھ سے محبت کرتے ہیں

وہ اب بھی دمکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اس کے لفظوں میں جادو کی سی طاقت تھی، ساحرانہ سی قوت تھی، اسے لفظوں کو پرونا اور زنجیر کرنا آتا تھا، حمت جیسے قائل ہو گئی۔

''کسی کے برا کہہ دینے سے نہ ہم برے ہو جاتے ہیں اور نہ وہ اچھے، ہر شخص اپنی زبان سے اپنا ظرف دکھاتا ہے نہ کہ دوسرے کا عکس۔'' نیل بر اور ایسی دانائی کی باتیں، حمت ششدر رہ گئی تھی، جیسے برے لفظ چہروں پہ برا اثر چھوڑ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لفظ چہروں پہ اچھا تاثر چھوڑ دیتے ہیں، وہ ایک پر اثر خواب کی کیفیت میں مسحور سی دیکھتی رہی۔

''اور مجھ سے محبت کون کرتا ہے؟'' اس کا لہجہ بھاری اور کسیلا ہو گیا تھا، آنکھوں میں کرچیاں چبھنے لگیں۔

''ہے کوئی بہت خاص۔'' نیل بر پہلی دفعہ خوشگوار انداز میں مسکرائی تھی، حمت حیرت زدہ سی رہ گئی، کچھ دیر بعد نیل بر بیال کے جنگلوں سے آتی ہوا کی طرح اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی تھی، حمت کا سحر اس کے چلے جانے کے بعد بھی نہیں ٹوٹا تھا، وہ ابھی تک نیلی کھڑکیوں کے پار دیکھ رہی تھی، وہ بہت دور نانگا پربت کے حضور اس کا نصیب کھڑا تھا، اس سے بہت دور، بہت فاصلے پہ، وہ نیلی کھڑکیوں کے شیشوں پہ پگھلتا اپنا اداس عکس دیکھتی رہی۔

☆☆☆

عملیہ اور عروفہ کے لئے یہ دھچکا معمولی نہیں تھا۔

عشیہ جتنی غصیلی، لڑاکا یا کٹھور بنتی، اس قدر بے حسی کا مظاہرہ کر کے مورے کو تڑپتا دیکھنے کے بعد بند کواڑوں کے پیچھے چھپ نہیں سکتی تھی، وہ سب کچھ ہو سکتی تھی لیکن بے حس نہیں۔

لیکن اس وقت بے حسی کا عملی مظاہرہ دکھا چکی تھی، مورے کا تڑپتا وجود ابھی تک ماہی بے آب

کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا، ان پہ بے ہوشی طاری ہو رہی تھی، نیم غشی کی کیفیت میں ان کی کراہیں معدوم ہوتی جا رہی تھیں۔

مورے کو مالیخولیا کا دماغی مرض بھی تھا، گوکہ مرض ایک نہیں تھا جب بھی کوئی مرض حملہ آور ہوتا تو اس کی نوعیت سمجھنا انتہائی مشکل کام تھا، مالیخولیا کی کیفیات میں وہ وہم کرتی تھیں، ڈرتی اور خوفزدہ ہوتی تھیں، یہ علامات جھگڑے سے پہلے ظاہر ہو چکی تھیں، سو عمکیہ نے یہی سمجھ لیا تھا کہ دورہ مالیخولیا کا ہے، جس طرح وہم، غصہ اور ڈپریشن کا شکار ہو کر وہ عشیہ پہ چڑھ دوڑتی تھیں خیال واثق تو یہی تھا تکلیف کی نوعیت یہی ہے، سو عشیہ کی طرف سے مایوس ہو کر عمکیہ نے خود ہی مورے کو فرسٹ ایڈ دینے کا سوچا تھا، کیونکہ اس وقت مورے کو جہاں بھی لے جاتے، ڈاکٹر ملنا مشکل تھا، چھوٹے قصبوں میں بیٹھنے والے ڈاکٹر شام تک بڑے شہروں میں اپنی رہائش گاہوں پہ چلتے جاتے تھے، سو اس وقت نکلنا تو نرا بیکار تھا۔

اس بیماری کے کئی طرح کے اسباب بھی تھے، معاشی و گھریلو الجھنیں، حادثات، صدمات، کاہلی، سستی، بے کاری، احساس برتری یا احساس کمتری، مورے احساس برتری کا شکار تھیں یا کمتری کا، اس بات کا اندازہ کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جب مورے، عشیہ کی واپسی پر دیر ہونے پر پہلے متفکر، پریشان اور بے قرار ہوئی تھی، پھر ان پہ خوف وہم اور غصہ سوار ہونے لگا تھا بعد میں وہ ہر احساس سے عاری ہوتی گئیں، مالیخولیا میں دوسروں کی تکلیف کا احساس مٹ جاتا ہے، انسان بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے، اس کا شعور سو جاتا ہے، ایسے مریض کی ''شرانگیزی'' پہ غصہ کر کے ناراض ہونا اور بے یار و مددگار چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی تھی۔

لیکن عشیہ نہ صرف اپنا کٹھور پن ظاہر کر چکی تھی بلکہ عظیم بے حسی کا مظاہرہ بھی کر چکی تھی، عمکیہ نے آنسو بھری بے بسی سے بند کواڑ کو آخری مرتبہ دیکھا تھا، وہ دروازہ جس کے پیچھے عشیہ غروب تھی اور ماں کی تیغ کلامی کا بدلہ لے رہی تھی۔

عمکیہ نے مورے کی ٹھنڈی ہتھیلیوں کو نرمی سے سہلایا، عروفہ روئی روئی نگاہوں سے عمکیہ کو دیکھتی مورے کے کندھے سے سر ٹکا کر رونے لگی۔

''عشیہ آپ کی بیٹی نہیں مورے! وہ تو زہریلی ناگن ہے، آپ کو مرتا دیکھنا چاہتی ہے۔'' وہ پائنتی سے لگی سسکنے لگی، مورے نے بند ہوتی سوجی آنکھوں سے دیکھنا چاہا، وہ عروفہ کی بات سمجھنا چاہتی تھیں، شاید سمجھ بھی رہی تھیں۔

ان کی آنکھیں لمحوں میں پپوٹوں تک پھول سی گئیں، سویلنگ کا اچانک چڑھنا اور نمودار ہونا کوئی نیک شگون نہیں تھا، عمکیہ کا دل سہم گیا، عمکیہ گھبرا گئی، اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ وہ سمجھ نہ پائی، بس عروفہ کے چیخنے پر عشیہ کو ایک مرتبہ پھر بلانے کے لئے باہر بھاگی تھی، لیکن وہ عشیہ ہی کیا جو بند کواڑ کھول لیتی، عمکیہ کا چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا تھا لیکن عشیہ نے دروازہ نہیں کھولا۔

''عروفہ ٹھیک کہتی ہے تم سے تو زہریلا ناگ بہتر ہے آستین کی سپولن۔'' عمکیہ تھک ہار کر لوٹ آئی تھی، پھر اس نے ایک کپ پانی لیا اور کاٹن اٹھا کر مورے کے پاس دوڑی تھی، مورے کی

آنکھوں کی تکلیف بے حال کر رہی تھی، گو کہ ان سے بولا نہیں جا رہا تھا پھر بھی وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے بتا رہی تھیں۔
عمکیہ نے کئی مرتبہ عشیہ کو کاٹن اور پانی کی مدد سے آنکھوں کو بھگوتے دیکھا تھا سو اسی حربے کے تحت وہ جلدی سے پانی لائی تھی۔
جیسے ہی عمکیہ نے کاٹن بھگو کر آنکھوں کی طرف بڑھائی تھی پیچھے سے تلخ، تیز اور بے ساختہ آواز آئی۔
''رکو، احمق پاگل۔'' انتہائی سرد اور تلخ لہجے میں بولتی ہوئی لڑکھڑاتی وہ عشیہ ہی تھی، سوجے ٹخنوں پہ مشکل سے بوجھ ڈال کر چلنا اس کے لئے نہایت کٹھن تھا پھر بھی وہ چل رہی تھی، اس کی آنکھیں سرخ اسٹرابیری جیسی تھیں، ناک بھی لال تھی، گال بھی لال تھے، یقیناً وہ سوئی نہیں تھی، روتی رہی تھی۔
عمکیہ اور عروفہ نے بیک وقت گردن گھما کر دیکھا تھا، یکا یک دونوں کے اندر اطمینان کی لہریں اترنے لگیں، اک سکون تھا جو رگوں میں اتر رہا تھا، جیسے اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مورے کی طبیعت بہتر ہو گئی، عشیہ سب کچھ ٹھیک کر لے گی۔
لڑکھڑاتی ہوئی عشیہ، عمکیہ کے قریب آ گئی تھی، پھر اس نے پانی کی پیالی عمکیہ کے ہاتھ سے جھپٹ لی تھی، ایک انگلی کپ میں گھمائی اور پوری شدت سے پیالی کو دیوار پہ دے مارا تھا۔
''اتنا برفیلا پانی۔'' اس نے گھور کر عمکیہ کو دیکھا تھا، پھر دوسرے ہاتھ میں موجود پیالی میں کاٹن بھگو کر آنکھ کے نیچے نکلنے والے دانے پہ رکھ دی، دانہ ابھرتے ہی اس کا سدباب ضروری ہوتا ہے ورنہ یہ بڑا سخت اذیت ناک مرض ہے، اگر شدید درد کے ساتھ دانہ بھی ابھر آئے اور دانہ فوری ٹریٹمنٹ کے بعد نہ بیٹھے تو اس کا علاج ہسپتال میں ممکن ہوتا ہے، عشیہ پہ اچانک انکشاف ہوا تھا، اس نے گرم روئی کو ایک طرف پیالی میں واپس رکھ دیا تھا۔
اب وہ جھک کر مورے کی آنکھوں کا جائزہ لے رہی تھی، دیسی، انگریزی ٹائپ بیماریوں کو سمجھنے میں عشیہ کا حافظہ کمال کا تھا اور مشاہدہ تو کمال کی انتہا پہ تھا۔
مورے چہرے کی نصف جانب سے ہاتھ کا دباؤ ڈالتی اور آدھے سر کی طرف دباؤ ڈالتی تڑپ رہی تھیں، یوں کہ یہ ''آدھے سر'' کا درد یا کوہا نجنی نہیں بلکہ ''گلوکوما'' کی تکلیف لگتی تھی، کیونکہ آنکھیں اور سر دونوں متاثر تھے۔
اس درد سے بے حال اور اذیت کی انتہا پہ مریض ایک ہی دن میں اندھا ہو جاتا ہے، عشیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے، اب وہ کرے کیا؟ گھبراہٹ میں دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، عمکیہ اور عروفہ کی جان پہ بن آئی تھی کیونکہ عشیہ کے تاثرات انتہائی پریشان کر دینے والے تھے، وہ دونوں بری طرح حواس باختہ ہو گئیں۔
''اب کیا ہوگا؟'' ایک ہراس تھا جو بکھرتا جا رہا تھا، عشیہ نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور جلدی سے اس باسکٹ کی طرف بڑھی جس میں گلوکوما کی تکلیف اور اثرات شروع ہونے کے بعد کنٹرول کرنے کی دوائیاں اور ڈراپس موجود تھے، اس نے ساری ٹوکری کو الٹا پلٹا، دیکھا، کھنگالا

پھر پوری کی پوری الٹ دی تھی، وہاں بوتلیں، ڈبیاں اور خالی ڈراپس رکھے تھے، عشیہ کا دل کانپ سا گیا، آنکھوں کے سامنے سچ مچ کے تارے لہرا گئے تھے، وہ اتنی بہادر ہو کر اچانک خود کو کمزور محسوس کرنے لگی تھی۔

''اب کرے تو کیا کرے؟'' اس نے ماؤف ہوتے دماغ سے سوچا تھا، عمکیہ اور عروفہ بے حد تفکر سے حراساں ہو کر عشیہ کو دیکھا تھا، اگر عشیہ کچھ نہ کر سکی تو پھر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا، ایک بات تو طے تھی۔

پھر کیا ہیام کو فون کیا جائے؟ لیکن ہیام اتنی دور بیٹھ کر کیا کر سکے گا؟ اس وقت تمام ڈسپنسریاں بند ہو چکی تھیں، اسٹوروں کی کلوزنگ سرشام ہو جاتی تھی، کسی ہیلتھ سینٹر جانے کے لئے سواری کی ضرورت تھی اور سواری کا ان کے پاس کوئی انتظام نہیں تھا، پھر اس وقت عمکیہ اور عروفہ منفی باتوں کو کیوں نہ سوچتیں۔

''یا تو پہاڑوں میں رہنے والا بندہ غریب نہ ہو، اگر غریب ہے تو بیمار نہ ہو۔'' دونوں کی سوچیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر عشیہ تک پلٹ گئی تھیں، اس نازک صورتحال پر عشیہ کیا سوچ رہی تھی؟ اور وہ کیا کر سکتی تھی؟ دونوں کے دماغ جیسے سن ہونے لگے تھے، عمکیہ کے چہرے پہ ہلدی بکھر رہی تھی، اس نے دو قدم بڑھا کر عشیہ کے بازو کو چھوا اور ہلا کر کہا۔

''عشیہ! مورے کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔'' وہ ان کی سرخی مائل ہوتی رنگت اور آنکھ کی پتلیوں پہ اتری وحشت کو دیکھ رہی تھی، اس کا دل کسی انہونی کے تحت گھبرا رہا تھا، اگر ٹریٹمنٹ میں ذرا سی دیر ہو جاتی تو مورے اندھی بھی ہو سکتی تھی، ڈاکٹر نے اس تکلیف کی تشخیص کے بعد یہی بتایا تھا۔

آئی سپیشلسٹ منگورہ مین سٹی کے معروف ہسپتال میں بیٹھتا تھا اور منگورہ صدر تک پہنچنا فی الوقت ممکن نہیں تھا، اس کے لئے سواری کی ضرورت تھی اور سواری بھلا کہاں سے مل سکتی تھی؟ عشیہ نے اپنی سوچ کی لگامیں کھلی چھوڑ دی تھیں۔

قریب میں کوئی پڑوسی تھا نہیں، البتہ کچھ کلومیٹر کی دوری پہ ''ہوٹل اوزگل'' ضرور تھا اور ہوٹل کا مالک اوزگل خان اتنا با اخلاق تو ضرور تھا کہ اس کی ذاتی کار کچھ وقت کے لئے ادھار مانگ لی جاتی۔

نیلی جلد والی ڈائری میں اوزگل کا لینڈ لائن نمبر بھی موجود تھا، اگر کال کر لی جاتی تو وہ خود ہی ڈرائیور سمیت پہنچ جاتا، مورے کی ناراضگی کا خدشہ بھی نہیں تھا کیونکہ اوزگل کی ماں سے مورے کے اچھے تعلقات تھے، اس نے اپنی سوچ کی لگامیں کچھ اور وسیع کی تو ہوٹل اوزگل سے آگے والی سوات کے سیاہی مائل عمارت اور جنگلات کے گھنے جھنڈ کی فصیلوں کے پار پل کے اختتام پر ایک سفید انڈے کی طرح کا ''ہٹ'' بھی تھا، اس ہٹ کا رہائشی بھی کم از کم عشیہ کی مدد سے کبھی انکار نہ کرتا، لیکن مسئلہ صرف یہ تھا کہ دونوں صورتوں میں عشیہ کو تن تنہا باہر نکلنا پڑتا، کیونکہ جب اس نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانا چاہا اور فون اسٹینڈ تک پہنچی تب بدقسمتی سے موسم کی شدت کے باعث ہر رات کی طرح اچانک فون نے گڑبڑ مچا دی تھی، وہ تھک کر بے دم سی ہو گئی، جیسے قدرت کی طرف سے ہی ہر کام میں رکاوٹ آ رہی تھی، عمکیہ اور عروفہ متوحش رہ گئی تھیں، پھر عمکیہ نے ہی اس

پر وحشت خاموشی کو توڑا تھا۔

''تم اوزگل کی طرف جاؤ، سوچو مت عشیہ، کچھ کرو، مورے کو بچاؤ۔'' عمکیہ نے لرزتی آواز میں کہا تھا، عشیہ کا سن ہوتا دماغ کام کرنے لگا تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں جواب دے کر کان دبا جاتی۔

''اس ساوتری عروفہ کو بھیجو، میں نہیں جا رہی، مورے کی لاڈلی بھی تو یہی ہے۔'' وہ سر جھٹک کر کوٹ چڑھانے لگی، موزے اور جوگرز کسے، خاصے پرانے اور بدرنگ سے جوگرز تھے، لیکن نہایت آرام دہ اور گرم تھے، جوگرز پہن کر گرم دستانے چڑھائے اور شال لپیٹ کر باہر آ گئی۔

عمکیہ بھی گیٹ بند کرنے کی غرض سے عشیہ کے پیچھے تھی، عشیہ نے کوٹ کی جیب سے ٹارچ نکال لی، چارجنگ گو کہ کم ہی تھی پھر بھی اوزگل تک پہنچنے کے لئے کافی ضرور ہو سکتی تھی۔

وہ پتھریلی روش پہ چل رہی تھی معاً بیرونی گیٹ پہ دستک سنائی دی، عشیہ کو چونکنا پڑا تھا، اس کے پیچھے سر جھکائے آتی ہوئی عمکیہ بھی چونک گئی تھی۔

ان دونوں کے چہرے پہ قریب قریب ایک جیسے تاثرات ابھرے تھے، ایک جیسی حیرانی اور تحیر نمودار ہوا تھا۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' گھبراہٹ دونوں کے چہروں پہ نمایاں تھی، دونوں نے ایک دوسرے کو بے ساختہ دیکھا تھا، نگاہوں میں ایک جیسے سوال تھے۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' عمکیہ نے عشیہ کو روک کر کہا۔

''خدا کو معلوم۔'' وہ کندھے اچکا کر رہ گئی تھی۔

''ہمارے گھر آج تک رات کے اس پہر کوئی نہیں آیا۔'' عمکیہ نے سنجیدگی سے گھور تاریکی میں دیکھا تھا، دروازے پہ اس دوران دو مرتبہ دستک ہو چکی تھی۔

''کوئی چور اچکا نہ ہو۔'' عمکیہ نے خوف زدہ انداز میں خیال ظاہر کیا، عشیہ نے نیم تاریکی میں اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

''چور دستک دے کر نہیں آتے۔'' اس کا انداز فہمائشی تھا، پھر وہ دستک کی آواز پہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگی تھی، عمکیہ گھبرا گئی، وہ اسے روکنا چاہتی تھی لیکن لب بھینچ کر خاموش ہو گئی، کیونکہ تب تک عشیہ نے لاک کھول کر گیٹ وا کر دیا تھا، سامنے کون کھڑا تھا؟ عمکیہ کو دکھائی نہیں دیا، وہ دو قدم آگے بڑھی تھی، کسی اجنبی کا چہرہ ذرا واضح ہوا تھا، عمکیہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

وہ اجنبی بڑی بے تکلفی کے ساتھ عشیہ سے مخاطب تھا، اس کے ہاتھ میں ایک شاپر موجود تھا، چمکیلا سا شاپر، جو اندھیرے میں خوب چمک رہا تھا، عمکیہ کی آنکھوں میں تحیر ابھر کر معدوم ہوا، وہ دو قدم مزید آگے بڑھی تھی، وہ اجنبی عشیہ سے کچھ کہہ رہا تھا، کیا کہہ رہا تھا؟ عمکیہ کو سننے میں دشواری کا سامنا تھا، سو وہ کچھ اور آگے کھسک آئی تھی، اب کہ الفاظ واضح ہو رہے تھے۔

''فن گندھارا تو ندی کے گہرے پانیوں میں ڈوب کر ہمیشہ کے لئے میری پہنچ سے دور ہو گیا، لیکن آپ کی دوائیوں والا نسخہ نہ سہی، دوائیاں میں لے آیا ہوں، آپ نے جو جو مرض اپنی والدہ کے بتائے تھے اسی کے مطابق دوائی لایا ہوں، ایک لفظ شکریہ تو ادا کر دیں محترمہ، اسے ہے تم

تو زبان بھی گم کر آئی۔'' وہ نہایت مہذب انداز میں بولتا لائن سے اتر گیا تھا، کیونکہ عشیہ کے چہرے پہ پھیلی حیرانی اور گم صم قسم کے تاثرات اسے بدمزہ کر رہے تھے، وہ اپنی لمبی گفتگو کے جواب میں اتنی خاموشی کی توقع نہیں کر رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا عشیہ خاصی پٹاخہ لڑکی تھی۔

''تم مجھے بھول گئی ہو غالباً، میں وہی آرکیالوجسٹ، ندی کے پل پہ تصادم ہوا تھا، کیا یاد آیا؟''

اب وہ خفیف سا یاد دہانی کرواتا بہت چغد لگ رہا تھا، کیونکہ سامنے کھڑی کسی سٹوپا کی مورتی ابھی تک بے سانس کھڑی تھی، گم صم اور حیران، جیسے اسے اجنبی کی توقع اس کے ہر توقع کے برخلاف تھی۔

اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اجنبی ندی کے اس پل سے چل کر عشیہ کے گھر تک آجائے گا، اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے، طلاطم مچانے، سینے کے اندر ہلچل مچانے۔

''میں اسامہ جہانگیر ہوں۔'' اس نے مرے مرے انداز میں کہا تھا، پھر شاپر پکڑا کر پلٹنے لگا، ایسی بے عزتی زندگی میں شاید ہی اس نے بھی محسوس کی ہو، حد تھی، وہ اتنا خوار ہو کر ہر چھوٹے بڑے میڈیکل سٹور کی خاک چھانتے ہوئے انتہائی ذلالت کے بعد مطلوبہ دوائیاں لایا تھا، پھر بھی اتنی تپسیا کے بعد شکریہ تو بہت دور محترمہ کے چہرے پہ پہچان کا کوئی رنگ نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ شدید خجالت کا شکار چلنے لگا، پیروں کے نیچے آتے کنکروں کو ٹھوکروں سے اڑانے لگا، معاً کسی کی نرم آواز نے خاموش فضا میں نغمگی کے سر بکھیر دیئے تھے، وہ جھٹکا کھا کر مڑ گیا، وہ گیٹ کے قریب ہی کھڑی تھی، دو ہزار سال پرانے سٹوپا میں سجی کسی مورتی کی طرح۔

''شکریہ اسامہ جہانگیر! تم نے میری ماں کو تکلیف سے بچالیا، میری دعا ہے فن گندھارا کا وہ عظیم مجسمہ تمہیں مل جائے جو میری بے پروائی سے ندی کی وسعتوں میں جا گرا تھا۔'' عشیہ شاپر کو سینے سے لگا کر تشکر بھرے لہجے میں بولی اور گیٹ کے اندر گم ہو گئی تھی، اس کے چلے جانے کے بعد بھی اسامہ جہانگیر نیم تاریکی میں عجیب سی خوشگواریت کے زیر اثر دیکھتا رہا، گھور اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھوں اور چہرے پہ روشنی سی پھیل رہی تھی، اس کے دل میں عشیہ کے الفاظ نے اپنائیت کی پذیرائی کا جوش بھر دیا تھا، وہ اپنی سرخوشی میں محسوس ہی نہ کر سکا کہ ٹیرس پہ کھڑی دو کٹیلی آنکھوں سے نکلتی بجلی سی لہروں والی لڑکی کے چہرے پہ کیسے عجیب تاثرات اُمڈ رہے تھے۔

دو کٹیلی آنکھوں نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا، یہاں تک کہ وہ اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دن بھر کی بھاگ دوڑ، بے پناہ گھریلو مصروفیات اور عینی کی بے وقت آنے والی نخریلی سہیلیوں کی اچانک آمد نے نشرہ کو گھن چکر بنا ڈالا تھا۔

اوپر سے تائی کے آرڈر، بیٹی کی سہیلیوں کے لئے ان کی ساری کنجوسی ہوا ہو جاتی تھی۔

شاید انہیں نخریلی بیٹی کی سبکی گوارا نہیں تھی، ورنہ نومی کے دوستوں کا تائی کے ہاتھوں حشر ہوتا نشرہ نے کئی مرتبہ اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا تھا، کیونکہ نومی کا کوئی بھی دوست عینی کی امیر سہیلیوں کی ٹکر کا نہیں تھا۔

سب ہی نومی کی طرح بے روزگار، نکھٹو اور شاہانہ مزاج رکھتے تھے، بڑی نوکری ملتی نہیں تھی، چھوٹی نوکری کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی، سو راوی ہر طرف چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

نومی کو آوارہ گردیوں سے فرصت نہیں تھی اور عینی کو سہیلیوں کی دعوتیں کر کر کے ان پہ اپنے شاہانہ مینو کی دھاک بیٹھانے سے۔

تائی بھی اپنی کنجوسی کا گراف مہمانوں کی حیثیت جانچ کر گھٹا اور بڑھا لیتی تھیں۔

سو آج کی صورتحال قدرے الگ تھی، مینو اتنا اعلیٰ قسم کا تھا کہ نشرہ کچن میں پکا پکا کر تھک چکی تھی لیکن عینی کی پیٹو سہیلیاں کھا کھا کر نہیں تھک رہی تھیں۔

قریب پانچ بجے شام کی چائے پی کر یہ قافلہ باجماعت احسان منزل سے گیا تو نشرہ سارا کچن سمیٹ سماٹ کر تھکی ہاری سی نڈھال لاؤنج میں آ کر ڈھے گئی تھی۔

صوفے کی گداز یت کیا محسوس ہوئی اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں جھٹ پٹ پپوٹوں سے جا لگیں، گو کہ ایسی بے خبر نیند اسے زندگی میں نہیں آئی تھی پھر بھی وہ ڈیڑھ گھنٹہ سوتی رہی، جب آنکھ کھلی تو خلاف توقع گھر پہ سناٹا ہی محسوس ہوا تھا، نشرہ لمحوں میں سنبھل کر بیٹھ گئی، بکھرے حواس مجتمع کیے تو اپنے اتنی دیر تک سونے پہ سخت حیرت ہوئی تھی۔

اس نے ٹائم دیکھا اور اچھل پڑی، ولید کی اس وقت گرما گرم چائے کی طلب ہوا کرتی تھی، نشرہ فوراً الرٹ ہوئی، بال سمیٹے، منہ پہ پانی کے چھپاکے مارنے کا ارادہ ترک کر کے کچن کی طرف بھاگی تھی۔

چونکہ کچن کا پھیلاوا سمیٹ کر سوئی تھی سو صاف ستھرا کچن دیکھ کر دل کو سکون ہوا تھا، رات کے لئے کھانا بہت پڑا تھا، سو تردد کی ضرورت نہیں تھی، نشرہ کا دل خوشی سے بھر گیا، اس کی خوشیاں ایسی معمولی تھیں، رات کو سالن نہ پکانا پڑتا تو نشرہ خوش، دوپہر کا کھانا باہر سے آ جاتا تو نشرہ راضی۔

اتنی محدود زندگی سے ہٹ کر نشرہ نے کبھی کچھ اور سوچا نہیں تھا، اس کی سوچوں کا دائرہ ہمیشہ اس گھر کی ضرورتوں اور کاموں تک محدود رہا تھا۔

چائے ابل گئی تو نشرہ نے نفیس سے مگ میں چھان کر انڈیلی، کچھ دیر بعد وہ گیسٹ روم کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

اس نے گردن گھما کر دیکھا، تائی کے کمرے کا دروازہ بند تھا، شاید عینی کی سہیلیوں سے باتیں کر کے تھک چکی تھیں۔

اوپر بھی مہیب خاموشی تھی، حمرہ اور ثنا نجانے کہاں تھی، نشرہ سر جھٹک کر ولید کے روم تک آئی، آبنوسی دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

یہ اس کا گھر تھا لیکن نشرہ آج تک اتنا بے دھڑک کسی کے کمرے میں نہیں گئی تھی، ہمیشہ محتاط ہی رہتی، اب بھی محتاط تھی۔

گھر کا سب سے ویل ڈیکوریٹڈ اور سپر لگژری روم یہی تھا، جس کی روزانہ صفائی نشرہ کے معمول کا حصہ تھی، وہ چلتی ہوئی کچھ آگے بڑھی، گداز کارپٹ میں اس کے پاؤں دھنس رہے تھے، ڈبل بیڈ خالی تھا اور آئرن راڈ کے صوفوں پہ ولید کا موبائل، لیپ ٹاپ اور چابیاں وغیرہ رکھی تھیں،

لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن تھی، جیسے ولید کام کرتے کرتے اچانک اٹھ کر کہیں گیا تھا، جانے کہاں؟ شاید واش روم میں؟ اس نے محسوس کیا کہ واش روم سے پانی گر رہا ہے۔

وہ سمجھ کر ٹرے سینٹرل ٹیبل پہ رکھ کر دبے قدموں واپس جارہی تھی جب دروازہ کھول کر ولید باہر آ گیا، نشرہ کو پلٹتا دیکھ کر اس نے آواز لگائی تھی، نشرہ چونک سی گئی۔

''رکو تم، کہاں بھاگی جارہی ہو؟'' ولید کی نرم آواز پہ لمحہ بھر کے لئے نشرہ رک سی گئی تھی۔

''تم ہو گئی فارغ؟'' اس نے ملائمت سے پوچھا تھا، نشرہ کا سر اثبات میں ہل گیا۔

''اور وہ چلی گئیں؟'' ولید نے مزید کہا، غالباً عینی وغیرہ کی طرف اشارہ تھا، نشرہ نے پھر سے سر ہلایا۔

''آج تو بہت پریڈ ہوئی تمہاری۔'' ولید نے مسکراہٹ دبائی تھی، پھر ناول ہاتھ سے رکھ کر صوفے پہ بیٹھ گیا، نشرہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''ہر روز تو ہوتی ہے۔'' اس نے ہمیشہ والا جواب دیا تھا۔

''لیکن آج کچھ زیادہ ہوئی۔'' وہ مائل بہ شرارت تھا۔

''عینی کی سہیلیاں بہت چٹوری ہیں۔''

''آپ نے بڑا غور و فکر کیا ہے۔'' اس نے جز بز ہو کر کہا۔

''سامنے تو بیٹھا تھا، غور و فکر بھی نہ کرتا، ویسے یہ خصوصی دعوت کس سلسلے کے پیش نظر تھی؟'' ولید نے معصوم بن کر پوچھا، جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔

''اتنے معصوم نہ بنیں۔'' نشرہ نے مصنوعی خفگی دکھائی، ولید معصوم بنتے بنتے سنبھل گیا تھا، نشرہ اتنی بھولی بھی نہیں تھی، جس قدر ولید سمجھتا تھا، بہر حال اسے نشرہ کی برجستگی بہت پسند آئی تھی، کچھ بھی تھا، وہ ولید کے ساتھ تھوڑی بہت بے تکلف ضرور ہو رہی تھی، ورنہ شروع میں تو ایسے دور بھاگتی تھی جیسے ولید کوئی اچھوت ہو، بات کرنا تو بہت دور دیکھنا تک گوارا نہیں تھا، لیکن اب صورتحال کچھ الگ تھی، نشرہ کا اعتماد کچھ کچھ بحال ہو رہا تھا۔

''چلو نہیں بنتا۔'' ولید نے فوراً تابعداری سے کہا۔

''ویسے بھی ایک معصوم کے ساتھ دوسرا معصوم رہ نہیں سکتا، کیونکہ پھر معصومین کا ٹیگ لگ جانے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔'' وہ کھڑے کھڑے مسکراتا رہا۔

''وہ دعوت آپ کو سہیلیوں سے متعارف کروانے کے سلسلے میں تھی۔'' نشرہ نے بھی کھڑے کھڑے اس کی معلومات میں اضافہ کر دیا تھا، ولید چائے کا مگ اٹھاتا چونک گیا، آنکھوں میں تحیر کی لکیر ابھر آئی تھی۔

''کیا واقعی؟'' وہ خاصا پر جوش ہوا۔

''مجھے کیوں نہیں پتا چلا؟ میں خواہ مخواہ بیزار رہا۔''

''کہاں بیزار تھے، اتنا تو مسکرا رہے تھے، میں نے کئی دفعہ مسکراتے دیکھا تھا۔'' نشرہ نے فوراً پچھلی سچویشن کا حوالہ دے کر جتلا دیا تھا جب ولید ڈرائنگ روم میں عینی کی سہیلیوں کے درمیان زمانے بھر کا با اخلاق بنا ہوا تھا اور وہ سب اس کے گرد پروانوں کی طرح بیٹھی تھیں۔

''کیا تم نے مجھے غور سے دیکھا؟ یعنی کہ تمہارا دھیان میری طرف تھا۔'' ولید بہت خوش ہوا، گویا نشرہ سے یہی اگلوانا چاہ رہا تھا، نشرہ نے سمجھ کر نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کی ''اخلاقیات'' کی طرف۔'' اس کے تصحیح کرنے پر ولید بے ساختہ ہنس دیا۔

''ہوں، تو گویا نشرہ کو ز کام ہو گیا۔'' وہ اس کی برجستگی کو ابھی تک انجوائے کر رہا تھا، نشرہ اس کے محاورے کا پس منظر سمجھ کر ذرا خفا خفا دکھائی دی تھی۔

''جو بھی کہہ لیں، چاہے پس پردہ مینڈ کی ہی سہی۔'' اس کا انداز بڑا دلفریب تھا، ولید کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔

''مجھے تمہاری ان خوبیوں کا ادراک نہیں تھا، تم تو خاصی دلچسپ ہو۔'' وہ مسکراتا رہا، دیر تلک انجوائے کرتا رہا، نشرہ اس کی مسکراہٹ پہ خجل سی ہو گئی تھی، دوسرے معنوں میں سمجھ گئی کہ کچھ ضرورت سے زیادہ بول چکی ہے، مزید کھڑے رہنا بڑا بے معنی لگ رہا تھا، سو وہ الٹے قدم چلنے لگی، ولید اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آ گیا تھا۔

''رکو تو نشرہ! کہاں جا رہی ہو؟''

''مجھے کچھ کام ہے۔'' اسے اچانک اپنی موجودہ حیثیت کا احساس ہو گیا تھا، ولید کے ساتھ بے ضرر سی چھیڑ چھاڑ بہت مہنگی بھی پڑ سکتی تھی، اندر سے وہ کچھ سہم سی گئی تھی۔

''ہوتے رہیں گے کام، بیٹھو یہاں، میں تمہیں کچھ دکھاتا ہوں، بلکہ ممی سے بات کرواتا ہوں۔'' ولید کو اچانک یاد آیا کہ لگے ہاتھوں ممی سے نشرہ کی بات کروا دے، کیونکہ عام روٹین میں نشرہ کبھی فارغ دکھائی نہیں دیتی تھی۔

''پھر کبھی...... ابھی تو ٹائم نہیں، نیچے سب کے لئے چائے بنانی ہے۔'' ولید کی ہمراہی میں گھنٹہ بھر مزید بیٹھے رہنے کا مطلب تھا گھر والوں کو باتوں اور طعنوں کا موقع دینا، جو کہ اسے گوارا نہیں تھا، سو وہ بہانے سے جانا چاہتی تھی۔

''ایک چائے تک وہ لوگ خود نہیں بنا سکتے، کتنا انحصار کرتے ہیں یہ تم پر۔'' ولید کو بہت برا لگا۔

''میں اپنی خوشی سے کرتی ہوں، مجھے کوئی مجبور نہیں کرتا۔'' اس نے صفائی دینا ضروری نہیں سمجھا تھا، لیکن پھر بھی ولید کو اس کا انداز صفائی دینے والا لگا تھا۔

''وہ تم نہ بھی بتاؤ پھر بھی مجھے خبر ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

نشرہ جز بز ہو گئی تھی، کافی دیر دونوں کے درمیان معنی خیز سی خاموشی طاری رہی تھی جسے ولید نے توڑا۔

''نشرہ!'' وہ ملائمت سے قریب آتے ہوئے بولا، وہ جو اپنے دھیان میں تھی، اس کی اتنی قریب آواز کو سن کر سہم گئی۔

''اتنا ڈرتی کیوں ہو؟'' اس کا لہجہ اور بھی ملائم ہو گیا تھا۔

''نہیں تو۔'' وہ گھبرا گئی، اس کی گھبراہٹ پہ ولید گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا تھا، جیسے کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔

''اتنا مت ڈرا کرو۔'' اس کی ملائمت کچھ اور بڑھ گئی تھی، نشرہ کا سر جھک گیا، جانے کون سا

احساس تھا، اس کی پلکوں پہ بوجھ لد گیا تھا، اسی احساس کے بوجھ تلے اس کا جھکا سر اٹھ نہیں سکا۔

''میں چلتی ہوں۔'' وہ گھبراہٹ میں آگے بڑھ گئی تھی، ولید اسے دیکھتا رہا، نشرہ نے غیر ارادتاً پیچھے مڑ کر دیکھا تھا ولید اسی کو دیکھ رہا تھا، اس کی سوچتی نگاہوں میں ایک نرم سا تاثر تھا، وہ سمجھ نہیں سکی۔

''ممی سے بات کرنی ہے تو کسی بھی ٹائم اسٹڈی روم میں آ جانا، وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' ولید نے کہا بھی تو اتنا، وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''اور سنو۔'' ولید کی آواز پھر سے ابھر آئی تھی، نشرہ کے قدم رک گئے تھے، اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''کسی کو بتانا مت۔'' اس کے انداز میں واضح تنبیہ تھی۔

''کیا؟'' نشرہ کو سمجھ نہیں آئی، وہ ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی تھی جیسے بات سمجھنا چاہتی ہو۔

''یہی کہ......'' ولید کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا، پھر جیسے بات بدل گیا۔

''اب جاؤ تم۔'' اس نے نگاہیں موڑ کر لیپ ٹاپ کی طرف توجہ کر لی تھی، نشرہ اس کے عجیب انداز پہ حیران ہو گئی تھی، وہ لمحوں میں اپنائیت کے پل سمیٹتا اجنبی سا ہو گیا تھا، یوں کہ نشرہ کی پلکوں کا بوجھ دل پہ آ گرا۔

☆☆☆

وہ بارہ دری کی سیڑھیاں اتر کر تیزی سے لان کی طرف آ رہا تھا، کانوں میں ہینڈ فری لگے تھے، شاید میوزک سنا جا رہا تھا، بھی بی جاناں کی پکار اس کی سماعتوں میں نہیں اتری تھی۔

چونکہ وہ اپنے ہی دھیان میں تھا، سو ان کا اشارہ بھی نہیں دیکھ سکا، بی جاناں اسے بلا رہی تھیں، یہ تو غیر ارادتاً اس کی نگاہ بی جاناں کی طرف اٹھی تب وہ تیزی سے لان کی طرف لکڑی کے منقش کریڈل پاس آ گیا، جس کی گداز گدی پہ بی جاناں بڑے طمطراق سے بیٹھی تھیں، اس نے جھک کر بی جان کو سلام کیا، انہوں نے والہانہ پن سے پوتے کی پیشانی چوم لی تھی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی پوچھ رہی تھیں، چھ فٹ سے نکلتا قد، خوبصورت سراپا، گہری آنکھیں، وہ اصلی نسلی پٹھان تھا، لباس و انداز اور غصے و جذبات، ہر ہر انداز میں پٹھان لگتا، بی جاناں کی آنکھوں میں ستائش بھرتی چلی گئی تھی، انہوں نے دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

''زمینوں پہ۔'' اس نے مختصر بتایا، وہ عموماً مختصر اور دوٹوک بات کیا کرتا تھا۔

''وقت ہے تو کچھ دیر یہاں بیٹھو۔'' انہوں نے محبت سے فرمائش کی تھی، صندیر خان بادل نخواستہ بیٹھ گیا، گو کہ جلدی تو بہت تھی، پھر بھی بی جاناں کا حکم ضروری تھا۔

''آپ کے لئے بہت وقت ہے۔'' صندیر خان نے لگاوٹ سے کہا، جو بھی تھا، اپنی ماں تما اس دادی میں صندیر خان کی جان بند تھی، وہ بھی شاہوار کی نسبت صندیر خان سے زیادہ اٹیچ تھیں، کیونکہ نیل براور شاہوار دونوں کے مزاج بی جان سے ملتے نہیں تھے، وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے، گویا ایک دوسرے کا پرتو، یہ بی جاناں کا ذاتی خیال تھا، حالانکہ یہ خیال اتنا درست

نہیں تھا۔

''قربان جاؤں۔'' وہ نہال ہوگئی تھیں، کیونکہ صندیر خان کسی سے بھی محبت یا لگاوٹ کے حوالے سے بہت کنجوس مشہور تھا، ہنزہ کے خشک پہاڑی سلسلوں کی طرح، جس کی ڈھلوانوں پر سرد لبوں سے ٹھنڈی بوسے دیتی ہوا تھی۔

''ہمیشہ دل ٹھنڈا کرتے ہو خاناں۔'' بی جاناں کا دل بھر آیا، صندیر خان نے ذرا سا جھک کر بی جاناں کا ہاتھ تھاما اور ملائمت سے عقیدت مندانہ بوسہ دیا، یہ ادا بھی بی جاناں کو سرشار کرنے کے لئے کافی تھی۔

''آپ کی امیدوں پر پورا اتر پاؤں، یہی میری خواہش ہے۔'' اس کو تھوڑا سا مسکرانا پڑا تھا۔

''جیتے رہو۔'' بی جاناں نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

''کوئی حکم ہو تو؟'' اب وہ کام کی نوعیت پوچھ کر اٹھنے کے لئے پر تولنا چاہ رہا تھا، کیونکہ زمینوں پہ پھل خرید نے نئے بیوپاری آرہے تھے۔

''ہاں...... کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' معاً بی جاناں کو صندیر خان کو بلانے کا سبب یاد آیا تھا، انہوں نے کاجو کی ڈش اٹھا کر لاتی حمت کو اشارے سے وہیں روکا تھا، وہ ڈش بید کی تپائی پر رکھ کر الٹے قدموں پلٹ گئی تھی، صندیر خان نے کچھ چونک کر حمت کی پشت کو دیکھا تھا پھر سر جھٹک کر بی جاناں کی طرف متوجہ ہو گیا، وہ بھی حمت کو جاتا دیکھ رہی تھیں، صندیر خان کو دیکھتا پا کر ذرا سا چونک گئیں۔

''حمت کے بارے میں؟'' وہ ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا تھا، تھا نا بلا کا نظر شناس، بڑی زیرک نگاہ رکھتا تھا، آنکھوں کے رنگوں سے گفتگو کے مفہوم بغیر کہے سمجھ لیتا۔

''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا سا بھرا، گویا حمت کا نام لینا گوارا نہیں کیا تھا، بی جاناں کی کیٹگری میں وہ ایسی حیثیت رکھتی تھی، صندیر خان جانتا تھا۔

''بولیے۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔

''یہ ان دنوں بہت گھر سے نکل رہی ہے، عموماً جمعرات کے روز۔'' بی جاناں نے اپنے اندر ابلتی بے چینی کو اگل دیا تھا، وہ بہت دنوں سے حمت کی روٹین کو سرچ کر رہی تھیں، انہیں شک تھا معاملہ گمبھیر نہ ہو، صندیر خان نے بی جاناں کی بات کو اطمینان سے سنا تھا۔

''نیاز کے لئے جاتی ہے۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح مختصر جواب دے کر بی جاناں کے شک کو دور کرنا چاہا۔

''کیا خبر نیاز کی آڑ میں کوئی نئی خبر ہو۔'' ان کے انداز میں فطرتی شک کی بو رچی ہوئی تھی، حمت پہ کبھی بھی انہیں اعتبار نہیں رہا تھا، صندیر خان نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''کم از کم میرے ہوتے ہوئے تو کسی کی جرأت نہیں۔'' اس کا انداز اٹل اور تسلی بخش قسم کا تھا، جیسے اس کے ہوتے ہوئے کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔

''اور نیل بر؟'' ان کے لہجے میں ناگواری بھری تھی، گیس بھرے غبارے کی طرح، جیسے نیل بر کی بے جا آزادی اور آوارہ گردی ان کی طبع پر گراں گزرتی تھی، ان کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے

کہہ رہی ہوں۔

"تمہارے ہوتے ہوئے نیل بر تو پر مار سکتی ہے؟" ان کی آنکھوں سے مترشح سوال پڑھنے مشکل نہیں تھے، صندیر خان سمجھ گیا، بی جاناں کا طنز سمجھ گیا تھا۔

"اس کی بات اور ہے۔" یہ کمزور پہلو تھا سو جز بز ہو کر رہ گیا۔

"کیوں اور ہے؟ بنو خاندان کی عزت کو بٹہ لگا رہی ہے، شتر بے مہار پھرتی ہے کبھی گھوڑوں پہ کبھی موٹروں پہ، لباس بھی فرنگیوں کا۔" ان کو نیل بر کے متعلق بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"وہ فرنگیوں کے دیس کی باسی رہی ہے۔" اس کا انداز جتلانے والا تھا۔

"اسے ہم بدل نہیں سکتے۔"

"روک تو سکتے ہیں؟" بی جاناں نے خفگی سے کہا۔

"روکنا بھی ممکن نہیں، وہ بابا کی منہ چڑھی ہے۔" صندیر خان نے لب بھینچ کر غصہ ضبط کرتے ہوئے سردار کبیر بنو کا حوالہ دیا تھا۔

"یہی تو اصل سیاپا ہے۔" بی جاناں خالصتاً پشتو میں بولیں، جیسے مقام بے بسی پہ تاؤ سا آیا تھا، صندیر خان بھی نظر چرا گیا تھا، نیل بر کی بے لگامی صندیر خان کی نگاہ کا کانٹا ضرور تھی تاہم وہ اس کانٹے کو آنکھ سے نکالنے پہ قادر نہیں تھا۔

معاً وہ سر جھٹک کر اٹھنے لگا، وہ نیل بر پہ مزید بات کرنا نہیں چاہتا تھا، اس وقت بیال کے راستوں پہ سائے لمبے ہو رہے تھے، دن کا اجالا سمٹ رہا تھا، چنار کے درختوں پہ دور بہت دور ابابیلیں اڑ رہی تھیں اور اس کے نیچے بہت دور ڈھلوان میں وادی بیال کا پیالہ نما میدان تھا، ہری کارپٹڈ گھاس سے مزین، گالف کورٹ، شاہوار بنو کا بنایا ہوا اور اس وقت گالف کورٹ میں بہت رش تھا، شاہوار بنو جب بھی یہاں آتا میلہ سا لگ جاتا تھا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر شاہوار بنو سے پہلو چھڑوایا، معاً بی جاناں کی آواز نے صندیر خان کو پھر روک لیا تھا، انہوں نے بات ہی ایسی کی تھی کہ صندیر خان کو رکنا پڑا۔

"پری گل آئی نہیں، اتنے دن ہو چلے، وہ ایک رات سے زیادہ بنگلے پہ کبھی نہیں رہی، گل خان نے اسے وہاں ملازمت تو نہیں دلوا دی؟" بی جاناں کے الفاظ نے صندیر خان کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا، اس نے گردن گھما کر بی جاناں کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں کا تاثر بڑا سرد اور گہرا تھا، سفید پیشانی پہ بل سے پڑ گئے تھے، آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔

"ابھی تک نہیں آئی؟ میرے حکم کے باوجود، اور وہ اس کا بڈھا نانا، اور کمینہ ماما، کہیں سودا تو نہیں کر آیا؟ اس کی یہ مجال؟" صندیر خان کے تیور بگڑ گئے تھے، بی جاناں کی بھنویں بھی تن گئیں۔

"پری گل کو رات تک یہاں ہونا چاہیے۔" ان کا لہجہ تحکم بھرا تھا۔

"رات سے پہلے یہاں ہو گی۔" صندیر خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا اور قدموں کی دھمک پیدا کرتا غصے میں جاتا دکھائی دیا، بیال کے راستوں پہ سائے اب بھی لمبے ہو رہے تھے، چنار کے درختوں پہ ابابیلیں بھی اڑ رہی تھیں، وہ ہنزہ کی خشک پہاڑیوں جیسا صندیر خان غیظ بھرے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا، اسے پری گل کے نانا پہ شدید غصہ تھا جس نے زندگی میں پہلی مرتبہ

صندیر خان کے حکم سے سرتابی کی تھی۔

☆☆☆

ہسپتال کے ماحول میں پرانی مخصوص سی باس رچی تھی، وہی ویران، پژمردہ سا بوجھل ماحول، مریضوں کی لمبی قطاریں، ویران اداس اور قحط زدہ سے چہرے، پیلی آنکھیں، بے امید چوکھٹے، خشک صحرائی ہونٹ، بدرنگ حلیے، نرسوں کی بدمزاجی اور مریضوں کی تلخیاں، سست قدموں سے چلتے وارڈ بوائز، معذوروں کی طرح وائپر لگاتے سوئپرز، جیسے لگے بندھے اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے، گویا سر پہ لٹکی تلوار کو ہٹانا مقصود تھا، جیسا تیسا الٹا سیدھا کام کیا، کونوں کھدروں میں گند گھسایا اور اللہ اللہ خیر صلا۔

لیکن یہ لمحاتی کیفیات تھیں، ڈاکٹر ہیام خان کے آنے سے پہلے کی، جیسے ہی ڈاکٹر کی آمد کا ڈنکا بجتا، نرسیں، وارڈ بوائز، سوئپرز اور مریض الرٹ ہو جاتے تھے، کیونکہ نرسیں، سوئپرز، اسٹاف کے اراکین جتنے چاہے ہڈ حرام ہوتے تاہم ڈاکٹر ہیام کے سامنے اپنا امیج برقرار رکھنے کے خواہش مند تھے۔

اس لئے کہ کام اور دام کے معاملے میں ڈاکٹر ہیام سے بڑھ کر کھرا کوئی بھی نہیں تا، سو آج کا دن بھی ڈاکٹر ہیام کی وجہ سے مصروف ترین گزر گیا۔

دن کے اختتام پہ جب ڈیوٹیز آورز بدل رہے تھے، شفٹیں چینج ہو رہی تھیں تب سسٹر بیا اونگھتی ہوئی ہڑبڑا کر ڈاکٹر ہیام کے روم کی طرف بھاگی، گھنٹی کی آواز نے سسٹر بیا کی اونگھ میں دراڑ ڈال دی تھی، اس نے دوسرا سانس ڈاکٹر ہیام کے مقابل جا کر لیا۔

''یا وحشت!'' ہیام اس کے ایک سو اسی میل فی گھنٹہ نہیں فی سیکنڈ کی رفتار ملاحظہ کر کے مصنوعی گڑبڑاہٹ کا شکار ہوا تھا، بیا بھی ڈاکٹر ہیام کے لطیف طنز پہ بمشکل سنبھل کر مسکرائی۔

''میراتھن ریس سے واپس آ رہی ہو؟'' ہیام نے چونک کر ہمدردی سے دریافت کیا تھا، بیا کا سرخ چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا۔

''نن......نہیں تو سر!'' وہ گڑبڑائی تھی۔

''تم کہہ رہی ہو تو مان لیتا ہوں، ورنہ معاملہ کچھ الگ نہیں تھا۔'' ہیام نے مصنوعی پرسوچ انداز میں کہا تھا، بیا خواہ مخواہ شرمندہ ہوئی تھی۔

''آپ نے شرمندہ کرنے کے لئے یاد فرمایا تھا؟'' بیا کو برجستہ سا جواب بالآخر مل ہی گیا، ہیام ذرا سا مسکرا دیا، جیسے اس برجستگی سے خاصا متاثر ہوا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے پیپر ویٹ گھمایا۔

''تو پھر؟'' وہ ہونق ہوئی۔

''بہت بھلکو ہو بیا تم، میرے ننھے سے کام کا کیا بنا؟'' ہیام نے وقت ضائع کیے بغیر جتلا کر پوچھا تھا، بیا اچانک چونک کر سیدھی ہوئی تھی، اسے غالباً ڈاکٹر کا ننھا سا کام یاد آ گیا تھا۔

''اب لمبی چوڑی جھوٹی سی کہانی مت سنانا۔'' وہ بیزاری سے بولا، کیونکہ پچھلے ایک ہفتے سے بیا کوئی ایک سو چالیس کہانیاں سنا چکی تھی، جانے جھوٹی یا سچی۔

''میں کہے دیتا ہوں، اگلے ایک ہفتے میں میرا کام نہ ہوا تو نتائج کی ذمہ داری تم پہ ہو گی۔''
اس نے دھمکا کر بیا کو جتلایا تو وہ اور بھی ہراساں ہو گئی تھی۔
''آپ کیا کریں گے سر؟'' وہ رو دینے کو ہوئی۔
''تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔'' اس نے پیپر ویٹ سے نشانہ لیا تو بیا کے حلق میں اٹکی سانس اچانک پھسل کر رواں ہو گئی تھی، اسے اطمینان سا ہوا تھا، جیسے وہ جانتی تھی، ہیام ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔

''آپ یقین کریں، میں ہر ممکن کوشش کر رہی ہوں۔'' اس نے ہیام کو یقین دلانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے کہا تھا، ہیام نے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔
''میں کیسے یقین کر لوں؟ آئے دن جھوٹا لارا لگاتی ہو۔'' ہیام بھنا کر بولا۔
''اس دفعہ سچا لارا لگا رہی ہوں، میری نظر ایک جگہ اٹک گئی ہے، جلدی کام بنے گا۔'' بیا نے قدرے پرجوش انداز میں اچانک کچھ یاد آنے پہ بتایا تھا، ہیام نے طنزیہ انداز میں اسے گھورا۔
''تمہاری نگاہ جہاں بھی اٹکے، میرا کام نہ ہوا تو پھر دیکھنا۔'' وہ اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھنے لگا تھا۔
''خالہ جی کا گھر ہے؟ کام کیوں نہیں ہو گا، آپ تھوڑا صبر تو کریں۔'' بیا نے خوشامدانہ انداز میں بلا ٹلنے کی خوشی کو محسوس کرتے ہوئے مسکہ لگایا۔
''خالہ کا گھر ہو یا پھپھو کا، مجھے رہائشی کمرہ چاہیے فل فرنشڈ، پورا مکان یا پورشن نہیں، حد ہے اتنا سا کام نہیں کر سکتی، کیسی لاہورن ہو تم، بھی کوئی بنگلہ دکھاتی ہو بھی فلیٹ، ایک ہزار ایک مرتبہ تو بتا بتا چکا ہوں، میں غریب سا سرکاری ڈاکٹر ہوں سنا تم نے۔'' ہیام نے کوئی چوتھی مرتبہ جتلایا تو بیا کو اثبات میں سر ہلانا پڑا۔
''آپ بے فکر ہو جائیں، چٹکی بجاتے کمرہ ملے گا، ہسپتال کے قریب ہی، تاکہ آپ جام ٹریفک کی بیزاری سے بھی بچ جائیں اور کرائے کی جھنجھٹ سے بھی۔'' بیا اسے ہمیشہ کی طرح امید دلاتی مسکرا رہی تھی، ہیام نے دو تین مرتبہ اسے گھور گھور کر دیکھا اور باہر نکل گیا، بیا نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنی سوچ کی لگامیں کھلی چھوڑ دی تھیں۔
اسے ایک ہفتے سے بھی پہلے پہلے ہیام کے لئے فرنشڈ کمرہ تلاش کرنا تھا، یہ کام مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں، مشکل یوں کہ ہیام کو کوئی کمرہ یا مکان پسند نہیں آتا تھا، اگر پسند آ جاتا تو کرایہ زیادہ لگتا، یوں بات بنتی نہیں تھی، بلکہ بنتے بنتے بگڑ جاتی تھی، پھر بھی ساری سچویشن میں ہیام قصور وار بیا کو ٹھہراتا، جیسے بیا کی غلطی کے باعث وہ ابھی تک ہوٹل میں قیام پہ مجبور لمبے چوڑے بل بھر رہا تھا۔

☆☆☆

فون کی متواتر بجتی گھنٹی نے شانزے کو کئی مرتبہ چونکایا تھا، لیکن وہ کیک کی آئسنگ کرنے میں معروف تھی سو کام چھوڑ کر فون سننے کی غلطی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔
یہ کیک کومے کی فرمائش پہ بن رہا تھا، اس نے پگھلا ہوا چاکلیٹ کیک کی تہہ پہ جما دیا، پھر کٹ کیٹ کے پیس اور انناس کے ٹکڑے کاٹ کر پتلی سی سطح بنائی، چاکلیٹ میں انناس کا فلیور پہلی

مرتبہ شانزے کا ذاتی تجربہ لگتا تھا، جانے ٹیسٹ میں کیسے ہوتا؟ خیر جیسا بھی ہوتا، کوے کو بیٹھا کھانا مقصود تھا، ذائقے پہ سمجھوتہ وہ کر لیتی تھی، ویسے بھی کوے کو بھوک مٹانے کی خواہش ہوتی، میٹھی سی گھانس پھونس بھی ہوتی تو چر لیتی، ہڈحرام وہ بھلا کی تھی، کام کرنا اسے گوارا نہیں تھا، کچن سے جان جاتی تھی، پکا پکایا کچھ بھی مل جاتا، غنیمت تھا۔

بجتی فون کی گھنٹی شانزے کے انہاک میں دراڑ ڈال رہی تھی، اس کا ذہن بار بار بھٹک سا جاتا، جانے دوسری طرف کون عظیم ڈھیٹ انسان تھا؟ شانزے نے غصیلے تاثرات کے ساتھ لاؤنج میں رکھے فون سیٹ کی طرف دیکھا۔

ممی جانے کہاں تھیں، اب مرتا کیا نہ کرتا، فون سننے کے لیے اسے کچن سے نکلنا ہی پڑا، اپنے دونوں ہاتھ صافی سے صاف کرتے ہوئے وہ بری طرح تلملاتی ہوئی فون تک آئی تھی، ادھورا سا کیک کچن کی سلیب پہ رکھا تھا، شانزے نے بھنا کر ریسیو اٹھایا اور پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

''ذرا بھی صبر نہیں، ری ڈائل پہ انگلی جما کر بیٹھ جاتے ہو، اگلا بندہ چاہے سو طرح کی مصروفیات میں پھنسا ہو۔'' اس نے ریسیور پکڑتے ہی مقالہ بازی کا ایسا آغاز کیا کہ دوسری طرف کا ہیلو حلق میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گیا تھا۔

''میرا بے صبرا پن تم نے کہاں دیکھا؟'' وہ جو تان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی، ہوا کے دوش پہ لہراتی آواز کو سن کر لمحوں میں بھونچکی رہ گئی تھی، اس کے اگلے کڑک سے الفاظ منہ میں دبے رہ گئے تھے۔

''تم۔'' اس نے زبان کو دانت تلے دبا لیا۔

''جی میں۔'' وہ بھی جتلا کر بولا تھا۔

''غضب خدا کا، نہ سلام نہ دعا، مجھے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور تم لوگ سارے مینز بھلا گئے۔'' اب وہ شانزے کی کلاس لے رہا تھا، لگتا تھا، پہلے کوے اور ہمان سے مغز ماری کے بعد اس کی کلاس لی جا رہی تھی، گویا وہ پہلے سے تپا ہوا تھا، اب سونے پہ سہاگہ ہو گیا۔

''اچھا سنو تو۔'' شانزے نے معذرت کے بعد مصالحانہ انداز اپنایا۔

''اتنے دن بعد فون کیا ہے وہ بھی لڑنے کے لئے؟'' اس کا شکوہ بجا تھا۔

''تو کیا پھولوں کے ہار پہناؤں؟'' وہ غضب ناک ہوا تھا، شانزے دھک سی ہوئی، امام کا غصہ سمجھ سے بالاتر تھا، اس نے اگر انجان پن میں دو باتیں سنا ہی لی تھیں تو اس بات پہ اتنا ٹمپر لوز بنتا تو نہیں تھا، وہ بھی ایسی سچویشن میں جب شانزے نے معذرت قبل از وقت کر لی تھی، اس کا منہ بھی بن گیا۔

''سوری امام!'' شانزے بے ساختہ بسور کر رہ گئی تھی، امام اس کے سوری پہ اور بھی بھنا گیا تھا۔

''سوری؟ وہاٹ سوری؟'' اس کا سرد انداز شانزے کو لمحوں میں چونکا گیا تھا، امام کا غصہ ابھی کا نہیں تھا، اس کے بنا تصدیق کے باتیں سنانے پر نہیں تھا، غصہ کسی اور بات پہ تھا؟ آخر کس پہ؟

شانزے کو سوچنا نہیں پڑا، اسے اچانک امام کے تلخ لہجے کا پس منظر یاد آ گیا، ساتھ کوے کی غداری بھی، کمینی نے سب بتا دیا تھا، اس نے گردن موڑ کر کچن کی سلیب تک نگاہ ڈالی تھی۔

اب وہ اس چاکلیٹ کیک کو ڈیزرو نہیں کرتی تھی، شانزے نے فیصلہ کن انداز میں سوچا، غداروں کے لئے شانزے کے پاس ایک کینڈی بھی نہیں تھی، یہ تو پھر بہت مزیدار سا چاکلیٹ کیک تھا، اپنے حجم اور سائز میں کینڈی سے چار گنا بڑا۔

''اچھا...... تو تمہیں پتا چل گیا؟'' شانزے نے چونک کر بھولپن کا مظاہرہ کیا تھا، اسے امام کو ٹھنڈا بھی کرنا تھا۔

''جی ہاں، پتا چل گیا، تم نے تو چھپانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' امام نے سابقہ لہجے میں جتلایا۔

''بڑے الرٹ ذرائع ہیں تمہارے، چاکلیٹ کیک بنایا نہیں، تمہیں اطلاع پہنچ بھی گئی۔'' شانزے نے بڑی معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا غصہ کم کرنا چاہا تھا، دوسرے معنوں میں وہ اسے موضوع سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔

''چاکلیٹ کیک کی بات کون کر رہا ہے؟'' طنزیہ انداز ہنوز برقرار تھا۔

''تو پھر؟'' اس نے مصنوعی چونکنے والے انداز میں کہا۔

''شانزے مہروز۔'' امام کے سرد انداز میں کچھ تو تھا جو شانزے مہروز گڑبڑا گئی تھی، یہ اس کا سنجیدگی کی انتہا کو چھوتا ہوا انداز تھا جسے شانزے مہروز سمجھ گئی تھی، ہمیشہ سمجھ جاتی تھی۔

''اب بتا رہی ہو یا میں فون بند کروں؟'' اب کہ لہجے میں مخصوص دھمکی کی مہک رچی تھی، شانزے نے بے ساختہ گہرا سانس کھینچ لیا، ساری بے نیازی غبارے سے گیس کی طرح نکل رہی تھی۔

''امام! وہ چھوٹا سا انسیڈنٹ تھا۔'' اس نے زیر لب منمنا کر کہا۔

''کتنا چھوٹا؟ کیا پیمائش بتا سکتی ہو؟ اسٹریٹ کرائم کا سنا ہے نا، اخبار اور چینلز بھرے پڑے ہیں، ہر روز اک نئی خبر، تمہیں کرائم نیوز کا حصہ بننے کا شوق ہے؟ ضرورت کیا تھی اکیلے باہر نکلنے کی؟ خالہ یا مامی کو لے جاتی۔'' وہ جیسے برس پڑا تھا، شانزے چپکی رہ گئی تھی، حالانکہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ پہلی مرتبہ اکیلی باہر نہیں گئی۔

''اور پھر مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' اس کا غصہ کم ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''امام! غصہ مت کرو، بات بڑی نہیں تھی اسی لئے نہیں بتایا، میرا کوئی نقصان نہیں ہوا، موبائل تک بچ گیا۔'' شانزے نے دبی دبی آواز میں بتایا، جو بھی تھا امام کا غصہ اور تفکر بجا تھا، شانزے کا سیروں خون بڑھ گیا، آخر اسے شانزے کی پرواہ تو تھی، اس کی خوشی کے لئے یہی احساس کافی تھا۔

''اگر کچھ ہو جاتا؟ اوہ مائی گاڈ۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''ہوا تو نہیں نا۔'' وہ ملائمت سے بولی۔

''وہ تھا کون؟'' امام کا اگلا سوال خاصا گڑبڑانے والا تھا، شانزے کو اچانک آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی کا خیال آیا، جو ابھی تک اس کے پاس محفوظ پڑی تھی، اس کا دل لمحہ بھر کے لئے کانپ سا

گیا، امام کو بتائے یا نہ بتائے، وہ سوچ میں پڑ گئی تھی، امام کے غصے اور تفتیش کے پیش نظر اس نے صاف چھپا لینا مناسب سمجھا تھا، ورنہ آئی ڈی کارڈ پہ لکھے ایڈریس کی وجہ سے امام کا اس کمینے تک پہنچنا آسان تھا، وہ بات بڑھ جانے کے خوف سے خاموش ہو گئی تھی، ویسے بھی زندگی میں اس نے کب دوبارہ اس ذلیل ڈکیت سے ٹکرانا تھا، سو بات دبا لی جاتی تو بہتر تھا۔

''مجھے کیا پتہ؟ اپنا اتا پتا بتا کر نہیں گیا۔'' شانزے نے حتی المقدور لہجے کو سرسری بنا لیا۔

''میں دیکھ لوں گا۔'' وہ سابقہ غصیلے لہجے میں بولا۔

''آؤ گے تو دیکھو گے نا۔'' لگے ہاتھوں شانزے نے شکوہ بھی کر ڈالا تھا، دل میں اداسی گھر کر رہی تھی، گو کہ اتنے دن نہیں ہوئے تھے پھر بھی یوں لگتا تھا کئی ہفتے اور مہینے گزر گئے۔

''آں...... ہاں۔'' وہ اس کی اداسی پہ چونکا تھا۔

''میں جلدی آ رہا ہوں۔'' انداز تسلی دینے والا تھا۔

''انتظار رہے گا۔'' شانزے کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بھیگ رہی تھی، امام نے جانے محسوس کیا یا نہیں؟ آج کل برفیلے علاقوں میں تھا، احساسات کو کیسے سمجھ پاتا۔

''جلدی آنا، کومے اداس ہے۔'' وہ اپنی اداسی چھپا گئی تھی، خود کو عیاں کرنا آسان کہاں تھا؟ پھر امام کے سامنے اس کی ساری بہادری اور اعتماد دھوا ہو جاتا تھا۔

''اور میں بھی۔'' اس کی آواز میں کومے کے لئے محبت ہی محبت بھر گئی تھی، شانزے نے شدت سے محسوس کی۔

''اپنا خیال رکھنا اور کومے کا بھی، کوئی بھی مسئلہ ہو، فوراً بتایا کرو، میں پاکستان کے اندر ہوں باہر نہیں۔'' امام نے ملائمت سے سمجھایا اور فون بند کر دیا، شانزے بے دم سی ہو کر وہیں صوفے پہ ڈھے گئی تھی، وجود پہ تھکاوٹ اتر آئی تھی، ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

پس منظر میں کچن کا ڈور کھلا تھا، سامنے ہی سلیب پہ کیک کا سامان بکھرا تھا، ادھوری آئسنگ، ادھورا کیک، جسے ادھورا ہی رہنا تھا، کیونکہ ادھوری چیزوں کو مکمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس کے روم روم میں تھکن رچ رہی تھی، امام جو اتنا قریب تھا کبھی کبھی سالوں کے فاصلے پہ دکھائی دیتا، جس کے نام کی مالا اس کے گلے میں تھی، اسی مالا کے موتی معمولی سانحے میں ٹوٹ کر بکھر گئے تھے، اس نے اپنی سونی گردن کو چھوا تو بے ساختہ وہ خوبصورت، ینگ سا ڈکیت یاد آ گیا، شانزے کی آنکھوں میں تنفر کی لہر سی ابھر آئی تھی، دل میں غصے کی بھاپ سی اٹھی، اس کمینے انسان کی بدشگونی شانزے کو نیک عمل دکھائی نہیں دے رہی تھی، دل میں عجیب سے وسوسے ابھر رہے تھے، ایسے وسوسے جو نہ چاہتے ہوئے بھی سر اٹھا رہے تھے، جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ بن رہے تھے، معاً فون کی گھنٹی نے دوبارہ شانزے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

اس نے چونک کر ریسیور اٹھایا، کیا خبر امام نے دوبارہ کال کی ہو، اس کے انداز میں بے ساختگی تھی، تو گویا اس کے دل کی اداسی نے اتنی دور بیٹھے امام تک دوبارہ رسائی حاصل کر لی تھی، یہ دل کا دل کے ساتھ کنکشن بھی نا، شانزے کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

اس نے بڑی ترنگ میں ''ہیلو'' کہا تھا، دوسری طرف سے آتی اجنبی آواز سن کر شانزے جیسے

لمحوں میں بھونچکی رہ گئی تھی۔
''کون؟'' شانزے نے بمشکل بکھرے حواس مجتمع کر کے دھیمی مگر محتاط آواز میں پوچھا تھا، دوسری طرف گہری خاموشی چھائی رہی، بس سانسوں کا ہلکا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا، جیسے کوئی سنبھل سنبھل کر سانس لے رہا ہو، بہت احتیاط کے ساتھ سوچتے ہوئے، غور کرتے ہوئے یا کچھ محسوس کرتے ہوئے، شانزے الجھ کر رہ گئی، پھر اس نے ریسیور کو گھور کر دیکھا اور ایک مرتبہ پھر احتیاط بولی تھی۔
''کس سے بات کرنی ہے؟'' اس کا دل عجیب خدشات میں لپٹ گیا تھا، جانے دوسری طرف کون تھا؟ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہونے لگی تھی، جانے کون تھا جو بولنا ہی بھول گیا۔
''تم سے۔'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد سنجیدہ سی گمبھیر آواز نے سارا ڈراونا فسوں توڑ ڈالا تھا، آواز خوبصورت بھاری اور مردانہ تھی تاہم شانزے کے لئے قطعی طور پہ اجنبی، اس نے یہ آواز فون پہ پہلے کبھی نہیں سنی تھی، یہ کون تھا اتنا بے تکلف؟ شانزے کی پیشانی پہ سلوٹ ابھر آئی تھی، شاید کوئی رانگ کالر تھا؟
''وجہ؟'' شانزے کے تیور بگڑ گئے تھے، اسے رانگ کالر سے نپٹنا آتا تھا، دوسری طرف سے گہرا سانس کھینچا گیا۔
''وجہ بھی بتاتا ہوں۔'' بہت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر کہا گیا تھا، شانزے کی تیوری کچھ اور چڑھ گئی تھی۔
''میرے پاس فضول بکواس سننے کا وقت نہیں۔'' وہ تڑخ کر بولی۔
''بہتر یہی ہے کوئی اور نمبر ٹرائی کرو۔''
''میری بات فضول نہیں۔'' سنجیدگی سے بے ساختہ شانزے کو ٹوک کر کہا گیا، وہ لمحہ بھر کے لئے رک سی گئی تھی، نجانے کون تھا؟ اور کیا خبر کوئی ضروری بات کرنا چاہتا تھا؟ وہ سوچ میں گم ہوئی، فون بند کرے یا نہیں؟
''فون بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں بار بار ٹرائی کروں گا، جب تک میری بات نہ سنی گئی۔'' اس کا تذبذب دوسری طرف بھی پہنچ گیا تھا، شانزے کی تیوری کے بل کچھ کھلے تھے، وہ تھوڑی ڈھیلی پڑی تھی تاہم ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔
''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' اس کا انداز کٹیلا نہیں بہر حال سرد ضرور تھا۔
''اچھا سوال کیا ہے۔'' دوسری طرف انداز سراہنے والا تھا۔
''تو بولو۔'' شانزے نے بمشکل بکو کہنے سے گریز برتا، ورنہ دل تو چاہ رہا تھا، کھری کھری سنا کر فون بند کر دے۔
''میری امانت ہے تمہارے پاس، واپسی کا مطالبہ کرتا ہوں۔'' اب کہ انداز میں معنی خیزیت بہت واضح تھی، شانزے کے جیسے سر پہ لگی۔
''کیسی امانت؟ کیا بکواس ہے یہ۔'' وہ چیخ پڑی تھی، کون پاگل تھا یہ، اس نے خواہ مخواہ بات

طویل کی، اب سخت پچھتاوا ہو رہا تھا۔

''بکواس نہیں، امانت، اب بار بار امانت کی توہین مت کرو۔'' بڑے نخرے سے تنبیہ کی گئی تھی، شانزے کا ماتھا ٹھنک گیا تھا، اسے مزید محتاط ہونا پڑا۔

''امانت کیسی؟'' وہ الجھ گئی تھی اور بات کو سمیٹنا بھی چاہتی تھی۔

''بھول گئیں؟ اتنی آسانی سے۔'' دوسری طرف جیسے سخت دھچکا پہنچا تھا، شانزے ٹھٹک گئی، گفتگو سے کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہو رہا تھا، پھر بھی اس کا دل کہہ رہا تھا، یہ ممکن نہیں؟ اسے فون نمبر کہاں سے ملا؟ شانزے کو کھڑے کھڑے پسینہ آ گیا تھا۔

''کک...... کون ہو تم؟'' اس نے بمشکل کپکپاتی آواز پہ قابو پا کر اعتماد سے کہا۔

''بھولنے والا تو نہیں تھا پھر بھی خیر، میں وہی۔'' ایسا ادھورا تعارف کروایا جا رہا تھا جیسے ''میں وہی'' سے شانزے لمحوں میں پہچان جاتی، گویا برسوں کی رفاقت درمیان میں رہ چکی تھی۔

''وہی کون؟'' شانزے نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''جس کے آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی تمہارے پاس ہے۔'' اس نے جیسے شانزے کے سر پہ دھماکہ کیا تھا، شانزے کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی، اسے پہلی مرتبہ بڑے زور کا چکر آیا تھا، وہ فون تک پہنچ گیا؟ شانزے کی جان پہ بن آئی تھی، اس نے بڑی ہمت کے ساتھ ریسیور پہ گرفت کو مضبوط کیا تھا۔

''تت...... تم۔'' وہ ہڑبڑا گئی۔

(باقی اگلے ماہ)

''اعتذار''

اُم مریم کا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' حنا میں سلسلے وار شائع ہوا جو کہ فروری 2015ء میں اختتام پذیر ہوا، اس ناول کی ستیسویں قسط دسمبر 2014ء میں شائع ہوئی اس میں مصنفہ نے سہواً قرآن شریف کی ایک آیت کا ترجمہ لکھتے وقت ترتیب آگے پیچھے کر دی جس کی وجہ سے اس کا مفہوم بدل گیا، اصل ترجمہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قرآن کے پانچویں پارہ کی سورۃ النساء میں آیات نمبر 34 میں یوں آیا ہے۔

ترجمہ:۔ اور جب عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو، انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کر سزا دو، پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔

جو غلطی مصنفہ سے لکھتے وقت اور ہم سے شائع کرتے ہوئی اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کے طلبگار ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی راہنمائی فرمائے آمین۔

سباس گل
WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''ہزار بار کہا ہے اس لڑکی سے کہ دروازہ بند کر دیا کرمگر مجال ہے جو اس کے کان پہ جوں رینگ جائے۔'' ذکیہ بیگم نے گھر کے بیرونی دروازے پر پڑا گہرے نیلے رنگ کا پردہ ہٹا کر اپنے پانچ مرلے کے دو منزلہ گھر کے اینٹوں والے صحن میں قدم رکھتے ہوئے با آواز بلند کہا۔

''کان پہ جوں رینگ کے کیا کرے گی اماں، پورے کا پورا سر تو دے رکھا ہے اسے مٹر گشت کرنے اور قیام و طعام کے لئے۔'' ربیعہ نے باورچی خانے سے باہر نکلتے ہوئے ان کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہاتھوں میں پکڑے کپڑوں کے شاپر صحن میں بچھے پلنگ پہ رکھتے ہوئے بولیں۔

''باتیں ہی بنائی ہیں یا پہلی افطاری کے لئے بھی کچھ بنایا ہے؟''

''گھر میں تھا کیا جو بناتی؟'' ربیعہ نے فوراً جتلایا۔

''کلثوم خالہ کے گھر گاؤں سے تازہ بھنڈیاں آئی تھیں وہی دے گئیں تھیں ابھی دم لگایا ہے بھنڈیوں کو اور ماسی رحمتے کا بھائی گاؤں سے کھجوروں کی پیٹی دے گیا ہے آج خالہ نے تبرک کے طور پر ایک پلیٹ بھر کے کھجوریں ہمیں بھی بھجوائی ہیں لیموں رکھے تھے اسکنجبین بنالی ہے کافی ہے نا ہم دونوں کے لئے یہ مینو؟'' ربیعہ نے تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ استفسار کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے، اچھا کھجوریں بچا کے رکھیو کہیں ایک دن میں سب چٹ کر جائے۔''

''ہاں آں یہاں تو جیسے اشیائے خورد و نوش کی فراوانی ہے ناں، راشن سے گودام بھرے پڑے ہیں، گھر میں جو میں سب چٹ کر جاتی ہوں۔'' ربیعہ کو تاؤ آ گیا ذکیہ بیگم کی بات سن کر تپ کر بولی۔

مکمل ناول

''ناشکری کی باتیں مت کیا کر، شکر کا کلمہ پڑھا کر۔'' ذکیہ بیگم نے اسے کڑے تیوروں سے گھور کر کہا۔

''اماں! میں تو شکر ہی ادا کرتی ہوں مگر تم جو نصیحتیں کرنے لگتی ہو نا بات بے بات یہ مجھ سے ہضم نہیں ہوتیں۔'' ربیعہ نے منہ پھلا کر کہا تو وہ تندی سے بولیں۔

''اچھا بس، بہت بک بک کر لی یہ کپڑے رکھ لے جا کر۔''

''پھر لے آئیں سلائی کے کپڑے۔'' ربیعہ نے شاپر کھول کر دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''کیوں اپنی صحت برباد کرنے پہ تلی ہو اماں بس کر دو یہ کپڑے سینا۔''

''جب تک دم ہے ہمت ہے تب تک کام کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں جب ہمت صحت جواب دے جائے اور تم بستر سے لگ جاؤ بیمار ہو کر تو جو چار پیسے تم نے سلائی کر کے کمائے ہیں، جمع کیے ہیں وہی اپنی بیماری کے علاج پر خرچ کر لینا وہ بھی کم پڑ جائیں گے خدانخواستہ۔'' ربیعہ نے غصیلے لہجے میں کہا غصے میں اس کی شہابی رنگت مزید سرخ ہو گئی تھی اور نرگسی آنکھوں میں ناراضگی چھلک رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہو جاتا عید کے کپڑوں کی وجہ سے کام زیادہ ہے کچھ رقم ہاتھ آ جائے گی تو کام آئے گی۔'' ذکیہ بیگم نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

''اماں! خدا کا واسطہ ہے خود سے اتنی دشمنی مت کرو، رمضان میں روزے بھی رکھو گی اور اتنی مشقت بھی کرو گی میری نوکری لگ گئی ہے ہو جائے گا ہمارا گزارا۔''

''تو اسکول میں استانی لگی ہے کوئی وزیر اعظم نہیں لگی کہ ہن برسنے لگے گا۔'' ذکیہ بیگم نے اسے لتاڑا وہ بھی فٹ سے بولی۔

''ہن نہ سہی اماں مگر اتنا تو مل ہی جایا کرے گا کہ ہم آسانی سے گزر اوقات کر سکیں ویسے بھی ہم دو تو فرد ہیں گھر میں کتنا کھا لیں گے۔''

''تیرے جہیز کے لئے بھی تو کچھ بنانا ہے تجھے بیاہنا بھی تو ہے شادی دو کپڑوں میں تو ہونے سے رہی اور میں بیاہنے سے رہی۔'' ذکیہ بیگم نے آنکھیں موند کر کہا۔

''میری شادی کی فکر چھوڑ دو اماں، میں نہیں کرنے کی شادی، تجھے چھوڑ کے کہیں نہیں جانے والی ہاں۔''

''تو کیا ساری زندگی میرے سینے پہ مونگ دلنے کا ارادہ ہے؟'' ذکیہ بیگم نے آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

''نہیں تمہیں کوئی اور دال پسند ہو تو وہ دلنے کے لئے تیار ہوں مونگ نہیں رکھوں گی۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔''

''اگر اتنا ہی شوق ہے نا میری شادی کرنے کا تو کوئی گھر داماد ڈھونڈ لو۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔

''گھر داماد کیوں ملنے لگا مجھے؟'' ذکیہ بیگم اس کی باتیں سن کر غصے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''مجھ غریب کے گھر میں کسی کو گھر داماد بن کر کیا ملے گا؟''

''کماؤ بیوی ملے گی اور کیا ملے گا، آج کل کے مردوں کو اگر پیسہ کما کے لانے والی بیوی مل جائے تو اور کیا چاہیے انہیں ان کی آدھی ذمہ داری تو خود بخود کم ہو جاتی ہے۔'' ربیعہ نے تیزی سے کہا تو وہ کہنے لگیں۔

''بس کر دے اب یہ کپڑے لے جا کر رکھ کمرے میں روزہ کھلنے والا ہے جا کے ہنڈیا کو بھی دیکھ لے میں ذرا وضو کر لوں، آج تو گرمی بھی خوب ہے حلق سوکھ گیا باہر نکلنے سے تو۔''

''ہاں تو کس نے کہا تھا یہ سلائی والے کپڑے لانے کو تمہیں بھی مشین چلائے بنا چین نہیں آتا۔'' ربیعہ نے خفگی سے کہا تو وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''یہ مشین چلاتی رہی ہوں تو یہ گھر چلتا رہا ہے آج تک ورنہ فاقوں کی نوبت آجاتی۔''

''اماں! اوپر والا کمرہ ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے کلی چونا سفیدی کروا کے اسے کرائے پہ اٹھادو اور سلائی کا کام چھوڑ دو بس۔'' ربیعہ نے کپڑوں کا شاپر کمرے میں رکھنے کے بعد باورچی خانے کا رخ کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

''کہا تو ہے سلائی والی بیگم صاحبہ اور انہوں نے یقین بھی دلایا ہے کہ کوئی شریف کرایے دار بھیجیں گی یہاں اب دیکھو کب کوئی آتا ہے، اوپر والا کمرہ کرایے پہ اٹھ جائے گا تو میں بھی سلائی کا کام چھوڑ دوں گی اور تیرے جہیز کی تیاری کروں گی۔'' ذکیہ بیگم نے غسل خانے کے باہر لگے واش بیسن پر منہ دھوتے ہوئے بتایا۔

''ایک تو تمہیں میرے جہیز اور شادی کی فکر کھائے جاتی ہے ہر وقت۔'' ربیعہ نے منہ بسور کر کہا۔

''ماں ہوں میں تیری مجھے تیری شادی کی فکر نہیں ہوگی تو کیا محلے والوں کو ہوگی؟؟''

''اچھا میری ماں، کریں میری شادی کی فکر۔'' ربیعہ نے کہہ کر ٹرے میں افطاری کے لوازمات رکھنے لگی جو دو کھجوروں اور ایک جگ سکنجبین پر مشتمل تھے، بھنڈی پک چکی تھی نماز مغرب کے بعد اس کا پھلکے ڈالنے کا ارادہ تھا، مغرب کی اذان شروع ہو گئی تھی، وہ ٹرے لے کر باورچی خانے سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

ذکیہ بیگم اور نصیر اللہ کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، نصیر اللہ کو ذکیہ بیگم خاندان کی ایک شادی کی تقریب میں اتفاقاً دکھائی دے گئی تھیں، گوری چٹی خوبصورت نین نقش کی مالک شوخ چنچل اور خوش مزاج ذکیہ بیگم آن کی آن میں نصیر اللہ کے دل میں سما گئی تھیں، بس پھر کیا تھا انہوں نے اپنی بہن سے ان کے بارے میں پتا کرانے کا کہا تو اگلے دن ہی معلوم ہوا کہ وہ اپنی جس کزن کی شادی میں آئے ہوئے ہیں ذکیہ اس کزن کی بھتیجی تھی، ذکیہ حسین و جمیل تھی لہٰذا نصیر اللہ اور ان کی بہن لبنیٰ اور ماں صغراں بی بی کو بھی دیکھتے ہی پسند آ گئی تھی اور نصیر اللہ خود بھی دلکش شخصیت کے مالک تھے اونچا لمبا قد تھا، براؤن آنکھیں، گندمی رنگت، ستواں ناک، مردانہ وجاہت بھی تھی اور سرکاری نوکری بھی تھی، ذکیہ بیگم کے والد ریاض امجد اور والدہ سکینہ بیگم کے پاس نصیر اللہ کی فیملی رشتہ لے کر پہنچ گئی، ریاض امجد نے فوراً انکار کر دیا کیونکہ وہ قریبی رشتے داروں میں اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتے تھے، ذکیہ سے دو سال بڑی صفیہ تھیں، بھائی ایک ہی تھا رحمان علی اور وہ دونوں بہنوں سے بڑا تھا اس کی شادی اس کی خالہ زاد صائمہ کے ساتھ ہو چکی تھی اور اس کا ایک بیٹا بھی تھا عدنان دو سال کا۔

سکینہ بیگم اور ذکیہ کو نصیر اللہ کا رشتہ پسند آیا تھا لہٰذا وہ دونوں اس رشتے کے حق میں بول پڑیں، ادھر نصیر اللہ کے گھر والوں نے ریاض امجد کی دہلیز پکڑ لی، ریاض امجد نے نا چاہتے ہوئے اس رشتے کے لئے ہاں کر دی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ شادی کے بعد ذکیہ بیگم کا ان سے ان کے گھر

سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہوگا، سکینہ بیگم اور ذکیہ بیگم کا خیال تھا کہ ریاض امجد کا غصہ وقتی ہے شادی کے بعد خود ہی ختم ہو جائے گا مگر یہ ان کی بھول تھی انہوں نے شادی کے بعد ذکیہ بیگم اور نصیر اللہ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھا انہیں غصہ اس بات کا تھا کہ ذکیہ نے لڑکی ہو کر اس رشتے کے لئے اپنی پسندیدگی اور رضا مندی ان کے انکار کے باوجود دی تھی اور نصیر اللہ سے پسندیدگی کا اظہار برملا کر دیا تھا، ماں کے سامنے لہٰذا انہیں بیٹی کی اس درجہ بے باکی نے بیٹی سے بدظن اور متنفر کر دیا تھا، ذکیہ بیگم کو دکھ تو بہت تھا باپ کی ناراضگی کا مگر وہ محبت کرنے والے خوبرو شوہر کو پا کر بھی بہت خوش تھیں، صفیہ بیگم کی شادی بھی ذکیہ کے ساتھ ہی ہوئی تھی اپنے چچا زاد الیاس کے ساتھ وہ البتہ ذکیہ سے ملتی رہتی تھی، مگر میکے کا اور کوئی فرد ان سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کر پایا اس ڈر سے کہ کہیں ریاض امجد اس سے بھی ناراض نہ ہو جائیں اور اسے بھی گھر سے نکل جانے کا حکم نہ دے دیں، ذکیہ کو میکہ اس طرح سے چھوٹنے کا دکھ ضرور تھا لیکن وہ شوہر اور سسرال والوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتی تھیں ان کی ساس ضرور انہیں طعنے دیا کرتی تھیں کے باپ نے ذرا سی بات پہ بیٹی سے تعلق ختم کر لیا، انہیں انکار کیا تھا پہلے پھر بیٹی نے ان کے بیٹے کو اپنی اداؤں میں پھنسا لیا تھا جبھی اس کے لئے باپ کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی پھر تو غیرت مند باپ کو ایسا ہی کرنا تھانا۔

ذکیہ بیگم کا پاؤں بھاری ہوا تو وہ یہ خوشی بھی اپنے سسرال کے علاوہ میکے میں کسی سے شیئر نہ کر سکیں، ادھر نصیر اللہ کا تبادلہ حیدر آباد ہو گیا یوں کراچی سے حیدر آباد شفٹ ہونے کے دوران اور میکے سے دور ہونے کے صدمے کی وجہ سے گھر کی سیٹنگ میں مگن ہو کر ذکیہ بیگم بیمار پڑ گئیں، یہ صدمہ الگ ان کے لئے اور نصیر اللہ کے لئے بہت دنوں تک دکھ کا باعث بنا رہا، ذکیہ بیگم کی ساس نے الگ انہیں دس باتیں سنائیں میکے والوں کو برا بھلا کہا ایسے میں نصیر اللہ نے ہی ذکیہ بیگم کو اپنی محبت اور ساتھ کا احساس دلایا اور اس تکلیف دہ وقت سے نبٹنے کا حوصلہ دیا۔

وقت گزرتا رہا، صفیہ اپنے شوہر کے ساتھ دوبئی چلی گئیں اور دو بہنوں کے بیچ جو خط و کتابت یا ٹیلی فون پر کبھی کبھار رابطہ ہو جایا کرتا تھا وہ بھی نہ رہا، شادی کے تین سال بعد ذکیہ بیگم دوبارہ امید سے ہوئیں اللہ نے انہیں چاند سی بیٹی سے نوازا تھا اور انہیں اور نصیر اللہ کو یوں لگا تھا جیسے ان کی کائنات مکمل ہو گئی ہے، انہوں نے بیٹی کا نام "ربیعہ" رکھا، ربیعہ کے بعد ذکیہ بیگم کی گود میں کوئی پھول نہ کھلا اور وہ میاں بیوی ربیعہ کو دیکھ دیکھ کر ہی جینے لگے، وقت گزرتا رہا، ربیعہ اسکول سے کالج میں پہنچ گئی، سرخ سفید رنگت والی نرگسی آنکھیں، سرخ عنابی ہونٹوں پر کھلتی مسکان اور مناسب قد کاٹھ اور بھرا بھرا جسم، گھنے سلکی بالوں کی آبشاریں وہ شاعر کے تخیل سے زیادہ حسین تھی، شوخ چنچل بھی تھی ذہین بھی تھی، میٹرک میں بورڈ میں ٹاپ کیا تھا اور وظیفہ حاصل کیا تھا، ایف اے میں بھی بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی، ماں باپ کو اس کی ذہانت قابلیت اور کامیابی پر فخر تھا، دن اچھے گزر رہے تھے۔

نصیر اللہ کو باپ کے مکان میں، دکان میں سے حصہ ملا تو انہوں نے پانچ مرلے کا گھر بنا لیا ڈبل اسٹوری گھر تھا رہنے کو اپنا ذاتی ٹھکانہ ملنے پر وہ دونوں ہی اللہ کے حضور شکر بجا لاتے تھے، ربیعہ تھرڈ ائیر میں پڑھ رہی تھی جب اچانک نصیر اللہ کی طبیعت خراب ہو گئی اور ایسی خراب ہوئی کہ

سدھرنے کا نام ہی نہ لیا، ٹیسٹ ہوئے تو پتا چلا کہ انہیں ہیپاٹائٹس سی ہے اور وہ بھی آخری دموں پر، یہ انکشاف تو ذکیہ بیگم اور ربیعہ کے لئے قیامت سے کم نہ تھا، صرف تین ماہ کے اندر اندر نصیر اللہ، اللہ کو پیارے ہو گئے، ذکیہ بیگم تو جیسے چلتی دھوپ تلے آن کھڑی ہوئی تھیں، پہلے ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان کی شفقت سے محروم ہو گئیں اور اب شوہر نام کی جو چھت ان کے سر پر تھی وہ بھی چھن گئی تھی، ربیعہ نہ ہوتی تو وہ خود کو پھر سے زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے تیار نہ کر پاتیں۔

سسرال والوں نے تو پلٹ کر خبر تک نہ لی، مکان چونکہ ذکیہ بیگم کے نام کر دیا تھا نصیر اللہ نے لہٰذا سسرال والوں کو ان سے کچھ ملنے کی امید بھی نہیں تھی، نصیر اللہ کی بہن لبنیٰ نے البتہ سوچا ہوا تھا کہ اس کے بیٹے کی پڑھائی مکمل ہو جائے تو کری لگ جائے تو وہ ربیعہ کا رشتہ اپنے بیٹے رمیز کے لئے مانگ لے گی اس طرح وہ ربیعہ کے ذریعے اس کا مکان بھی اپنی مٹھی میں کر لے گی۔

ذکیہ بیگم کو بھی بیوگی کی دھوپ نے جھلسے ہوئے رشتوں کی تپش کا احساس دلا دیا تھا، وہ سلائی کا کام کر کے گھر چلانے لگیں، نصیر اللہ کی پینشن بھی کسی حد تک مددگار ثابت ہو رہی تھی اخراجات پورے کرنے میں، اسی طرح مشقت کی چکی میں پستے ہوئے تین برس گزر گئے تھے، ربیعہ نے ایم اے بی ایڈ کر لیا تھا اور ابھی دو ماہ پہلے ہی اسے سرکاری اسکول میں نوکری بھی مل گئی تھی، تنخواہ اچھی تھی لہٰذا وہ بہت خوش اور مطمئن تھی اور چاہتی تھی کہ ذکیہ بیگم سلائی کا کام کرنا چھوڑ دیں جبکہ ذکیہ بیگم کو اس کی شادی کی فکر ستا رہی تھی اور وہ اس کی شادی کے لئے جہیز جمع کرنے کے لئے آمدنی کا ذریعہ بڑھانے کا سوچ رہی تھیں، اسی خیال کے تحت انہوں نے گھر کا اوپر والا حصہ کرایے پہ دینے کا سوچا تھا، اوپر دو کمرے تھے، غسل خانہ تھا، صحن تھا اور اوپر کا حصہ یوں بھی ان کے استعمال میں نہیں تھا تو اسے استعمال میں لا کر فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

دروازے پر اچانک بہت زور سے دستک ہوئی تھی کے گملوں کو پانی دیتی ربیعہ اچھل گئی تھی، ذکیہ بیگم برآمدے میں سلائی مشین رکھے کپڑے سی رہی تھیں۔

''یہ صبح صبح کون آ گیا؟'' ربیعہ نے پانی کا پائپ ایک طرف رکھا اس دوران دروازہ دوسری بار دھڑا دھڑ بجایا گیا تھا، وہ دوپٹہ شانوں پہ پھیلاتی ہوئی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے ایک اجنبی شخص نیلی جینز کی پینٹ اور نیلی ہی جینز کی شرٹ میں ملبوس اپنے ہیر کٹ کے ساتھ کھڑا تھا، ربیعہ اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھی۔

''ہاں جی کیا مسئلہ ہے، شہر کے آوارہ کتے آپ کے پیچھے پڑ گئے ہیں یا پولیس پیچھے لگی ہوئی ہے جو یوں دروازہ پیٹے جا رہے ہو توڑنا ہے کیا؟''

سامنے کھڑا شخص اس کو اس نان اسٹاپ حملے سے شپٹا گیا اسے توقع نہیں تھی کہ اس قدر شدید بمباری کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے وہ تو اپنی دھن میں دروازہ بجائے گیا تھا۔

''معاف کیجئے گا مجھے دھیان نہیں رہا۔''

''کس بات کا؟'' ربیعہ نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

''میں سمجھا آپ لوگ سو رہے ہوں گے۔''

''کیوں ایسا کیوں سمجھا آپ نے؟ اور

سوئے ہوؤں کو جگانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ چلے تھے ہمارے گھر کا دروازہ توڑنے، خیر ہو کون تم؟ اپنے آنے اور دروازہ بجانے کا سبب بیان کرو۔'' ربیعہ تیزی سے بولتی ہوئی اسے سچ مچ بوکھلائے دے رہی تھی حالانکہ وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھا، پُراعتماد اور سمجھدار تھا مگر اس لڑکی کے سامنے اس کی بولتی بند ہوگئی تھی شاید اس لئے کہ وہ ایسے ردعمل کا تصور بھی نہیں کیے ہوئے تھا۔

''میں ڈاکٹر ارسلان احمد ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''لیکن میں مریض نہیں ہوں اور نہ ہی اس گھر میں کوئی اور مریض ہے۔'' ربیعہ نے فوراً جواب دیا۔

''میں کرایے دار ہوں۔''

''کس کے؟'' ربیعہ نے سوال کیا۔

''یہ نصیر اللہ مرحوم کا گھر ہے نا؟''

''دروازے کے دائیں جانب نیم پلیٹ پر کیا نام لکھا ہے؟'' ربیعہ نے تیزی سے پوچھا تو وہ دائیں جانب نیم پلیٹ پر نگاہ ڈال کر بولا۔

''نصیر اللہ لکھا ہے جی۔''

''تو پہلے پڑھ لیا ہوتا نا۔''

''پڑھ کر ہی دروازہ بجایا تھا۔'' وہ بولا۔

''نصیر اللہ مرحوم کو جگانے کا ارادہ تھا شاید جو دھڑا دھڑ دروازہ بجایا جا رہا تھا۔''

''ربیعہ! کون ہے دروازے پر؟ کس سے بحث کر رہی ہو؟'' ذکیہ بیگم کی آواز آئی تو ارسلان احمد بولا۔

''آنٹی! میں ہوں کرایے دار۔''

''کون سے کرایے دار؟'' ربیعہ نے بھنویں اچکا کر دائیں ہاتھ کے اشارے سے پوچھتے ہوئے کہا۔

''ہم کرایے پہ کمرہ دیں گے تو کرایے دار کہلاؤں گے نا، پہلے سے ہی کرایے دار ہو گئے واہ بھئی۔''

''کون ہے؟'' ذکیہ بیگم اٹھ کر دروازے تک آگئیں۔

''السلام علیکم خالہ جی، میں ڈاکٹر ارسلان ہوں مجھے مسز کرمانی نے بتایا کہ آپ کمرہ کرایے پر دینا چاہتی ہیں تو میں یہاں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ ربیعہ کچھ بولتی اس نے موقع غنیمت جانتے ہوئے فوراً اپنا تعارف کرایا اور جلدی سے اپنے آنے کا سبب بھی بیان کر دیا۔

''اچھا اچھا آؤ بیٹا اندر آجاؤ جیتے رہو۔'' ذکیہ بیگم نے اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے نرمی سے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اسے اندر بلایا، مسز کرمانی سے انہوں نے ہی کہا تھا کہ کوئی شریف کرایے دار چاہیے انہیں، اگر ان کی نظر میں کوئی ہو تو بتائے گا سو انہوں نے ہی ڈاکٹر ارسلان احمد کو ان کے گھر بھیجا تھا۔

''شکریہ خالہ جی۔'' وہ سکون کا سانس لیتا مسکراتا ہوا اندر چلا آیا، ربیعہ نے اسے گھورتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

''آتے ہی رشتہ بھی بنا لیا اماں سے، خالہ جی کا کچھ لگتا۔'' ربیعہ بڑبڑائی مگر وہ سن کر مسکرا دیا تھا۔

''ایک گلاس پانی مل سکتا ہے۔'' ارسلان احمد نے ربیعہ کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''کیوں؟ رمضان میں روزے دار سے پانی مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی آپ کو، اتنے بڑے کٹے ہو کر روزہ نہیں رکھتے توبہ توبہ، گناہ ملے گا آپ کو۔'' ربیعہ تیزی سے بولتی چلی گئی، ذکیہ بیگم نے اپنا سر پکڑ لیا اور ڈاکٹر ارسلان نے اس کے صبیح سندر چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور ایک پیاسے کو پانی نہ پلا کر گناہ تو آپ کو بھی ملے گا۔''
''ارے واہ، خواہ مخواہ۔'' وہ تنک کر بولی۔
''ربیعہ! پانی لاؤ فوراً۔'' ذکیہ بیگم نے گھور کر کہنے پر وہ منہ بسورتی ہوئی کچن سے گلاس لینے چلی گئی۔

''خالہ جی! میں صبح چار بجے کراچی سے یہاں پہنچا ہوں، مسز کرمانی نے آپ کا ایڈریس سمجھا دیا تھا اس لئے سورج نکلتے ہی یہاں چلا آیا، سفر میں تھا اس لئے روزہ نہیں رکھا، لاہور سے کراچی اور کراچی سے حیدرآباد آیا ہوں، یہاں میری پوسٹنگ ہوگئی ہے ہسپتال میں تو چند ماہ تو اس شہر میں اپنی خدمات پیش کرنا ہوں گی مجھے، آگے کا اللہ مالک ہے۔''
''بیٹا! اپنا شناختی کارڈ دکھادو اور کاپی مجھے دے دو برا مت ماننا، آج کل کے حالات نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے ہم کسی کو شناخت کیے بغیر اپنا گھر کرایے پہ نہیں دے سکتے یہ وقت اور احتیاط کا تقاضا بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔'' ذکیہ بیگم نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا۔
''جی خالہ جی بالکل درست فرمایا آپ نے یہ میرا اصل شناختی کارڈ ہے آپ دیکھ لیں فوٹو کاپی ایک دو دن میں کرا کے آپ کو دے دوں گا۔'' ارسلان نے اپنے والٹ میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر ذکیہ بیگم کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔
''جیتے رہو بیٹا، کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا ارسلان؟''
''جی ڈاکٹر ارسلان احمد فرام لاہور۔'' ارسلان نے اپنا تعارف پھر سے کرایا وہ شناختی کارڈ پر لگی تصویر کو بغور دیکھنے کے بعد ارسلان کو دیکھ کر گویا تصدیق کرنا چاہ رہی تھیں کہ یہ شناختی کارڈ اس شخص کا ہی ہے یا کسی اور کا ہے، ذکیہ بیگم کو یقین آ گیا یہ شخص ڈاکٹر ارسلان ہی ہے مگر پھر بھی انہوں نے ربیعہ کو بھی شناختی کارڈ دکھا کر تصدیق کرنا ضروری سمجھا اور اسے آواز دے ڈالی۔
''اے ربیعہ! پانی لینے گئی تھی وہیں رہ گئی ادھر آ۔''
''جی اماں آ گئی، لیں پانی پئیں۔'' ربیعہ نے احسان کی طرح گلاس ارسلان کی طرف بڑھایا تھا۔
''شکریہ، زحمت کی معافی چاہتا ہوں۔'' ارسلان نے گلاس لے کر مروتاً کہا تو وہ اترا کر ذکیہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔
''یہ دیکھو، یہ کارڈ اسی بچے کا ہے نا؟''
''اماں، یہ بچے کہاں سے نظر آ رہے ہیں آپ کو شناختی کارڈ تو انہی کا ہے اٹھائیس برس کے ہیں موصوف اور آپ بچہ کہہ رہی ہو۔'' ربیعہ نے شناختی کارڈ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا تو ذکیہ بیگم کی تسلی ہوگئی اور وہ ارسلان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
''بیٹا! تم چاہو تو اوپر جا کر کمرہ دیکھ سکتے ہو، چھ ہزار ماہانہ دینا ہوگا اور اگر کھانا ناشتہ ہم دیں گے تو دس ہزار ماہانہ، تمہیں منظور ہو تو سر آنکھوں پر ورنہ تمہاری مرضی ہے۔''
''ٹھیک ہے خالہ جی، میں کمرہ دیکھ کر ہی فائنل کروں گا۔'' ارسلان نے پانی پی کر خالی گلاس اسٹول پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔
''ہاں بیٹا، ٹھیک ہے آؤ میں تمہیں کمرہ دکھا دوں اور ربیعہ تو چائے بنالے ان کے واسطے، بیٹا ناشتہ کرو گے یا کر کے آئے ہو؟''
''اماں! تم تو اسے سچ مچ اپنا رشتے دار سمجھ بیٹھی ہو جو یوں چائے ناشتے کا پوچھ رہی ہو، میں اس کھوجے دار کے لئے چائے ناشتہ نہیں

بناؤں گی ہاں۔'' اس سے پہلے کہ ارسلان کچھ بولتا ربیعہ نے تیزی سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا۔

''یہ لڑکی ہے لال مرچ جب سے آیا ہوں مرچیں چبا رہی ہے، ایک کمرہ کرایے پہ دے رہی ہے، بنگلہ تھوڑی کرایے پہ دے رہی ہو جو اتنا اترا رہی ہو، نخرے دکھا رہی ہو۔'' ارسلان نے دل میں سوچا۔

''اچھا چپ کر جا، کسی آئے گئے کو بھی دیکھ لیا کر جو منہ میں آتا ہے فٹ بک دیتی ہے۔'' ذکیہ بیگم نے خجل ہو کر اسے ڈپٹا تو ارسلان شوخ لہجے میں بولا۔

''خالہ جی! یہ تو بڑی بری بیماری ہے آپ اس کا علاج کیوں نہیں کراتیں؟''

''اب تم آ گئے ہو نا خالہ کے بھانجے تو علاج بھی ہو جائے گا۔'' ربیعہ نے فوراً جواب دیا تو وہ بمشکل اپنی ہنسی روک پایا اور ذکیہ بیگم اسے بس گھورتی رہ گئیں، ارسلان کو کمرہ اور واش روم مناسب لگا تھا اور وہ دس ہزار میں قیام و طعام کا بندوبست کر کے اپنا سامان لانے اور شام تک گھر آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔

''اماں! تم نے ان ڈاکٹر صاحب کو کرایے پہ تو رکھ لیا ہے اب مہینے بھر کا راشن بھی گھر میں ڈال لو، کیا پکائیں، کھلائیں گے کرایے دار کو وہ ایسے ہی تو دس ہزار مہینے کے ہمارے ہاتھ پہ نہیں رکھ دے گا۔'' ربیعہ نے ارسلان کے جاتے ہی ذکیہ بیگم سے کہا تو وہ اپنے گھٹنے سہلاتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

''ارے ہاں پتا ہے مجھے، وہ کریانے والا حنیف ہے نا اسے ٹیلی فون کر کے بول کے کسی لڑکے کو بھیج دے سامان کی لسٹ لے جائے آ کے اور سامان کے ساتھ بل بنا کے بھیج دے مجھ میں اس وقت اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں خود جا کے دکان سے سودا خرید لاؤں۔''

''سیڑھیاں چڑھو گی تو گھٹنے تو آپ ہی دہائی دیں گے نا، میں فون کر کے تیل کی مالش کر دیتی ہوں آپ کے گھٹنوں پہ۔'' ربیعہ نے تیزی سے کہا۔

''نہ بس مالش تو تو رہنے دے، روزے میں جان مارے گی تو شام تک ادھ موئی ہوئی پڑی ہوں گی۔'' ذکیہ بیگم نے سہولت سے منع کر دیا۔

''میری بہت فکر ہے اپنا ذرا خیال نہیں ہے روزے میں سلائی کے کپڑے اٹھا لائی ہو تم بھی تو جان مارو گی نا۔''

''تو پھر بولنے لگی، چل جو کام کہا ہے وہ کر جا کے، اس ڈاکٹر کے سامنے بھی کیسی پٹر پٹر زبان چل رہی تھی تیر، وہ تو شکر ہے کہ اس نے انکار نہیں کر دیا یہاں کرایے پہ رہنے سے۔'' ذکیہ بیگم نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

''بس تمہیں تو شکر کرنے کا بہانہ چاہیے اماں۔'' وہ موبائل پر کریانہ اسٹور کا نمبر ملاتے ہوئے بولی۔

''شکر ادا کرنے سے نعمت بڑھتی ہے نالائق لڑکی۔''

''محنت کرنے سے نعمت بڑھتی ہے اماں، اگر ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھ جائیں اور صرف شکر کا کلمہ پڑھتے رہیں تو اس سے ہمارے گھر کا راشن مفت میں کہیں سے نہیں آنے کا نہ ہی بجلی گیس کے بل ادا ہوں گے، البتہ محلے والے ضرور ہمیں اللہ لوک سمجھنا شروع کر دیں گے اور دم درود کے لئے ہمارے پاس آنا شروع ہو جائیں گے۔''

ربیعہ نے نمبر ملانے سے دھیان ہٹا کر ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا تو ذکیہ بیگم اسے

تاسف اور بے بسی سے دیکھتے ہوئے بولیں۔
''سچ کہا ہے کس نے غربت یا تو انسان کو اللہ سے ملا دیتی ہے یا اللہ کو بھلا دیتی ہے۔''
''اللہ سے ملا دینے والی بات صحیح کہی اماں آپ نے غربت میں مر کے انسان اللہ ہی سے تو جا ملتا ہے، غربت اور امارت دونوں ہی انسان کا امتحان ہوتی ہیں یا تو انسان کو اللہ کے قریب لے جاتی ہیں یا پھر اللہ سے دور کر دیتی ہیں، شکر اور صبر کا کھیل ہے یہ تو سارا۔'' ربیعہ نے سنجیدگی سے کہا تو ذکیہ بیگم نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا جو کبھی کبھی تو ایسی عقل کی بات کرتی تھی سمجھداری کے بول بولتی تھی کہ وہ دنگ رہ جاتی تھیں، شاید حالات نے باپ کی جدائی نے اسے اس قدر حساس اور چڑچڑا، حقیقت پسند بنا دیا تھا، چھوٹی عمر میں ہی روپے پیسے کی کمی، معاشی تنگی دیکھ لی تھی اس نے اور اب اسکول میں نوکری کرنا پڑ رہی تھی گھر کی گاڑی چلانے کو تو وہ ان باتوں کو اور زیادہ شدت سے محسوس کرنے لگی تھی، جب تک نصیر اللہ حیات تھے تب تک انہوں نے اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی، اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے اس کے خوب ناز اٹھائے تھے خوب عیش اور مزے کرائے تھے اسے، مگر یہ تو باپ کی زندگی تک تھا نا، باپ کے پیسوں سے فرمائشوں اور خواہشوں کو پورا کیا جاتا تھا، اپنے پیسوں سے تو صرف ضروریات پوری ہوتی تھیں، فکر اور بے فکری کی زندگی کا یہی فرق تھا۔
''اللہ پاک! میری نازوں پلی بیٹی کے نصیب نیک کرنا اس کو ہمیشہ خوش، خوشحال اور عزت والی زندگی دینا اس کو محبت اور عزت دینے والا شریک حیات عطا کرنا کوئی دکھ میری ربیعہ کا مقدر نہ کرنا میرے مالک۔'' نماز میں دعا مانگتے ہوئے ذکیہ بیگم کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی جاری تھی، ماں تھیں اسی لئے ان کی دعا میں صرف اپنی اولاد کی بہتری کی التجا شامل تھی، ربیعہ نے انہیں یوں ہاتھ پھیلائے اشک بہاتے دیکھا تو بے کل سی ہو کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

صبح سے شام اور اب رات ہونے کو تھی ڈاکٹر ارسلان احمد ابھی تک اپنا سامان لے کر نہیں آیا تھا، ربیعہ نے اوپر والا کمرہ پھر سے صاف ستھرا کر دیا تھا، کمرے میں ایک سنگل مسہری تھی جس پر کاٹن کی نئی چادر اور تکیے کے ساتھ سجا تھا، لکڑی کی دو کرسیاں ایک اسٹول تھا جو دائیں جانب ترتیب سے رکھے تھے اور بیڈ کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر دیوار گیر الماری تھی جس میں کپڑوں جوتوں اور کتابوں کے الگ الگ ریک بنے ہوئے تھے، الماری سے کچھ فاصلے پر دیوار پر نیا آئینہ آویزاں تھا، جس کے پلاسٹک کے اسٹینڈ پر نئی کنگھی رکھی تھی، دروازے اور صحن میں کھلنے والی واحد کھڑکی پر نیلے اور سفید رنگ کے پھولدار پردے لٹکے تھے، اینٹوں کے فرش پر پلستر ہوا تھا اور کمرہ نئے رنگ و روغن کے سبب نیا نیا لگ رہا تھا اور ہلکے آسمانی رنگ کی سفیدی ہونے کے باعث کمرہ روشن روشن اور کشادہ محسوس ہوتا تھا، ارسلان احمد کو ایسی لئے کمرہ پسند آ گیا تھا کے گھر کے مکینوں نے اسے صاف ستھرا رکھا ہوا تھا اور گھر کی خواتین کا سلیقہ بھی جھلک رہا تھا، کمرے کی سیٹنگ اور صفائی میں۔
''اماں! عشاء کا وقت ہونے کو ہے تمہارا کرایے دار تو ابھی تک نہیں آیا۔'' ربیعہ نے گھڑی پر وقت دیکھتے کہا تو ذکیہ بیگم فکر مندی سے بولیں۔
''اللہ خیر کرے کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو ویسے بھی وہ بے چارہ تو نیا ہے حیدر آباد میں۔''

''تمہارا بھی جواب نہیں ہے اماں، پرائے شخص کی اتنی فکر کر رہی ہو حالانکہ لوگ تو اپنوں کی فکر نہیں کرتے۔'' ربیعہ نے انہیں دیکھتے ہوئے متعجب ہو کر کہا۔

''پرائے لوگوں کا خیال کریں، فکر کریں تو اللہ اپنوں کا بھی خیال رکھتا ہے۔''

''کون سے اپنے اماں، وہ جو آپ کو اپنی پسند سے زندگی گزارنے کا حق بھی نہیں دیتے، وہ جو ذرا سی حکم عدولی پر سارے رشتے ناطے توڑ ڈالتے ہیں، اپنی مرضی اور پسند سے نکاح کرنے کا حق عورت کو اللہ نے دیا ہے، اسلام نے حق دیا ہے لڑکی کو کہ وہ اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر سکتی ہے یہاں الٹا ہی حساب ہے، لڑکی اگر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دے تو وہ گناہ ہو جاتا ہے بے شرمی کہلاتا ہے، اس کی پاداش میں لڑکی سے تعلق ختم کر لیا جاتا ہے اور اگر لڑکی بے چاری بیوہ ہو جائے تو بڑے کروفر سے کہا جاتا ہے، ''دیکھا ہماری نافرمانی کی تھی اپنی مرضی سے شادی کی تھی اب ہو گئی نا بیوہ مل گئی نا سزا نافرمانی کرنے کی'' ہونہہ، اللہ کے کاموں کو اپنی مرضی سے عبارت کرتے ہیں، زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا اماں، پھر ان کا دل اس بات پر کیسے خوش ہو سکتا ہے کہ ان کی بیٹی بیوہ ہو گئی؟''

ربیعہ کو اپنے والد کے انتقال پر کسی کی کہی ہوئی باتیں یاد آ گئیں تھیں کہ اس کے نانا نے اس کے باپ کی موت کی خبر سن کر بے اختیار کہا تھا کہ ''یہ تو ہونا ہی تھا باپ کی نافرمانی کر کے شادی کی تھی نا اس کی سزا تو ملنی ہی تھی اسے۔''

''تو اس طرح مت سوچا کر یونہی کسی نے بے پر کی اڑائی ہو گی بھلا ماں باپ کبھی اپنی اولاد کی تکلیف اور نقصان پہ خوش ہوئے ہیں ان کے تو کلیجے پھٹ جاتے ہیں اولاد کو دکھ اور تکلیف میں دیکھ کر۔'' ذکیہ بیگم نے نظریں چرا کر اپنے دل کے درد کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے میکے والوں کے تو کلیجے نہیں پھٹے بلکہ ان کے تو دل پتھر کے اور احساس بنجر ہیں، جبھی پلٹ کے آپ کی خبر تک نہیں لی بھی۔'' ربیعہ نے تلخی سے کہا تو ذکیہ بیگم قدرے تیز لہجے میں بولیں۔

''اچھا بس، میرے میکے والوں کو برا بھلا کہنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ سلامت رکھے میرا میکہ میرے ماں باپ اور میرے بھائی بہن کو گرم ہوا نہ لگے کبھی، سدا سکھی رہیں وہ سب۔''

''واہ اماں بیٹی ہو تو آپ جیسی جس میکے نے مان نہ رکھا اس میکے پہ اتنا مان، واہ کیا کہنے۔''

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اوپر کمرے میں موم بتی اور ٹارچ رکھ کے آ اور ایک جگ میں پانی اور گلاس بھی رکھ دیجیو ارسلان کے واسطے، لوڈشیڈنگ میں وہ بے چارہ کہاں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرے گا۔'' ذکیہ بیگم نے فوراً بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''اماں! آنے تو دو اسے پانی بھی رکھ دوں گی اتنی گرمی میں پانی بھی گرم ہو جائے گا اس کے آنے تک اب یہ مت کہنا کے واٹر کولر نکال کر اس میں برف بھر کے رکھ دوں اس کرایے دار کے واسطے، اس کا بندوبست وہ خود کرے گا ہم نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا اس کے ہر آرام کا ویسے بھی وہ ہمارا کرایے دار بن کے آ رہا ہے مہمان بن کر نہیں آ رہا۔''

''اف توبہ میری توبہ، اے ربیعہ تو کتنا بولتی ہے اور بے جا بولتی ہے، ارے اتنی لمبی زبان والی لڑکیاں کسی کو اچھی نہیں لگتیں سسرال جائے گی تو

اس زبان کے ساتھ مار کھائے کی برداشت کرنا اور نظر انداز کرنا سیکھ لے عورت کو بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے نہیں تو گھر نہیں بستا۔'' ذکیہ بیگم نے اس کے الو ہی حسن کو فکر مندی سے دیکھتے ہوئے سمجھایا۔

''اللہ کی رحمت ہو جائے تو گھر کیا جنگل بیابان بھی بس جاتا ہے اماں، ساری بات ہے نصیب کی۔'' ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور برآمدے میں بنی دیوار گیر الماری کھول کر موم بتی اور ٹارچ نکال کر سیڑھیوں کی جانب بڑھی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، اس کے بڑھتے قدم رک گئے اور وہ ذکیہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''لیجئے آگیا آپ کا کرایے دار صبح جو کلاس لی تھی نا اس کا اثر ہے جبھی شریفانہ دستک دی ہے اب خود ہی استقبال کریں اس کا، میں یہ موم بتی، ٹارچ رکھنے جا رہی ہوں اوپر کمرے میں۔''

''پانی بھی رکھ دیجیو۔''

''رکھ دوں گی پہلے آپ دیکھ تو لو کہیں وہ پھر ہمیں سوتا سمجھ کر دروازہ نہ توڑنا شروع کر دے۔'' ربیعہ یہ کہہ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی، ذکیہ بیگم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ارسلان احمد سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس اور سفری بیگ اٹھائے ہوئے تھا۔

''آ گئے بیٹا۔'' ذکیہ بیگم نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دیا۔

''جی خالہ جی، مجھے تو آنا ہی تھا۔'' وہ جانے کس خیال کے تحت مسکراتا ہوا بولا اور اندر داخل ہو گیا۔

''اماں! ان سے کہہ دیں روزہ رکھنے کی توفیق ہو تو سحری اور افطاری کے لئے نیچے آنا ہو گا اوپر کوئی نہیں پہنچائے گا کھانا۔'' ربیعہ نے نیچے آ کر ارسلان کو ذکیہ بیگم سے باتیں کرتے دیکھا تو فوراً کہہ دیا وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''جی بہتر، اور کوئی شرط یا حکم؟''

''بیٹا! تم اس کی باتوں کا برا مت ماننا یہ تو یونہی بولتی رہتی ہے۔'' ذکیہ بیگم نے ربیعہ کو گھورا اور ارسلان سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تو ربیعہ فٹ سے بولی۔

''بڑے افسوس کی بات ہے اماں، ایک غیر مرد کے سامنے تم اپنی بیٹی کی برائی کر رہی ہو میں یونہی نہیں بولتی بس سچی اور صاف کرتی ہوں جو کچھ لوگوں کو ہضم نہیں ہوتی اس لئے مجھ منہ پھٹ تیز طرار، بدتمیز کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''ربیعہ! کیا کہا تھا میں نے تجھے؟ چل پانی بنا جا کے۔'' ذکیہ بیگم نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا اور تیز لہجے میں کہا تو ارسلان اپنی مسکراہٹ دبائے ربیعہ کے چہرے پر پھیلی سرخی کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''بنا رہی ہوں۔'' ربیعہ پیر پٹختی باورچی خانے میں گھس گئی۔

''بیٹا کھانا کھاؤ گے؟'' ذکیہ بیگم پھر سے ارسلان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''نہیں خالہ جی، کھانا میں کھا کر آیا ہوں، کل سے سفر میں ہوں اب تو صرف آرام کروں گا، آپ کی اجازت ہو تو میں اپنے کمرے میں جاؤں۔'' ارسلان نے بہت مہذب لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں بیٹا تم جاؤ جا کے آرام کرو روزہ رکھنا ہو تو الارم لگا کے سونا اور سحری کے وقت ادھر ہی آ جانا۔'' ذکیہ بیگم نے نرمی سے اپنائیت سے کہا۔

''ٹھیک ہے خالہ جی شب بخیر۔'' وہ مسکرا کر بولا اور اپنا سامان لے کر اوپر چلا گیا۔

''ربیعہ! کیا دریائے سندھ سے پانی بھرنے چلی گئی جو اب تک کمرے میں نہیں پہنچایا؟''

''پہنچا دیتی ہوں پانی، میں برتن دھو رہی تھی ذرا دیر صبر نہیں ہے آپ میں بھی کرایے دار کے سامنے مجھے پاگل بنا دیا۔'' وہ ناراض لہجے میں بولتی ہوئی باورچی خانے سے باہر نکلی۔

''میں اگر تجھے ٹوکوں نہ تو تو کرایے دار کو پاگل کر دے گی۔''

''ہاں اب تو کرایے دار ہی سب کچھ ہو گیا آپ کے لئے۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی وہ بے کل ہو گئیں۔

''دیکھو میری بچی، میرا بحث کا موڈ نہیں ہے عشاء کی اذان ہو گئی ہے میں چلی نماز پڑھنے تو بھی اوپر ٹھنڈا پانی دے کر آ جا اور نماز ادا کر کے سو جانا سحری میں اٹھنا ہی ہوگا۔'' ذکیہ بیگم اپنی بات مکمل کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ فریج میں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر ایک گلاس اٹھا کر اوپر چھت پہ چلی آئی، کمرے کی لائٹ جل رہی تھی کھڑکی بھی کھلی تھی، کمرے سے ملحق باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی گویا ارسلان نہا رہا تھا، وہ بے دھڑک کمرے میں داخل ہو گئی، بیڈ پر سوٹ کیس کھلا رکھا تھا جس میں ارسلان کے کپڑے، کچھ فائلیں اور شیونگ کٹ پرفیوم کی بوتل رکھے ہوئے تھے، سفری بیگ دیوار کے ساتھ بند ہی رکھا تھا، ربیعہ نے پانی کی بوتل اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ارسلان کی فریم شدہ تصویر کو وہاں رکھے دیکھا اس نے غیر ارادی طور پر فریم اٹھا لیا اور تصویر دیکھنے لگی۔

گندمی رنگت سے دمکتے چہرے میں دلکشی بھی تھی اور سیاہ آنکھوں میں سحر بھی تھا، کھڑی ناک، بھرے بھرے سرخ ہونٹ جن پر بھی مسکراہٹ بھی دلفریب تھی، قد چھ فٹ تھا اس کا اندازہ تو ربیعہ کو اسے دیکھ کر ہی ہو گیا تھا، بلاشبہ ڈاکٹر ارسلان احمد ایک وجیہہ مرد تھا، ربیعہ نے دل ہی دل میں اس کی وجاہت کا اعتراف کیا تھا۔

''نظر لگا رہی ہیں یا نظر اتار رہی ہیں؟'' ارسلان کا شوخ لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تو وہ شپٹا کر تصویر واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کی آواز کی سمت گھوم گئی، وہ گیلے بالوں میں بائیں ہاتھ کی انگلیاں پھیرتا بادامی رنگ کے کرتا شلوار میں کافی فریش اور اسمارٹ دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بمشکل بول پائی۔

''مطلب یہ کہ آپ براہ راست بھی مجھے دیکھ سکتی ہیں اتنے انہماک کے ساتھ میں ہرگز مائنڈ نہیں کروں گا۔''

''تصویریں اصل سے زیادہ بہتر ہوتی ہیں انسان کے اصل چہرے کو چھپا لیتی ہیں اور ویسے بھی میں یہاں پانی رکھنے آئی تھی تصویر تو یونہی اٹھا کر دیکھ لی آپ سے میچ جو نہیں کرتی۔'' ربیعہ نے چوری پکڑے جانے پر اپنا اعتماد کم ہوتا محسوس کیا تھا مگر پھر بھی خود کو پراعتماد ظاہر کرتے ہوئے تیزی سے بولی۔

''غور سے دیکھیں، تصویر بھی مجھ سے میچ کرتی ہے اور آپ بھی۔'' ارسلان نے آگے آتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جانے کے لئے آگے بڑھی تو ارسلان نے اس کا راستہ روک لیا وہ اسے یوں اپنے قریب آتے دیکھ کر بوکھلا کر دو

قدم پیچھے ہی تو دیوار سے جا لگی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ، جانے دیں مجھے۔''

''یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں آپ سے یہ کیا کر دیا آپ نے پلیز جانے دیں نا مجھے۔''

ارسلان کا معنی خیز جملہ اس کی سمجھ میں ایکدم سے تو نہیں آیا تھا مگر جب سمجھ میں آیا تو اس کا روم روم تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔

''پاگل ہوئے ہیں آپ؟'' ربیعہ کی آواز میں لرزش تھی۔

''اگر ہوں، تو سبب آپ ہیں۔'' ارسلان نے دیوار پہ اس کے دائیں بائیں اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اس کے جانے کی راہ مسدود کرتے ہوئے اسے وارفتگی سے دیکھتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا اس نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں، رخ پھیر لیا اس کا دایاں رخسار ارسلان کے چہرے کے بالکل قریب تھا اور وہ ضبط جذبات کی سعی میں اپنے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے اس کے سندر چہرے کو اتنے قریب سے دیکھتے ہوئے بے قابو ہوتے دل پر حیرت زدہ تھا یہ اچانک وہ کیا سوچ رہا تھا، کیا محسوس کر رہا تھا اور اب کیا کرنے جا رہا تھا اس کے ساتھ؟ اسے اپنے جذبوں، اپنے لفظوں پر اختیار کیوں نہیں رہا تھا۔

''ارے تم تو ڈر رہی ہو مجھ سے، یہ وہ لڑکی تو نہیں ہے جو صبح مجھے بوکھلائے دے رہی تھی، جس نے میری بولتی بند کر دی تھی وہ اس وقت میرے سامنے آنکھیں بند کیے کھڑی ہے خوفزدہ ہو رہی ہے مجھ سے۔'' ارسلان نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی حالت و کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا تو ربیعہ نے آنکھیں کھول کر اس کے چہرے کو دیکھا جو اس کی آنکھوں کے عین سامنے تھا اس کے جسم سے اٹھتی صابن کی خوشبو عجیب سا احساس دلا رہی تھی وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''فکر نہ کرو مجھے حلال کر کے کھانے کی عادت ہے، مانا کہ تمہارا حسن کافر کرنے کے لئے کافی ہے مگر میرا من برسوں کا پرانا پاپی نہیں ہے ابھی تک مسلمان کا دل ہے اس لئے جائز ناجائز اور حلال حرام کا فرق جانتا ہے سمجھتا ہے۔''

''تو...... اس حرکت کا کیا مطلب؟'' وہ بمشکل بولی۔

''اف یہ حیرت، یہ حسن، یہ معصومیت، یہ مجھے دیکھنا تمہارا...... دل پہ جبر کرنا محال ہے ربیعہ جی، جاؤ ابھی کے لئے معاف کیا۔'' وہ اپنے ہاتھ اس کے دائیں بائیں دیوار سے ہٹا کر ایک طرف ہو گیا گویا اسے جانے کا راستہ دیا تھا۔

''میں نے کون سا گناہ کیا تھا جو معاف کیا؟'' حسب عادت ربیعہ کی زبان میں کھجلی ہوئی اور پوچھ بیٹھی۔

''اپنی قاتلانہ اور بے پروا اداؤں سے کسی بھولے مسافر کو لبھا لینا، گناہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟''

''پاگل۔'' وہ آہستگی سے بولی اور جانے لگی وہ سن چکا تھا فوراً ہی اس کے سامنے آ کر جرح کرنے لگا۔

''پاگل کیا کس نے ہے؟''

''تم...... مجھے کیا پتا؟''

''تمہیں پتا ہے تبھی تمہاری آواز کانپی اور زبان لڑکھڑائی ہے اور اگر میں نے بتایا نہ تو لگ پتا جائے گا اس لئے ابھی تو جاؤ میرے کمرے سے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے کمرے سے، تو ایسے کہہ رہے ہو

جیسے مالک ہو یہاں کے۔" ربیعہ نے چڑ کر کہا۔
"مالک تو میں بن ہی جاؤں گا کمرے کا بھی اور تمہارا بھی، پھر پورے استحقاق کے ساتھ تمہیں اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لاؤں گا اور تب جانے کا ہر راستہ تمہیں بند ملے گا۔"
"بدتمیز، بے شرم، دل پھینک، تھرڈ گریڈ انڈین فلموں کا پٹا ہوا ہیرو، مفت مشورہ دے رہی ہوں صبح پہلا کام یہ کرنا کے کی دماغی امراض کے ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کروانا، حیدر آباد آتے ہی تمہارے دماغ کے پیچ ڈھیلے ہوگئے ہیں، آیا بڑا مجھے لائن مارنے چلا ہے، ہونہہ۔" ربیعہ کا کھویا ہوا اعتماد اور جلال پل میں واپس آیا تھا اور وہ اپنے مخصوص تیز لہجے میں بے نیازی سے بولتی چلی گئی تھی اور ارسلان احمد اس کے اس انداز پر بے ساختہ ہنستا چلا گیا اور اس کے کمرے سے چلے جانے کے بعد بھی کتنی دیر ہنستا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ جو دل میں قیام کرتے ہیں
وہی نیندیں حرام کرتے ہیں

ارسلان احمد کی نیندیں کیا جاگنا بھی بے کل و بے تاب ہوگیا تھا، ربیعہ اسے اچھی تو لگی تھی مگر وہ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کا سکھ چین نیند آرام بھی چرا لے گی دل سمیت۔

وہ تو یونہی اسے اس روز چھیڑ رہا تھا مگر دل تو سچ مچ اسے اپنانے اور چاہنے میں پیش پیش تھا، اس کی صبح نو بجے سے شام چار بجے تک ہسپتال میں ڈیوٹی تھی، وہاں سے فارغ ہو کر وہ ایک پرائیویٹ ہسپتال میں پانچ سے نو بجے تک ڈیوٹی پر مامور تھا اور یہ پرائیویٹ ہسپتال کی نوکری اس نے اپنے ذاتی اخراجات پورے کرنے کے لئے کی تھی، ذکیہ بیگم کو اس نے ایڈوانس ایک ماہ کا کرایہ یعنی دس ہزار روپے پہلے دن ہی دے دیا تھا، وہ صبح ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلتا تھا تو رات کو ساڑھے نو دس بجے تک گھر لوٹتا تھا اور کبھی دل چاہتا تو روزہ افطار کرنے کے لئے شام میں گھر آ جاتا ورنہ ہسپتال میں ہی کینٹین سے کچھ لے کر کھالیتا تھا، رات کو ذکیہ بیگم اسے کھانا گرم کر کے دیتیں اور جب وہ اوپر اپنے کمرے میں جانے لگتا تو اسے دودھ کا گلاس بھی تھما دیتیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ارسلان صبح سے رات محنت کرتا ہے آرام کا وقت بھی نہیں ملتا بے چارے ڈاکٹر کو تو اسے طاقت کی ضرورت ہے اور دودھ مکمل غذا ہونے کے سبب اس کے لئے بہترین تھا، ارسلان ان کے اس طرح احساس کرنے پر خوش ہو کر ان کا شکریہ ادا کیے بنا نہ رہتا۔

دس دن گزر گئے تھے ارسلان کو ان کے گھر کرایے دار کی حیثیت سے آئے ہوئے اور ربیعہ اس دن کے بعد سے اس کے سامنے نہیں آئی تھی سحری اور افطاری کے وقت وہ یا تو باورچی خانے میں ہوتی تھی سحری تیار کرنے میں مصروف یا پھر سحری کر کے اپنے کمرے میں جا چکی ہوتی تھی اور وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ترس جاتا، آج اتفاق سے وہ جلدی گھر آ گیا تھا پرائیویٹ ہسپتال سے چھٹی کر لی تھی اور بازار سے سموسے، پکوڑے اور فروٹ چاٹ بھی لے آیا تھا، دروازہ ذکیہ بیگم نے کھولا تھا اسے دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیں۔

"بیٹا! آج جلدی آ گئے۔"
"بس خالہ جی، آج دوسری نوکری سے چھٹی کر لی ہے روزے میں بہت تھکن ہو جاتی ہے سوچا آج آپ لوگوں کے ساتھ افطاری کر لوں، یہ کچھ چیزیں افطاری کے لئے لایا ہوں۔"
ارسلان نے اندر آتے ہوئے کہا اور شاپر ان کی

جانب بڑھا دیئے، اس کی نظر صحن میں رکھے گملوں کو پانی دیتی ربیعہ پر پڑ چکی تھی اور آنکھوں کا گلشن دیدار کے پھولوں سے بھر گیا تھا۔

''بیٹا! ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی، ربیعہ گھر میں بنا لیتی۔'' ذکیہ بیگم نے شاپر پکڑ کر سموسے پکوڑوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے کہا۔

''ربیعہ تو روز بناتی ہیں میں نے سوچا آج ان کو آرام دی جائے یہ بھی تو روزانہ اتنی گرمی میں روزے میں کچن میں کام کرتی ہیں۔'' ارسلان نے برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ربیعہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو ربیعہ بلش ہوگئی اور ذکیہ بیگم اس کے احساس پر خوش ہوکر بولیں۔

''جیتے رہو بیٹا، تم بہت خیال رکھنے والے بچے ہو، نیک ماں باپ کی اولاد لگتے ہو، پر بیٹا تم رات کو دیر سے لوٹتے ہو تب تک سب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں خالہ جی، ہم ڈاکٹر کو ٹھنڈا کھانا کھانے کی عادت سی ہو جاتی ہے ڈیوٹیز کے دوران کھانے پینے کا ہوش ہی کہاں رہتا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے، تم بیٹھو میں ذرا باورچی خانے سے ہو آؤں۔'' ذکیہ بیگم نرمی سے بولیں۔

''جی ضرور۔'' وہ احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہ باورچی خانے میں گئیں تو وہ تیزی سے ربیعہ کے پاس چلا آیا۔

''ان پھولوں پودوں کو تو تم نے سیراب کر دیا ہے ہمارے دل کے پودے کو بھی اپنی توجہ اور چاہت کا پانی دے دو تاکہ یہ بھی کھل کر پھول بن جائے۔'' ارسلان نے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مدھم آواز اور معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو قابو میں کرتے ہوئے بولی۔

''لگتا ہے آج آپ کو روزہ کچھ زیادہ ہی لگ رہا ہے جاکر ٹھنڈے پانی سے غسل فرمائیں آپ ہی ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔''

''ہوش اڑائے آپ نے ہیں تو ٹھکانے بھی آپ ہی لگائیں گی۔''

''کہا بھی تھا کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھائیں آپ۔'' وہ پانی کا نل بند کرتے ہوئے اسے مسلسل نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں تو آیا تو ہوں ڈاکٹر کے پاس آپ دیکھ ہی نہیں رہیں۔''

''پلیز ان باتوں سے پرہیز کیجئے، میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں سمجھے آپ۔'' ربیعہ تیز لہجے میں بولی۔

''آپ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہیں، اسی لئے تو آپ سے ایسی باتیں کر رہا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ربیعہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا اور جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ یکدم سے اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم مجھ سے چھپتی کیوں پھر رہی ہو؟''

''میں کیوں تم سے چھپتی پھروں گی تم صرف ہمارے کرایے دار ہو اور بس اور یہ مت سمجھنا کہ اکیلی لڑکی سمجھ کر تم پیار کے دو بول بولو گے اور میں تمہارے دام میں پھنس جاؤں گی، کرایے دار ہو، کرایے دار بن کر ہی رہو۔'' ربیعہ نے غصیلے اور تیز لہجے میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوں ہوں میں تو تمہارا پیار اور شوہر نامدار بن کر رہوں گا۔''

''بکومت۔'' وہ بولی لہجہ غصے میں ڈوبا تھا۔

''قسم سے۔'' وہ یقین سے کہتا اس کے چہرے کے رنگوں کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتا

ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا، ارسلان کی آنکھوں سے چھلکتی چاہت کی سچائی اور اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا جذبہ و احساس اسے یقین و بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

☆☆☆

ادھر محلے والوں نے ارسلان احمد اور ذکیہ بیگم کے گھر کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دی تھیں، ایک نامحرم مرد ذکیہ بیگم کے گھر کس حیثیت سے رہ رہا تھا جبکہ ان کے گھر میں جوان بیٹی بھی موجود تھی۔

مغرب کی نماز ادا کر کے وہ دونوں ماں بیٹی فارغ ہوئیں تو گھر کے دروازے پر دستک ہونے لگی ساتھ ہی کسی نے گھنٹی بھی بجادی تھی۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' ذکیہ بیگم نے حیرانگی سے کہا۔

''مسجد سے بچے آئے ہوں گے افطاری میں حصہ ڈالنے کا پیغام لے کر۔'' ربیعہ نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' ذکیہ بیگم اپنے گھٹنے سہلاتے ہوئے اٹھ کر دروازہ کھولنے لگیں۔

''السلام علیکم بہن جی۔'' ذکیہ بیگم نے دروازہ کھولا سامنے محلے کے چند معزز مرد حضرات کھڑے تھے انہیں دیکھ کر ایک صاحب نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بھائی! خیریت ہے آپ سب میرے دروازے پہ اس وقت؟'' ذکیہ بیگم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ان سب کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''بہن جی اگر اجازت ہو تو ہم اندر آ کر بات کرلیں یوں گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھر کی باتیں کرنا مناسب نہیں لگتا۔'' رفیق صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو وہ متفکرانہ انداز میں انہیں دیکھتی دروازے سے ایک طرف ہو گئیں۔

''جی تشریف لائیے۔''

''شکریہ۔'' وہ سات مرد تھے اور دو خواتین تھیں جو ذکیہ بیگم کے گھر کے صحن میں کھڑے تھے، ربیعہ بھی وہیں چلی آئی، ارسلان احمد نے یونہی جھانکا تھا، سیڑھیوں سے کہ اس وقت کون دروازہ بجاتا آیا ہے وہ بھی اتنے لوگوں کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔

''جی کہیے کیسے آنا ہوا؟'' ذکیہ بیگم نے ان سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو ایک صاحب بولے۔

''دیکھئے ذکیہ بہن، ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں آپ بیوہ ہیں، جوان لڑکی کا ساتھ ہے آپ کو خود سوچنا چاہیے کیا آپ کو یہ سب زیب دیتا ہے؟''

''آپ کیا بات کر رہے ہیں بھائی صاحب میں سمجھی نہیں۔'' ذکیہ بیگم اور ربیعہ دونوں ان کی باتوں پر حیرت زدہ تھیں۔

''صاف بات یہ ہے ذکیہ بی بی، کے آپ نے اپنے گھر میں جوان لڑکے کو کرایے دار رکھ کر اچھا نہیں کیا۔'' محلے دار خاتون نصرت بی بی بولیں تو ذکیہ بیگم نے پوچھا۔

''کس کے لئے اچھا نہیں کیا؟''

''ہم سب کے لئے؟'' سب یک زبان ہو کر بولے۔

''جی ہاں بی بی، اس طرح تو پورے محلے کی لڑکیاں بے لگام ہو جائیں گی، ڈش کیبل اور موبائل فون نے پہلے ہی کیا کم خرافات پھیلا رکھی ہیں، بے ہودگی میں کوئی کسر چھوڑی ہے کیبل اور سیل فون کے استعمال نے جواب آپ محلے میں

اپنے گھر میں جوان نامحرم مرد کو رکھ کر گناہ کا راستہ دکھا رہی ہیں لڑکے لڑکیوں کو۔" رفیق صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ کیسی بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ؟" ذکیہ بیگم مارے شرم کے پھٹ پڑیں، ربیعہ کا تو خون کھول اٹھا تھا ان کی بکواس سن کر۔

"ڈاکٹر ارسلان کو میں نے اپنے گھر کا اوپر والا کمرہ کرایے پر دیا ہے یہ میرا گھر ہے مجھے ضرورت ہے پیسوں کی جبھی میں نے کمرہ کرایے پر اٹھایا ہے اور ڈاکٹر ارسلان ایک شریف لڑکا ہے۔"

"شرافت کا نقاب الٹنے میں ایک لمحہ لگتا ہے بی بی۔" کوئی صاحب بولے تو منظور الٰہی کہنے لگے۔

"بس بہت ہو گیا، بند کیجئے اپنی بکواس۔" ذکیہ بیگم غصیلے اور تیز لہجے میں بولیں ربیعہ ان کا بازو تھامے ساتھ کھڑی تھی، باپ کے جانے کے بعد انہیں یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا، یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

"آپ کو اس لڑکے کا میرے ہاں رہنا اس لئے برا لگ رہا ہے نا کیونکہ میں نے آپ جیسے شریف مردوں کو اپنے گھر کی دہلیز پار نہیں کرنے دی، یہ آپ لوگ اپنی نیت ظاہر کر رہے ہیں جو آپ کی آنکھوں سے تو ہمیشہ جھلکتی تھی آج آپ لوگوں کی زبانوں سے بھی عیاں ہو گئی دل کا میل زبان سے زہر بن کر ابل رہا ہے، افسوس صد افسوس، میں آج تک یہی سمجھتی رہی کے آپ لوگ میری دل سے عزت کرتے ہیں، میری بیٹی کی عزت کرتے ہیں کیونکہ آپ سب بھی بیٹیوں والے ہیں، مگر آج پتا چلا کہ آپ لوگ ہماری عزت نہیں کرتے بلکہ ہماری عزت پر نظر رکھے ہوئے ہیں میں تو اس محلے کو شریفوں کا محلہ سمجھتی رہی آج تک۔"

"بی بی یہ محلہ شریفوں کا ہی ہے، بے حیائی کا دروازہ تم نے کھولا ہے اس لڑکے کو اپنے گھر میں رکھ کے۔" منظور الٰہی پچاس سالہ آدمی تھا عامیانہ لہجے میں بولا۔

"بکواس بند کریں آپ لوگ اور چلے جائیں یہاں سے۔" ذکیہ بیگم غصے سے بولیں۔

"ہم تو نہیں جائیں گے پہلے اس لڑکے کو یہاں سے چلتا کرو۔" دوسری عورت فرزانہ بولی۔

"کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کو ارسلان احمد سے؟ وہ بے چارہ تو صبح کا گھر سے نکلتا ہے تو رات کو گھر آتا ہے صرف سونے کے لیئے۔" ذکیہ بیگم اسی لہجے میں بولتی وضاحت کر رہی تھیں۔

"رات کو تو گھر پر ہی ہوتا ہے نا وہ لونڈا، اب رات میں کیا گل کھلائے جاتے ہوں ہم کیا جانیں؟"

"دفعہ ہو جائیں آپ سب یہاں سے۔" ربیعہ کا ضبط اور صبر جواب دے گیا تھا غصے سے چیخ اٹھی۔

"بات سنو لڑکی! ہم کہیں جانے والے نہیں جب تک وہ لڑکا اس گھر سے نہیں چلا جاتا، کل ہم پھر آئیں گے۔" منظور الٰہی نے بدتمیزی سے کہا۔

"ہاں بالکل اس لڑکے کو اس گھر سے چلتا کرو، یا پھر تم ماں بیٹی اس گھر اور محلے سے رخصت ہو جاؤ۔" نصرت بی بی نے بہت خرانٹ لہجے میں دھمکایا۔

"ورنہ ہم کوئی ترکیب کریں گے تمہیں سدھارنے کے لئے۔"

"بگڑے ہوؤں نے کبھی کچھ سنوارا ہے جو تم لوگ سنوارو گے؟ پہلے اپنی سوچ اور نیتیں تو سنوار سدھار لو پھر کسی کو سدھارنے کی بات

کرنا۔'' ربیعہ غصے سے تلخ لہجے میں بولی۔

''اور کان کھول کر سن لو تم سب یہ گھر ہمارا ہے قانونی مالک ہیں ہم اس گھر کے، ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے اور دیکھتی ہوں میں کہ کون ہمیں اس گھر سے باہر نکالتا ہے؟''

''لڑکی! بہت زبان چل رہی ہے تمہاری۔'' نصرت بی بی نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے ربیعہ کو خشمگیں نظروں سے گھورا، مگر ربیعہ نے پر اعتماد لہجے میں سب کو لتاڑ دیا۔

''شکر کریں کے میری صرف زبان ہی چل رہی ہے ورنہ بوقت ضرورت میں ہاتھ پیر بھی چلا لیتی ہوں آئی بات سمجھ میں؟ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں ورنہ میں بھول جاؤں گی کے آپ لوگ مجھ سے صرف عمر میں کتنے بڑے ہیں۔''

''سن رہے ہیں آپ سب اس لڑکی کی باتیں کیسے مجھے خالہ خالہ کہتی تھی۔'' فرزانہ بولی۔

''غلطی چھوٹوں سے ہی ہوتی ہے خاتون میں معافی چاہتی ہوں کے آپ کو خالہ کہتی رہی، آج حالانکہ آپ اس قابل نہیں تھیں۔'' ربیعہ بولنا شروع ہو گئی تھی اور اب اسے چپ کرانا آسان نہیں تھا۔

''یہ تو ہماری بے عزتی کر رہی ہے۔'' فرزانہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولی۔

''پہل آپ لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی، لہٰذا ردعمل کے لئے بھی آپ سب کو تیار رہنا چاہیے نا۔'' ربیعہ نے کہا تو ذکیہ بیگم دکھ سے ٹوٹتے لہجے میں بولیں۔

''رمضان کے مہینے میں تو شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں پھر یہ۔''

''اماں! آپ پریشان مت ہوں انہیں کرنے دیں شیطانی کام کل سے انہیں ان کے کیے کا جواب ملنا شروع ہو جائے گا۔'' ربیعہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا وہ بڑی موڈی لڑکی تھی کبھی ذکیہ بیگم کو ''تم'' کہتی تھی تو کبھی ''آپ'' کہہ کر مخاطب کرتی تھی، اس کا ہر کام ہر انداز ہی نرالا تھا۔

''لڑکی! ہماری باتوں کو مذاق مت سمجھو، اگر ہماری بات نہ مانی تو دونوں نے تو ہم پنچائیت بلائیں گے پھر پنچائیت ہی فیصلہ کرے گی کے تم تینوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟''

''ایسی کی تیسی تمہاری پنچائیت کی۔'' ربیعہ غصیلے اور جوشیلے تیز لہجے میں بولی، ذکیہ بیگم نے اسے خاموش کرانا چاہا مگر ناکام رہیں اور ڈر بھی گئیں کے کہیں بڑی مصیبت نہ آجائے۔

''ہمارے گھر کے معاملات میں دخل دینے والے آپ یا پنچائیت والے ہوتے کون ہیں؟ جب ہمارے گھر میں فاقوں کی نوبت آنے کو تھی تب آپ شریف محلے دار اور نیک دل پڑوسی کہاں غائب تھے؟ آج ہم اگر اپنے جینے کا بہتر سامان کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو آپ لوگ اہل محلہ اور پڑوسی ہونے کا حق ادا کرنے چلے آئے ہیں، چلیں اس بہانے آپ سب کے اصل چہرے تو بے نقاب ہوئے، آپ لوگوں کی بری نیتیں اور گھٹیا سوچیں تو عیاں ہوئیں، دل و نظر کے آئینوں میں تو آپ سب ننگے اور بے ڈھنگے ہیں، بظاہر بہت اچھے مسلمان بنتے ہیں نا آپ، یہاں آنے سے پہلے، بے دھیانی میں تین فرض بھی ادا کیے ہوں گے اور ان شیطانی اور بے ہودہ خیالات اور سوچ کے ساتھ روزہ بھی رکھا ہوگا اور شاید یہاں سے جا کر تراویح پڑھنے کا تکلف بھی کر ڈالیں آپ لوگ، ہے نا، بس مجھے اتنا بتا دیں کہ یہ جو کچھ آپ سب نے میرے گھر میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا ہے اس کے ساتھ، اللہ

کے دربار میں کس منہ سے کھڑے ہوں گے آپ؟ رمضان کی حرمت، تقدس، نماز اور عبادات کا پاکیزہ پن کہاں سے لائیں گے آپ اپنے روزوں اور نمازوں میں، اس سطحی اور پست سوچ کے ساتھ؟ ہمیں ہماری خامیاں اور عیب بتانے سے، آپ بے گناہ نہیں کہلائے جاسکتے۔''

''بات سنو لڑکی!'' رفیق صاحب نے کچھ بولنا چاہا مگر ربیعہ نے ان کی بولتی بند کرادی اور اسی پُراعتماد غصیلے، جوشیلے اور تیز لہجے میں بولی۔

''بہت سن لیں آپ کی باتیں، اب آپ میری بات سنیں انکل جی۔ مجھے آپ سب کے گھروں کی، آپ سب کی اور آپ کی اولادوں کی ساری خبریں ہیں، اگر آپ لوگ میرے گھر آکر مجھے اور میری ماں کو بے قصور اتنی گھٹیا باتیں سنا سکتے ہیں ناں، تو میں آپ کے کارنامے ثبوتوں سمیت پورے محلے میں نشر کرسکتی ہوں، میں اچھی طرح جانتی ہوں کون کتنا نیک ہے اور کون کتنا شریف ہے، کس کی بیوی وفادار ہے، اور کس کی بیٹی کتنی حیادار ہے یہ سب میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں، اس محلے میں شرافت کی جو گنگا بہہ رہی ہے نا اسے خاموشی سے بہنے دیں، کنکر پھینکیں گے تو میں بھی بتانے پر مجبور ہوجاؤں گی کے اس بہتی گنگا میں کس نے ہاتھ دھوئے ہیں؟ ہم پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھ لیں کے کس کی طرف کس نیت سے بڑھتے رہے ہیں اور ایک بات اور اگر مجھے میری ماں کو اس گھر کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچا، کسی بھی نوعیت کا نقصان اگر ہمیں پہنچایا گیا تو اس سب کے ذمے دار آپ سب نو کے نو افراد ہوں گے یہ بات میں پولیس کو آج کی تاریخ گزرنے سے پہلے ہی بتادوں گی اور آپ لوگوں کے نام بمعہ موبائل فوٹیج کے پولیس کو دے دوں گی، سمجھے آپ لوگ۔'' ربیعہ نے بہت جرأت مندانہ انداز میں کہتے ہوئے موبائل دکھاتے ہوئے کہا۔

''تت...... تم نے ہماری فلم بنالی۔'' فرزانہ نے بوکھلا کر کہا تو ربیعہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی ہاں، آپ سب اتنا اچھا بول رہے تھے تو اس ڈرامے کی بلکہ بدمعاشی، غنڈہ گردی اور بدتمیزی کی فلم تو بننی چاہیے تھی نا۔'' ربیعہ کی باتوں نے سب کے ہوش اڑا دیے، سب ٹپٹا گئے، انہیں دھمکانے، رعب دکھانے آئے تھے ان کی عزت پر انگلی اٹھا رہے تھے اب اپنی آن پر بن آئی تھی۔

''دیکھو ربیعہ بیٹی!'' منظور الٰہی کا لہجہ اور انداز ایکدم بدلا تھا اپنے خلاف ربیعہ کے عزائم جان کر مگر ربیعہ نے انہیں خاموش کرادیا۔

''نہ مجھے بیٹی مت کہیے صاحب، جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں یہاں آکر اس کے بعد میرا نام لینے یا مجھے خوشامد میں بیٹی کہنے کی ضرورت نہیں کسی کو، آپ ہماری جتنی عزت کرتے ہیں وہ آج ہم نے دیکھ لیا ہے، ہم جو عزت آپ سب کی آج تک کرتی تھیں وہ اب آپ لوگ دوبارہ کبھی نہیں دیکھیں گے اور وہ کہتے ہیں نا کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے تو آئندہ اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے یا اس گھر کی جانب دیکھنے سے پہلے یہ بات ضرور سوچ لیجیے اور اپنی اپنی اولادوں کو بھی اچھی طرح سے سمجھا دیجیے گا، اب آپ سب یہاں سے تشریف لے جائیں اور اگر ضمیر ملامت کرے، نیتوں کا فتور شرم دلائے خود سے نظریں ملانے کی تاب نہ ہو تو، آج سچے دل سے نماز تراویح ادا کیجیے گا یہاں سے جاکر، کیونکہ رمضان کا بابرکت مہینہ ہے اس میں مانگی گئی دعا اور صدقِ دل سے کی گئی توبہ اور معافی کبھی رد نہیں ہوتی، جایئے دروازہ کھلا ہے۔''

ربیعہ نے تو کسی کو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا سب ایک ایک کر کے دروازے سے باہر نکل گئے اور ربیعہ نے دروازہ بند کر کے لاک لگا دیا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں خالہ جان، کہ میری وجہ سے آپ کو اتنا سب سننا اور سہنا پڑا۔'' ذکیہ بیگم اور ربیعہ نماز عشاء سے فارغ ہوئی تھیں کہ ارسلان ان کے پاس آیا اور شرمندگی سے کہا اس سے پہلے کہ ذکیہ بیگم کوئی جواب دیتیں ربیعہ فٹ سے بولی۔

''آپ کو شرمندہ ہونا بھی چاہیے۔''

''میں خالہ جان سے بات کر رہا ہوں۔''

''ایک تو یہ ہر کسی کو جان کہنا شروع ہو جاتا ہے کھڑے کھڑے رشتے گھڑ لیتا ہے۔'' ربیعہ تلخی اور طنز سے بولی تو وہ وضاحتی لہجے میں بولا۔

''ہر کسی کو نہیں کہتا صرف اس کو جو دل کو خاص لگتا ہے۔''

''باتیں جتنی مرضی بنوالو۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''تمہارا غصہ بجا ہے، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں محلے والے ایسی گھٹیا سوچ رکھتے ہیں۔''

''کیوں اندازہ نہیں تھا تمہیں، تم بھی تو ایک مرد ہی ہو نا۔'' ربیعہ غصیلے لہجے میں بولی تو ذکیہ بیگم پریشانی اور دکھ سے نڈھال بیٹھی تھیں اسے ٹوک گئیں۔

''ربیعہ! بس اب چپ کر جا۔''

''اماں! اس شخص کی وجہ سے ہمیں اتنی بے عزتی سہنا اور گھٹیا باتیں سننا پڑی ہیں آج۔''

''تو اس میں اس بے چارے کا تو کوئی قصور نہیں ہے، قصور تو میرا ہے کہ میں نے اکیلے مرد کو کمرہ کرایے پہ دے دیا۔'' ذکیہ بیگم نے سنجیدہ لہجے میں کہا انہیں اس وقت اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، کہ جوان بیٹی کے گھر میں ہوتے ہوئے جوان مرد کو کرایے دار کی حیثیت سے نہیں رکھنا چاہیے تھا۔

''ہاں تو میں نے تو پہلے ہی کہا تھا تم سے کے بیوی بچے والے کو کرایے دار رکھو یا کم از کم بیوی والا تو ہو پر تم نے میری بات پہ دھیان ہی نہیں دیا، اب دیکھ لیا نتیجہ؟'' ربیعہ تیزی سے بولتی چلی گئی چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

''اچھا میری ماں چپ کر جا ہو گئی غلطی مجھ سے اب کیا پیر پکڑوں تیرے۔'' ذکیہ بیگم جو پہلے ہی پریشان تھیں ربیعہ کی نان اسٹاپ چلتی زبان سے تنگ آ کر غصے سے بولیں۔

''نہ اماں تم میرے پاؤں مت پکڑو میں ہی تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں میرا کہا سنا معاف کر دو اور اس ڈاکٹر کو یہاں سے چلتا کرو اور اس کا ایڈوانس بھی اسے واپس کر دو۔'' ربیعہ نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر ان سے کہا اور دور رکھی کرسی پہ جا بیٹھی، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، لہجے میں حالات کی تلخی گھلی تھی، وہ نازک سی سندر سی لڑکی کیسی آزمائشوں میں گھر گئی تھی ارسلان احمد کو اس بات کا بخوبی احساس ہو رہا تھا۔

''اس طرح تو محلے والے سمجھیں گے کہ آپ دونوں ان سے ڈر گئیں ہیں اور وہ لوگ آپ کو آئندہ بھی ڈرانے دھمکانے چلے آیا کریں گے۔'' ارسلان نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو ذکیہ بیگم بولیں۔

''ارسلان ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''یہ ارسلان اس وقت کیوں نہیں بولا جب محلے کے وہ سب شریف زادے ہمارے گھر میں کھڑے ہمیں الزام دے رہے تھے ہماری عزت

پر انگلی اٹھا رہے تھے، تب تو یہ شخص بزدل اور ڈرپوک بنا چھپ کر تماشا دیکھتا رہا اور اب آ گیا ہے شرمندگی کا اظہار کرنے ہونہہ، یہ مرد ہے، محلے والے ناحق الزام دھر گئے کہ مرد کو گھر میں رکھا ہوا ہے مرد ایسے ہوتے ہیں کیا؟ جو دو مظلوم مجبور اور اکیلی عورتوں کو بے عزت ہوتے دیکھتے رہیں؟ ویسے خالہ جان خالہ جان کہتے زبان نہیں تھکتی اور جب وقت پڑا تو خالہ کا بھانجا بکری ہو گیا، رشتے تو نبھانے سے بنتے ہیں یونہی زبانی کلامی باتیں بنانے سے نہ رشتے بنتے ہیں نہ ہی نبھتے ہیں۔''

''بس یا اور کچھ؟'' ارسلان نے اس کے اندر کا غبار نکل جانے دیا اور جب وہ خاموش ہوئی تو بہت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس تم یہاں سے جاؤ ڈاکٹر۔''

''کیا یہ اس مسئلے کا حل ہے؟'' ارسلان نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' ذکیہ بیگم نے متفکرانہ لہجے میں کہا تو وہ دونوں ان کی جانب دیکھنے لگی۔

''محلے والوں کی اصلیت اور ذہنیت آج سامنے آ گئی ہے، اکیلی عورت ہو یا جوان لڑکی ہو مرد کے سہارے کے بنا ایسے ہی ہے جیسے بھیڑیوں کے نرغے میں ہرن، جیسے چیل کے پنجوں میں چڑیا، یہ لوگ ایسے ہی تھے ہمیشہ سے، بس ان کی اصلیت ذہنیت اور حقیقت کو سامنے آنے باہر نکلنے اور بے نقاب ہونے کا کوئی موقع کوئی بہانہ درکار تھا سو وہ اب انہیں مل گیا اور وہ اپنے دانت اور زبانیں تیز کر کے ہمارے دروازے پر چلے آئے۔''

''اب کیا ہو گا اماں، ہم تو اپنے ہی گھر میں غیر محفوظ اور بے اماں ہو گئے، کتنے کمینے لوگ ہیں محلے والے۔'' ربیعہ نے فکرمندی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''گالی نہیں دیتے۔'' ذکیہ بیگم نے اسے ٹوکا۔

''اور کیا دعائیں دیتے ہیں؟''

''ہاں دعا دو ایسے لوگوں کو کہ اللہ ان کو ہدایت دے۔''

''بس رہنے دو اماں، ہمارا محلے والوں پر سے اعتبار بھروسہ سب اٹھ گیا، دل میں کہیں یہ احساس اور اطمینان تو تھا کہ ابو کے بعد اس محلے میں کچھ ملے نہ ملے ہمیں عزت تو ملتی ہی رہے گی، اچھے برے وقت میں محلے دار کام تو آئیں گے ہم اکیلے تو نہیں ہوں گے، مگر سب کا بھرم جاتا رہا آج ہمارا بھی اور محلے داروں کا بھی جو اپنے گھروں میں موجود بہنوں، بیٹیوں کو دیکھتے نہیں ہیں کہ وہ کیا گل کھلا رہی ہیں ہم پہ رعب جمانے، حکم چلانے آن پہنچے ہیں، اب اگر دوبارہ وہ لوگ یہاں آئے نا، تو میں بھی ان کی بہنوں بیٹیوں کے کرتوت اور یہ نصرت اور فرزانہ جیسی آنٹیوں کو ان کے مردوں، شوہروں کے کچھن دکھا دوں گی، لگ پتا جائے گا ان سب کو، جو بڑے پارسائی کے شرافت کے علمبردار بنے ہم پہ تہمت لگانے آئے تھے۔'' ربیعہ نے سنجیدہ مگر تلخ اور تیز لہجے میں کہا ارسلان احمد خاموشی سے کرسی پر بیٹھا ان دونوں کو دیکھ اور سن رہا تھا، ربیعہ کی زبان اگر چلتی تو غلط نہیں چلتی تھی آج جس طرح اس نے محلے داروں کی بولتی بند کرائی تھی اور انہیں دھمکی بھی دی تھی جس سے وہ سب سٹپٹا گئے تھے ارسلان اس کی ذہانت اور سمجھداری کا قائل ہو گیا تھا، وہ اپنے حق کے لئے لڑنا اور ناانصافی اور جھوٹ کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت رکھتی تھی اس کی یہ اس خوبی نے بھی ارسلان احمد کے دل میں اس کی جگہ گہری کر لی تھی۔

''نہ ایسا نہیں کرتے۔'' ذکیہ بیگم نے ربیعہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کسی کا عیب پتا چل جائے تو اسے چھپاتے ہیں اس کا چرچا نہیں کرتے یہی تمہارا بڑا پن اور خوبی ہے، اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاق و کردار یہی تو ہے چندا، ہم ان جیسے نہیں ہیں ہمیں یہی تو ظاہر کرنا ہے۔''

''بس رہنے دو اماں آپ کی نصیحتوں اور کتابی باتوں سے محلے والوں کے منہ بند ہونے والے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دور خاموشی سے سر جھکا کے جینے اور رونے کا ہے اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنا ہمارا حق بھی ہے، فرض بھی ہے، ورنہ یہ بلے بھیڑیے بن جائیں گے اور بزدل گیدڑ شیر ہو جائیں گے اور ہمارا جینا دوبھر کر دیں گے۔'' ربیعہ نے حقیقت پسندانہ انداز میں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے سنجیدہ سپاٹ اور تلخ لہجے میں جواب دیا تھا۔

''بات تو تیری ٹھیک ہے۔'' ذکیہ بیگم گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے آزردگی سے بولیں۔

''اب جبکہ محلے والوں کی اصلیت سامنے آ چکی ہے تو میں تجھے لے کر یہاں نہیں رہ سکوں گی، مجھے تو تیری جان آن کی فکر ہونے لگی ہے۔''

''قسم سے اماں، تم نے یہ بات کہہ کے اپنی بیٹی کی صلاحیتوں کو انڈر ایسٹی میٹ کر دیا ہے، ارے میں کوئی میٹھی گولی نہیں ہوں کہ کوئی مجھے آسانی سے نگل لے گا۔'' ربیعہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''میٹھی گولی نہ سہی لڑکی تو ہے نا، اور لڑکی چاہے کتنی بھی بہادر کیوں نہ ہو میٹھی گولی جیسی ہی ہوا کرتی ہے جسے ہر ایرا غیرا کھانے چوسنے اور نگل جانے کو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔''

''میں خالہ جان کی بات سے متفق ہوں۔'' ارسلان احمد نے بھی خاموشی کا قفل توڑتے ہوئے کہا۔

''آپ سے رائے مانگی کس نے ہے؟'' ربیعہ نے طنز کیا تو وہ مسکرا کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''لیکن میں اپنی رائے دینا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس سارے معاملے کی بنیاد اور وجہ میں بنا ہوں اور میری وجہ سے جو ہوا برا ہوا باوجود اس کے کہ میرا قصور نہیں ہے پھر بھی مجھے آپ دونوں کی فکر ہے، خالہ جان، آپ کے لئے پریشان ہیں اور ان کی پریشانی بجا ہے کیونکہ ان کے سر پہ شوہر نام کی چادر ہے نہ ہی بیٹے کے بازوؤں کا سہارا اور مان بھروسہ ہے۔''

''کیا مطلب ہے ان باتوں کا؟'' ربیعہ نے چڑ کر پوچھا۔

''میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ آج جو کچھ یہاں ہوا اس سے آپ کے اور اہل محلہ کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے پہلے والی بات کبھی نہیں بن سکے آپ دونوں کے بیچ، اہل محلہ کی سوچ دیکھ سن لی آپ نے، ربیعہ جی، ایکبار کسی کی آنکھ سے شرم وحیا کا پردہ اتر جائے نا پھر وہ کھلم کھلا بے حیائی اور بے غیرتی پہ اتر آتا ہے ایسے انسان کو کسی کی پروا نہیں ہوتی نہ کسی کی جان، آن، آبرو کا احساس باقی رہتا ہے، آپ کے اور اہل محلہ کے بیچ ایک لحاظ پاس اور ہمدردی کا جو پردہ تھا وہ اب سرک گیا ہے، ہٹ گیا ہے وہ مروت کا پردہ بیچ سے، لہٰذا وہ لوگ پھر سے آپ لوگوں کو پریشان کرنے آئیں گے میرے جانے کے بعد بھی وہ آپ کے بارے میں ایسی ہی باتیں کریں گے۔''

''ارسلان بیٹا ٹھیک کہہ رہا ہے ربیعہ، یہ لوگ جو ہمیں مروتاً یا ہمدردی میں عزت دیتے تھے

اب وہ بھی نہیں دیں گے اور اگر ان نام نہاد شریفوں نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا تو ہم تو اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہ جائیں گے، چور بن جائیں گے اپنی ہی نظروں میں، ایک خوفزدہ اور غیر محفوظ زندگی ہم کب تک گزاریں گے؟ اپنے ہی محلے میں ایسے الزام لگ کر بدنام ہونے والی لڑکی سے شادی کون کرے گا؟ میں کیسے اور کہاں کس کے ساتھ بیاہوں گی تمہیں؟'' ذکیہ بیگم ماں تھیں لہٰذا ہر زاویے سے حالات کو دیکھ اور سوچ رہی تھیں، نہایت سنجیدہ اور فکر مند لہجے میں بولیں۔

''تو اماں اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اب ہوگا کیا؟''

''تمہارا نکاح ہوگا۔'' ارسلان نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے چیخ اٹھی۔

ذکیہ بیگم نے بھی حیرانگی سے ارسلان کی طرف دیکھا تھا انہیں اس کا بتایا گیا یہ حل بہت معقول محسوس ہوا تھا۔

''ہاں یہی اس مسئلے کا مناسب حل ہے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے۔'' ربیعہ نے غصیلے لہجے میں کہتے ہوئے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا

''میرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے اب تمہیں ٹھکانے پر لگانا ہے۔'' ارسلان اے اسے دیکھتے ہوئے معنی خیز بات کہی۔

''اے مسٹر! تمیز سے کچھ بھی کہے چلے جا رہے ہو تم۔'' ربیعہ نے انگلی اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں لتاڑا۔

''ارسلان ٹھیک کہہ رہا ہوں یہی اس مسئلے کا حل ہے۔'' ذکیہ بیگم نے کھوئے کھوئے اور تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اماں! آپ بھی۔''

''آج جو بھی ہوا اس کے بعد یہ لوگ تمہارے کردار پر انگلیاں ہی اٹھائیں گے کیونکہ ان کی ذہنیت ہی ایسی گری ہوئی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تمہارا نکاح کر دیا جائے۔''

''اچھا! اور کس سے ہوگا میرا یہ نکاح؟''

''مجھ سے۔'' ارسلان نے فوراً جواب دیا تو وہ یوں اچھلی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو جبکہ ذکیہ بیگم تو اس حل پر مارے خوشی کے آبدیدہ ہو گئیں۔ انہیں ڈاکٹر ارسلان احمد شروع سے ہی اپنا اپنا اور اچھا انسان لگا تھا۔ اب وہ ان کے اس مشکل وقت میں ان کا ساتھ نبھا رہا تھا تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو رہی تھیں۔ نجانے کیا سوچ کر وہ برآمدے میں چلی گئیں۔

''کیوں؟ تم کیوں یہ مہربانی کرنے چلے ہو؟'' ربیعہ نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہیں ایک مرد کا تحفظ چاہیے اور مجھے میری محبت چاہیے اور شادی تو مجھے تم سے ہی کرنا تھی حالات نے ابھی ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور شادی تو تم نے بھی ایک دن کرنی ہی ہے نا تو مجھ سے کیوں نہیں؟ قسم سے دل و جان سے اس رشتے کو نبھاؤں گا یہ سب جو ہوا میری یہاں موجودگی سے ہوا نہ میں اپنی تمہارے گھر موجودگی کو ایک معتبر نام دینا چاہتا ہوں یقین کرو تم پہ کسی کی میلی نگاہ نہیں پڑنے دوں گا۔ یہ تمہاری عزت کا سوال ہے ربیعہ اور میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ تم پر کوئی انگلی اٹھائے۔ تمہیں بدنام کرنے کی کوشش کرے یا تمہارے کردار کو داغدار کرنے کی جرات کرے اس لیے تمہارا میرے ساتھ نکاح ہونا ضروری ہے۔'' ارسلان نے اس کے قریب آ کر مدھم آواز اور نرم لہجے میں سمجھایا تو وہ اس کی بات کو سمجھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''ذرا سی بیوقوفی اور غلطی کی اتنی بڑی

سزا......اف۔"

"قدرت کے ہر کام میں کوئی مقصد چھپا ہوتا ہے سمجھنے کی کوشش کرو ہم نکاح نامہ دکھا کر محلے والوں کے منہ بند کر سکتے ہیں۔" ارسلان نے اسے رسان سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے صرف مجبوری کی وجہ سے محبت کی وجہ سے نہیں۔" ربیعہ ہار مانتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"انشاء اللہ ایک دن آئے گا جب تم مجھے اپناؤ گی محبت کی وجہ سے مجبوری کی وجہ سے نہیں ہیں۔" وہ یقین سے بولا۔

"سوچ ہے تمہاری۔"

"قسم سے۔" ارسلان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پریقین لہجے میں کہا۔

"قسمیں صرف کھانے کے لیے ہوتی ہیں نبھانے کے لیے نہیں ہوتیں۔" ربیعہ نے طنز سے کہا۔

"لیکن میں تمہیں ہمیشہ بہت خوش رکھوں گا قسم سے اور میں اپنی یہ قسم نبھاؤں گا، تمہارے سر کی قسم۔" ارسلان نے اسے دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔

"میرے سر کی قسم نہ کھاؤ اس میں پہلے ہی درد رہتا ہے۔"

"اوہو ایک تو تم خود شاعری جیسی اس پہ شاعری بھی کرتی ہو۔" ارسلان نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ۔" وہ تیزی سے بولتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ وہ بھی ہنستا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"اماں کہاں ہیں آپ؟"

"کیا ہوا؟" ذکیہ بیگم کسی سے موبائل پر بات کر رہی تھیں اسے خدا حافظ کہہ کر ربیعہ سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ اس وقت فون پر کس سے بات کر رہی تھیں؟" ربیعہ نے تحیر آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مولوی صاحب سے بات کر رہی تھی صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد تم دونوں کا نکاح ہوگا مسجد میں۔" ذکیہ بیگم نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

"اور اس نکاح میں گواہ کون ہوں گے یہ محلے والے جنہوں نے مجھ پر الزام دھرا ہے۔"

"ہرگز نہیں ماشاء اللہ مولوی صاحب کے اپنے چار بیٹے ہیں او چاروں بالغ ہیں وہی گواہ ہوں گے اس نکاح کے۔ تم اب جا کے سو جاؤ سحری کا وقت ہو جائے کچھ دیر میں پھر مسجد بھی جانا ہے ساری تیاری کرنی ہے زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" ذکیہ بیگم نے کمرے میں آتے ہوئے کہا وہ بھی ان کے پیچھے چلے آئے تھے دونوں۔ ربیعہ مچل کر بولی۔

"اماں ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کی کیا ضروری ہے؟"

"ضرورت ہے بیٹا۔"

"تو ٹھیک ہے نکاح ہی ہونا ہے ناں سادگی سے پھر تیاری کی کیا ضرورت ہے روزے میں کوئی چھوارے تو کھائے گا نہیں شام میں حلوہ یا زردہ بنا کر مولوی صاحب کے گھر بھیج دیں گے۔" ربیعہ نے تیزی سے کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ ارسلان احمد بھی اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"ہنس کیوں رہی ہیں آپ؟"

"کیونکہ میری بیٹی بڑی سمجھداری کی باتیں کر رہی ہے۔"

"تو سمجداری کی ایک اور بات کہوں اماں؟" ربیعہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں بول۔'' ذکیہ بیگم نے سوٹ کیس کھولتے ہوئے کہا تو وہ نہایت سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''اماں! اس ڈاکٹر کے ماں باپ نکاح میں نہ تو شریک ہوں گے اور نہ ہی انہیں اپنے بیٹے کے نکاح کا علم ہے۔ ماں باپ کی مرضی کے بغیر نکاح کر رہے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب! آپ کو کیا لگتا ہے ان کے گھر والے اور خاص کر ان کے ماں باپ اپنی بہو کی حیثیت سے قبول کر لیں گے؟ نہیں اماں! الٹا وہ بھی محلے والوں کی طرح مجھ پر الزام لگائیں گے کہ میں نے ان کے قابل سپوت کو ادائیں دکھا کر پھنسالیا۔''

''تو اس میں غلط کیا ہے پھنسایا نہیں ہے کیا تم نے مجھے؟'' ارسلان نے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ ذکیہ بیگم سوٹ کیس میں جانے کیا تلاش کر رہی تھیں اس کی بات ان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

''شٹ اپ! تم بھی محلے والوں کی زبان بول رہے ہو نا، چلے جاؤ یہاں سے نہیں کرنا مجھے تم سے نکاح پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا ڈرتی نہیں ہوں میں محلے والوں سے یہیں پیدا ہوئی ہوں اسی محلے کی گلیوں میں پلی بڑھی ہوں کس کو کیسے ہینڈل کرنا ہے اچھی طرح جانتی ہوں میں۔'' ربیعہ غصیلے لہجے میں بولتی چلی گئی۔ ذکیہ بیگم حواس باختہ سی اسے تکنے لگیں۔ ارسلان ایک شوخ جملہ بول کر شرمسار ہو گیا تھا۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا تم سے ایک دم لال مرچ ہو تم خالہ! سنبھالیں اپنی بیٹی کو میں تو چلا۔''

''کہاں جا رہے ہو بیٹا؟'' ذکیہ بیگم پریشان اور ہراساں سی پوچھنے لگیں۔

''اوپر اپنے کمرے میں جا رہا ہوں خالہ جان پریشان مت ہوں اس لال مرچ سے شادی میں ہی کروں گا۔ آپ آیئے مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' ارسلان نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو ذکیہ بیگم فکرمند سی اس کے ساتھ چلی گئیں۔

''پتا نہیں اب یہ ڈاکٹر اماں کو کیا پٹیاں پڑھائے گا؟ اللہ جی خیر کرنا پلیز۔'' ربیعہ نے باآواز کہا اور اپنے کمرے میں سونے کے خیال سے آ گئی مگر آج کی رات نیند کہاں آئی تھی؟

پھر وہی ہوا طے کیا گیا تھا۔ فجر کی نماز کے فوراً بعد مسجد کے حجرے میں ربیعہ اور ارسلان کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ نکاح میں صرف ذکیہ بیگم اور مولوی صاحب کے چاروں بیٹے بطور گواہ شریک ہوئے تھے اور ذکیہ بیگم نے فی الحال اس نکاح کا محلے میں کسی سے تذکرہ نہ کرنے کا عہد لیا تھا۔ مولوی صاحب سے اور مولوی صاحب بھلے آدمی تھے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے تھے سو ان کی بات رکھ لی۔

☆☆☆

''ہیلو مسز ارسلان احمد! کھانے کو کچھ ملے گا؟'' ربیعہ سحری بنا رہی تھی کہ ارسلان نے باورچی خانے میں آ کر پوچھا۔ کاسنی رنگ کے سادہ پرنٹ والے لان کے سوٹ میں بالوں کی چٹیاں بنائے وہ سادہ سے حلیے میں بھی بہت دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ ارسلان احمد نے بہت چاہ سے اسے دیکھا تھا۔

''بن جائے گا تو مل جائے گا فی الحال آپ کچن سے باہر جا کر بیٹھیے۔'' ربیعہ نے آلو کی ترکاری گرم کرتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کیوں نہ بیٹھوں تمہارے پاس؟'' ارسلان اسٹول کھسکا کر وہیں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''آپ کرائے دار ہیں اپنی حدود میں رہیے۔'' اس نے یاد دلایا تو وہ ہنس کر بولا۔

''ہم آپ کے شوہر نامدار بھی ہیں اب اور ہمارے حقوق اور حدود لامحدود ہیں ڈیئر۔''

''آپ نے اپنے پیرنٹس کو بتایا اپنے نکاح کے بارے میں؟'' وہ اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھنے لگی اور ساتھ ساتھ پراٹھا بھی بنانے لگی۔

''بتا دوں گا جب عید کی چھٹیوں پر گھر جاؤں گا تو اور اگر انہوں نے مجھے قبول نہیں کیا تو؟'' ارسلان کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس نکاح کو لے کر تحفظات کا شکار ہے اس کے خدشات درست تھے۔

''تو میں انہیں منالوں گا۔''

''وہ نہیں مانے تو؟'' ایک اور خدشہ بولا۔

''دو بہنوں کا اکلوتا بھائی اور ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں مائی ڈیئر سب میری بات سنتے اور مانتے ہیں۔''

''یہ سب باتوں سے الگ معاملہ ہے آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں؟'' ربیعہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''تم کیوں فکر کر رہی ہو؟ میں نے کہا نا میں سب سنبھال لوں گا تمہیں پورے وقار اور احترام کے ساتھ پروٹوکول کے ساتھ تمہارے سسرال لے کر جاؤں گا۔''

''سچ۔'' ربیعہ نے آس اور مان بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ اس کی میں دیکھتے ہوئے دل سے بولا۔

''قسم سے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' ربیعہ نے پراٹھا پلیٹ میں رکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''دیکھ لینا۔''

ربیعہ کی دی ہوئی دھمکی تھی جو اس نے سب کے پول کھولنے اور شرافت اور حیا کے پردے چاک کرنے کے حوالے سے اہل محلہ کو دے کر ان کے عزائم خاک میں ملا دیئے تھے ورنہ وہ ان ماں بیٹی کا جینا محال کرنے کا پورا ارادہ کر آئے تھے، سب کے دلوں میں چور تھا کہیں نہ کہیں سب بے ایمانی و بے حیائی کے مرتکب ہو چکے تھے لہٰذا ہر کسی کو اپنے کرتوتوں کا پردہ فاش ہونے کا ڈر تھا سو دوبارہ ذکیہ بیگم کے گھر کا رخ تو نہیں کیا تھا مگر دبے لفظوں میں آپس میں کھسر پھسر ضرور کرتے رہتے تھے اور اسکول جاتے آتے ہوئے ربیعہ کے کانوں تک کوئی تکلیف اور شرمناک جملہ ضرور پہنچ جاتا تھا جس سے ربیعہ کا پارہ ہائی ہو جاتا تھا، آج بھی ایسا ہی ہوا تھا اور وہ گھر آتے ہی غصے سے پھٹ پڑی تھی، اتفاق سے ارسلان بھی گھر موجود تھا اس کے سامنے ہی وہ بول اٹھی۔

''اماں! جب میرا نکاح ہو ہی گیا ہے ڈاکٹر کے ساتھ تو محلے والوں کو بتا کیوں نہیں دیتیں؟ یہ روز روز جوان کی زبانیں زہر اگلتی ہیں آنکھیں طنز و تمسخر سے مجھے دیکھتی ہیں اس سے تو نجات ملے گی مجھے۔''

''ارسلان کے ماں باپ آ جائیں گے تو ہم سب کو بتا دیں گے چند دن کی بات ہے تھوڑا صبر کر لے میری بچی۔'' ذکیہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔

''تو اماں! آپ کو بھی یہ خوف لاحق ہے نا کہ ارسلان کے ماں باپ نے اس نکاح کو قبول نہ کیا تو آپ کی بیٹی کو طلاق ہو جائے گی اور پھر آپ اہل محلہ کو کیا بتائیں گی کہ آپ کی بیٹی کی اگر شادی ہوئی تھی ڈاکٹر ارسلان کے ساتھ تو وہ اسے چھوڑ کیوں گیا؟''

''ربیعہ!'' ذکیہ بیگم اس کے غصے اور اس قدر تلخ تجزیے پر ہولاسی گئیں تھیں۔

''کیا ربیعہ؟'' وہ اسی جلالی انداز میں

بولی۔

''ایک ذرا سی غلطی سے جان چھڑانے کو دوسری بھیانک غلطی کی ہے اماں آپ نے، سیدھا سیدھا ڈاکٹر کو یہاں سے چلتا کرتی بات ختم ہو جاتی، اس سے نکاح پڑھوا کر ایک اور ٹینشن سر لے لی ہے ہم نے کہ ان کے گھر والے اس نکاح کو قبول کریں گے یا نہیں، میں پتا نہیں کیوں تمہاری باتوں میں آ گئی تھی اماں؟ مجھے یہ نکاح کرنا ہی نہیں چاہیے تھا کہہ دیں ڈاکٹر سے جس خاموشی سے یہ نکاح ہوا تھا اسی خاموشی سے مجھے طلاق دے کر چلا جائے یہاں سے مجھے اس کی بیوی بن کر نہیں رہنا۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔'' ذکیہ بیگم کا ہاتھ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا، ارسلان ہکا بکا رہ گیا اسے ذکیہ بیگم کے اس ردعمل کی توقع نہیں تھی، توقع تو ربیعہ کو بھی نہیں تھی مگر ضبط کر گئی ان کا تھپڑ، ارسلان کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

''نامحرم تھا تو گھر میں رہ رہا تھا اب محرم بنا ہے تیرا شوہر بنا ہے تو اسے گھر سے جانے کے لئے کہہ رہی ہے محلے والوں کی تو ذہنیت ہی خراب ہے اب ان کے اور ہمارے بیچ شرم، لحاظ کا جو پردہ تھا وہ باقی نہیں رہا تو وہ تو کچھ بھی بولیں گے تو بس نظر انداز کیا کر۔'' ذکیہ بیگم نے غصے سے کہا تو دکھ سے بولی۔

''ہاں اماں! ٹھیک ہے تم غلطی پہ غلطی کیے جاؤ اور میں نظر انداز کیے جاؤں، تمہارے ماں باپ نے تمہاری غلطی معاف نہیں کی آج اب تم چاہتی ہو کے مجھے بھی لوگ یہی طعنہ دیں کے جیسی ماں ویسی بیٹی، اماں تم تو بھگت رہی ہو آج تک پھر بھی تم نے جو اس آگ میں جھونک دیا، میرے کردار کے ساتھ جو الزام محلے والوں نے جوڑا ہے نا اماں، ارسلان کے گھر والے اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کریں گے اور اگر مجھے طلاق بھی دلوائی نہ انہوں نے تو ساری زندگی طعنے دے دے کر ماریں گے مجھے۔''

''شٹ اپ، کیا فضول باتیں کر رہی ہو تم میرے گھر والے ایسے ہر گز نہیں ہیں۔'' ارسلان نے اس کی بات کاٹ کر قدرے غصے سے کہا تو وہ اسے گھورنے لگی جبکہ ذکیہ بیگم دل تھام کر بستر پہ بیٹھ گئیں تھیں۔

''ہاں جی ایسے ویسے تو بس ہم ہی ہیں ناں۔''

''ادھر آؤ میرے ساتھ، خالہ جان کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟'' ارسلان اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اس باہر برآمدے میں لے آیا۔

''میں تو جیسے بہت خوش ہوں نا یہ سب کہہ کر۔''

''تم باہر مت جایا کرو نہ باہر جاؤ گی نہ لوگ باتیں بنائیں گے، بات کچھ بھی نہیں تھی اور بتنگڑ بن گیا، تم نوکری چھوڑ دو ویسے بھی مجھے کمانے والی بیوی نہیں چاہیے، دل لبھانے والی پیار لٹانے والی بیوی چاہیے۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا اور غصے سے بولی۔

''یہ تو تمہیں مجھ سے نکاح کرنے سے پہلے سوچنا تھا مسٹر، نکاح کے تین بول پڑھوا کر اب تم سب یہ ڈیمانڈ کرو گے کہ میں نوکری چھوڑ دوں، بولنا چھوڑ دوں، اماں کو پریشان کرنا چھوڑ دوں، گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دوں، واہ بھئی بہت خوب کل کو کہو گے دنیا چھوڑ دوں۔''

''نہیں، ایسا تو میں کبھی نہیں کہوں گا۔'' ارسلان نے ایکدم سے اس کے گلاب ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر بے قراری سے کہا وہ سٹپٹا گئی پل بھر مگر سنبھل بھی گئی تھی فوراً۔

''کیونکہ تم تو میری دنیا ہو، زندگی ہو، پیار ہو۔''

''سب جھوٹ۔'' وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر بولی۔

''قسم سے سب سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اچھا، اگر اتنے ہی سچے ہو نا تو جاؤ جا کر اپنے گھر والوں کو ہمارے نکاح کے بارے میں بتاؤ اور مجھے عزت سے رخصت کروا کر لے جاؤ، اگر ایک ہفتے کے اندر اندر تم ایسا نہیں کر سکتے تو یہ نکاح ختم کروا اپنا بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے چلتے بنو۔'' ربیعہ نے مضبوط لہجے میں کہا ارسلان کا دل ڈوب گیا تھا اس کی باتوں کو سن کر کہ وہ اسے ذرا سا بھی پسند نہیں کرتی اس کے اس کی زندگی میں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا جبھی وہ یہ نکاح ختم کرنے کی بات اتنی آسانی سے کہے جا رہی تھی، وہ بہت دکھی ہو رہا تھا کہ ربیعہ کو اس کی محبت پر بھی یقین نہیں ہے۔

''ٹھیک ہے میں آج رات کو چلا جاؤں گا اور بہت جلد آؤں گا تمہیں رخصت کرا کے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے۔'' ارسلان نے لمحوں میں فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ طنز سے بولی۔

''دیکھتے ہیں۔''

''دیکھ لینا۔'' وہ مسکرایا۔

وہ گنگناتا، مسکراتا ہوا رات کو عشاء کے بعد لاہور جانے والی بس میں سوار ہو گیا تھا، اس کے جاتے ہی ربیعہ کو نہ صرف گھر میں بلکہ اپنے اندر بھی خالی پن کا احساس ہونے لگا تھا، اچانک، جبکہ ذکیہ بیگم کو ربیعہ کی باتیں درست محسوس ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے نالاں اور برہم تھیں اور ربیعہ پر ہاتھ اٹھانے پر بھی وہ بہت رنجیدہ تھیں کہ اسے آج تک پیار سے بھی نہیں مارا تھا اور اب غصے میں اسے تھپڑ دے مارا تھا وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی، انہوں نے ارسلان کے والدین سے بات کیے بنا ان کا نکاح پڑھا دیا تھا اب انجام کی بہتری کے لئے وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز تھیں رو رہی تھیں، دعائیں مانگ رہی تھیں۔

☆☆☆

دو ہفتے ہو گئے تھے ڈاکٹر ارسلان کو گئے ہوئے، ربیعہ افطاری کی تیاری کر رہی تھی جب پڑوسن کلثوم خالہ، پلیٹ میں کھیر لے کر چلی آئیں۔

''کیا لے آئیں خالہ؟'' ربیعہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کھیر بنائی تھی آج تمہارے خالو کی فرمائش پہ تو یاد آیا کہ اپنی ربیعہ کو بھی کھیر بہت پسند ہے تو ایک پلیٹ تمہارے لئے لے آئی۔'' کلثوم خالہ نے اپنائیت سے کہا تو وہ پلیٹ ان کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے تشکر بھرے لہجے میں بولی۔

''شکریہ خالہ! آپ بہت اچھی ہیں۔''

''اے جیتی رہو اللہ نصیب اچھے کرے۔'' کلثوم خالہ نے خوش ہو کر دل سے اسے دعا دی، ذکیہ بیگم عصر کی نماز پڑھ کر ادھر ہی آ گئیں، تو سلام دعا کے بعد کلثوم خالہ کہنے لگیں۔

''ذکیہ بہن، یہ تم نے بہت اچھا کیا جو ڈاکٹر کو یہاں سے بھیج دیا، محلے والے تو طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے اپنے گریبان میں جھانکتے نہیں ہیں اور دوسروں کے دامن پر کیچڑ اچھالنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

''ہاں کلثوم بہن، یہی اس معاشرے کا المیہ ہے۔'' ذکیہ بیگم نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی تھا خالہ، محلے والوں کی اصلیت سامنے آ گئی۔'' ربیعہ نے ان کی پلیٹ چنے والے پلاؤ ڈال کر پلیٹ ڈھک کر انہیں دیتے ہوئے

کہا۔

''اے بچی، اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں تنگ نظر تنگ دل، تنگ ذہن، خیر دفعہ کرو ایسے لوگوں کو مجھے تو ڈاکٹر بہت شریف لڑکا لگا تھا، تمہارے خالو کو ہسپتال میں ملا تھا کل یہ اپنے سر درد کی دوا لینے گئے تھے اور اپنے بھائی کی مزاج پرسی کو ہسپتال گئے تھے نا کل تو وہیں ڈاکٹر ارسلان سے ملاقات ہوگئی تھی۔''

''ڈاکٹر ارسلان اسی شہر میں ہے خالہ؟''
ربیعہ اور ذکیہ بیگم نے حیرت سے ایک دوجے کو دیکھا تھا، ربیعہ نے فوراً کلثوم خالہ سے پوچھا تو وہ بولیں۔

''ہاں بیٹی! ظاہر ہے نوکری ہے اس کو یوں نوکری چھوڑ کر تو نہیں جائے گا نہ یہاں سے محض اس وجہ سے کہ تم نے اسے کرایے دار کی حیثیت سے رکھنے سے انکار کر دیا، تمہارے خالو بتا رہے تھے وہ وہیں ڈاکٹروں کے ہوسٹل میں رہ رہا ہے، کہہ رہا تھا کہ چھٹی تو عید پہ ہی ملے گی وہ بھی صرف دو دن کی اب میں ذرا سی بات پر اپنی نوکری چھوڑ کے کیوں چلا جاؤں حیدر آباد سے؟ اور رہنے کے ٹھکانے تو مل ہی جاتے ہیں یہ انسانوں کا شہر ہے کوئی جنگل تھوڑی ہے جو میں کھلے آسمان تلے بیٹھ جاؤں گا، اچھا ربیعہ بٹی میں اب چلتی ہوں افطاری بنا رہی تھی سوچا پہلے تمہیں کھیر دے آؤں باقی افطاری آ کر بنا لوں گی۔''
کلثوم خالہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں، ربیعہ اور ذکیہ بیگم ان کی باتوں سے ملنے والے شاک کے زیر اثر تھیں، انہیں ٹھیک سے خدا حافظ بھی نہ کہہ پائیں۔

''اماں! سنا تم نے، ڈاکٹر ارسلان اسی شہر میں ہے وہ لاہور گیا ہی نہیں اپنے گھر والوں سے بات کرنے، اس نے جھوٹ بولا ہم سے دھوکہ دیا ہمیں، تو اماں یہ نکاح تو سچ ہے نا، اس سچ کو وہ اپنے گھر والوں سے کیوں چھپا رہا ہے، اب اگر وہ یہ رشتہ قائم رکھنے کی جرأت نہیں رکھتا اپنے اندر تو مجھے طلاق کیوں نہیں دے دیتا۔'' ربیعہ نے ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے مرے مرے لہجے میں استفسار کیا، ذکیہ بیگم اسے کیا جواب دیتیں وہ تو خود کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی حالت میں بیٹھی تھیں، گنگ، چپ چاپ اور خاموشی سی، جیسے سب کچھ لٹا چکی ہوں، ہار گئی ہوں، ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں۔

''ڈاکٹر ارسلان احمد! میں نے تو تم سے کوئی وعدہ نہیں لیا تھا، کوئی عہد و پیمان نہیں باندھے تھے، تم نے ہی اس رشتے کو نبھانے کی قسم کھائی تھی، جھوٹی قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی، میں نے تو کہا تھا کہ ختم کر دو یہ رشتہ پھر اس جھوٹ اور فریب کی کیا ضرورت تھی، جا رہے تھے واپس نہ آنے کے لئے تو مجھے اس رشتے سے آزاد کر دیا ہوتا کیوں انتظار کی سولی پر لٹکایا ہے مجھے، میری ماں کو اس عمر میں اتنا بڑا دکھ کیوں دیا تم نے، چلے ہی جانا تھا تو اسی رات کیوں نہ چلے گئے جب محلے والوں نے ہمیں ہمارے ہی گھر میں بے عزت و بے اماں کرنے کی کوشش کی تھی، نکاح کا ڈرامہ، محبت کرنے کا فریب، ساتھ نبھانے کی قسم کیوں دی تم نے مجھے؟'' ربیعہ سونے لیٹی تو اس کے دل و دماغ ارسلان احمد کو کٹہرے میں کھڑا کیے جرح کرنے لگے مگر کوئی معقول جواب نہیں ملا تھا اسے۔

''کہیں ایسا تو نہیں ربیعہ نصیر اللہ، کہ ڈاکٹر ارسلان احمد نے تم سے تمہاری بدتمیزی اور زبان درازی کا بدلہ لینے کے لئے یہ کھیل کھیلا ہو، تم نے اسے کھری کھری سنائی تھیں ناں، اس نے بدلہ لیا ہوگا یہ سب کر کے آخر کو وہ ایک مرد ہے اور مرد،

ایک لڑکی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر انتقام لینے کے لئے فوراً تیار رہتا ہے۔'' دماغ نے خدشہ ظاہر کیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ جی! میرے حق میں بہتر کرنا میری آن آبرو سلامت رکھنا میری ماں کو میرا سکھ دیکھنا نصیب کرنا۔'' بہتی آنکھوں اور دکھتے دل کے ساتھ اس نے تڑپ کر دعا مانگی تھی۔

''اماں ٹھیک کہتی ہیں بہت زیادہ بولنا کبھی کبھی بہت زیادہ نقصان کا باعث بن جایا کرتا ہے زبان کی تیزی آن کی تنزلی کا سبب بن جایا کرتی ہے۔'' وہ با آواز بولی اور آنسو صاف کرنے لگی کے اماں کی آواز آ رہی تھی وہ اسے سحری کے لئے بلا رہی تھیں کتنا وقت ہو گیا تھا اسے پتا ہی نہ چلا تھا، وہ خود کو نارمل ظاہر کرتی ہوئی سحری کرنے چلی گئی۔

''اماں! اس ڈاکٹر داماد کا اتا پتا ٹیلی فون نمبر کچھ بھی نہیں لیا تم نے اور اپنی اکلوتی بیٹی اس کے نام لکھوا دی۔'' اگلے دن ربیعہ نے ذکیہ بیگم کو سلائی کرتے دیکھ کر کہا تو وہ ایک لمحے کے لئے رک گئیں اور دوبارہ سے کپڑے سلائی کرنے لگیں۔

''مسز کرمانی کے ہاں کپڑے دینے جائیں تو ان سے اپنے داماد کا اتا پتا معلوم کر لیجئے گا یا پھر ہسپتال جا کر معلوم کریں کے موصوف کہاں رہتے ہیں اصل میں پکڑیں اسے اور یہ نکاح کا قصہ تمام کرائیں۔'' ربیعہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی، ذکیہ بیگم کی آنکھیں بے اختیار چھلک پڑیں۔

☆☆☆

عید میں صرف دو دن باقی تھے اور نصیر اللہ مرحوم کے گھر میں سوگ طاری تھا، ذکیہ بیگم کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی وہ مسز کرمانی سے اور ارسلان احمد کے ہسپتال دونوں جگہوں سے مایوس لوٹی تھیں، مسز کرمانی ڈاکٹر ارسلان سے کراچی میں ملی تھیں ایک بار اپنا چیک اپ کرایا تھا تو بس اسی واسطے سے جانتی تھیں، ہسپتال والوں نے کہہ دیا کہ وہ یہاں کام ہی نہیں کرتے ربیعہ بھی ان کے ساتھ گئی تھی یہ سن کر تو اس کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی، مگر ماں کا چہرہ دیکھ کر اسے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

''کل تک تو وہ ہسپتال میں تھا آج کہہ رہے ہیں کہ یہاں کام ہی نہیں کرتا، واہ میں کہے دے رہی ہوں اماں، تمہارا داماد کوئی گیم کھیل رہا ہے ہمارے ساتھ عید تک اگر وہ نہیں آیا نہ تو دیکھنا میں اس کے کیسے بینڈ بجاتی ہوں آپ ہی دوڑا چلا آئے گا۔''

''اپنا کیا کرے گی تو؟'' ذکیہ بیگم نے پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وقت آنے پہ خود ہی دیکھ لینا۔''

''ربیعہ!''

''کیا ربیعہ؟ اٹھو عید کی تیاری کرو اس بھگوڑے ڈاکٹر کی وجہ سے ہم اپنی عید کیوں خراب کریں، عید تو اللہ کا تحفہ اور انعام ہوتی ہے اسے ہنسی خوشی منانا چاہیے اور تم پریشان مت ہو اماں، میرا نام ربیعہ نصیر اللہ ہے میرا مددگار تو میرا اللہ ہے اللہ کے ہوتے ہوئے کوئی میرا بال بھی بھیگا نہیں کر سکتا، انشاء اللہ سب بہت اچھا ہو گا، چلو اب بستروں اور صوفے کے نئے کور نکالو تب تک میں گھر دھولوں عید کے موقع پر گھر کو صاف ستھرا ہونا چاہیے۔'' ربیعہ تیزی سے بولتی ہوئی صحن میں لگے نل سے پانی کا پائپ جوڑ چکی تھی اور جھاڑو اٹھائے گھر کا فرش دھونے کو تیار تھی، ذکیہ بیگم نے دکھ اور محبت سے اسے دیکھا، جانے انہیں ایسا

یوں لگا کہ وہ انہیں خوش کرنے کے لئے ان کے سامنے خود کو خوش اور پریشانی سے لاپرواہ ظاہر کرنے کے لئے ایسا کر رہی ہے، بہرحال جو بھی تا دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا تھا۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی مساجد میں نماز عید کے اوقات کا اعلان کیا جا رہا تھا اور چاند نظر آنے کی نوید سنائی جا رہی تھی، خالہ کلثوم اپنی بیٹی مدیحہ کے ساتھ ذکیہ بیگم اور ربیعہ کو چاند کی مبارکباد دینے چلی آئیں، ماسی رحمتے بھی مبارکباد کے ساتھ کھیر دے کر گئیں، ذکیہ بیگم شیر خورمہ تیار کرنے لگیں اور ربیعہ مدیحہ کے ساتھ بیٹھ کر اپنے ہاتھوں پر مہندی لگانے لگی۔

''دیکھنا اس عید پر تمہارے ہاتھوں پر میرے نام کی مہندی لگے گی۔'' ڈاکٹر ارسلان احمد کا جانے سے پہلے کہا گیا جملہ اسے یاد آیا تو بے اختیار بولی۔

''جھوٹا۔''

''قسم سے۔'' قریب ہی اس کے کانوں میں سرگوشی ہوئی تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟'' مدیحہ نے مہندی لگاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''وہم ہوا تھا، تم مہندی لگاؤ نا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ٹالا تھا اور دل کی بے چینیوں پر حیران ہوتے ہوئے اپنا دھیان ارسلان احمد سے ہٹا کر مہندی کے ڈیزائن پر مرکوز کیا تھا۔

آج عید تھی اور ذکیہ بیگم نے محلے والوں کے اس سلوک کے باوجود سب کے گھروں میں سویاں بھیجی تھیں، اور عید ملنے کے لئے گھر آنے والوں کی خاطر تواضع کے لئے شیر خورمہ رکھا تھا، محلے کی بچیاں بھی عید ملنے گھر آئی تھیں، ذکیہ بیگم نے سب کو پچاس پچاس روپے عیدی دی تھی اور شیر خورمہ کھلایا تھا، ٹافیاں بھی دی تھیں، ہلکے آسمانی رنگ کے لان کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ بہت اداس دکھائی دے رہی تھیں، ربیعہ نے لان کا سبز رنگ کا پرنٹڈ شلوار قمیض اور نیٹ کا سرخ دوپٹہ پہنا ہوا تھا اور اس شوخ رنگ میں اس کا سفید رنگ مزید نکھرا نکھرا محسوس ہو رہا تھا، اس اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی میں سرخ و سبز کانچ کی چوڑیاں پہنی تھیں، لیز اسٹریپ والی چپل پہنی تھی، بالوں کی فرنچ فیل بنائی تھی، آنکھوں میں کاجل کی باریک سی لائن ہونٹوں پر ہلکی سی سرخ لپ اسٹک لگائے وہ کسی کے بھی دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی، یہ معمولی سی تیاری بھی اسے بیش قیمت اور انمول ظاہر کر رہی تھی۔

''اماں! دوسروں کی بچیوں کو تو عید دے دی ہے اپنی بچی کا کیا قصور ہے اسے بھی عیدی دے دو۔'' ربیعہ نے ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولیں۔

''تیری عیدی تو تیرا سہاگ ہے۔'' اسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی تھی، ربیعہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیجئے آ گیا میرا سہاگ۔''

''اللہ تیری زبان مبارک کرے۔'' ذکیہ بیگم نے بے اختیار ہو کر دل سے کہا اتنے میں ربیعہ نے جا کر دروازہ کھول دیا، قبولیت کا شدید ایسا ہی لمحہ ہوتا ہے جو پل بھر میں آپ کی زبان سے نکلی ہوئی دعا قبول کر لیتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر ارسلان احمد کھڑا مسکرا رہا تھا، سفید کاٹن کے اسٹائلش کرتے شلوار اور پشاوری چپل میں وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا، ربیعہ تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ مسکراتے

ہوئے اس کے حسین سراپے کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے شوخ لہجے میں بولا۔
''السلام علیکم! مسز ارسلان احمد۔''
''وعلیکم السلام۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیتی سامنے سے ہٹ گئی تھی، ارسلان احمد مسکراتے ہوئے اپنے والدین کو اندر بلا رہا تھا، ربیعہ حیران حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی، ارسلان کے ماں باپ ذکیہ بیگم سے یوں مل رہے تھے جیسے صدیوں کی پہچان ہو اور ان کے پیچھے دو بزرگ اور تھے۔
''پیکر حیرت بنی بھی دل میں اتر رہی ہو۔'' ارسلان احمد نے ربیعہ کے قریب آکر آہستگی سے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا وہ فوراً بولا۔
''قسم سے۔''
''یہ سب خواب ہے نا؟'' وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔
''اچھا تو تم یہ خواب دیکھتی تھیں کہ میں اپنے پیرنٹس کو لے کر آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا ہے نا۔''
''نہیں میں یہ دعا مانگتی تھی تاکہ میری ماں کو سکون مل جائے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔
''بس یہی دعا مانگتی تھیں۔'' جانے وہ کیا سننا چاہ رہا تھا۔
''ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے ماں باپ کے بلانے پر ان کی طرف آ گئی اور اس کے لئے انکشاف بہت حیرت کا باعث بنا تھا کہ وہ اس کے سگے خالہ خالو تھے، ارسلان احمد اس کی ماں ذکیہ بیگم کا سگا بھانجا تھا اور وہ بزرگ خاتون اور صاحب ربیعہ کے نانا نانی تھے اتنے سارے رشتے اسے اچانک سے مل گئے تھے، اس کی تو حیرت ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، ذکیہ بیگم اپنے ماں باپ سے بائیس برس بعد مل کر روئے جا رہی تھیں۔
''بیٹی مجھے معاف کر دینا میں نے ذرا سی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ناحق تم پہ ظلم کیا، تم سے قطع تعلق کرنے کے بعد میں کبھی چین سے سو نہیں سکا بس یہی سوچتا رہا کہ تم خود ہی واپس آکر مجھ سے معافی مانگ لو گی اس غلطی کی جو تم نے کی ہی نہیں تھی، آج برسوں بعد تم سے ملے ہیں ہم وہ بھی عید کے دن، عید کے دن تو دشمن بھی اگر گھر چل کر آئے تو اسے معاف کر دیتے ہیں کیا تم مجھے، ہم سب کو، معاف نہیں کرو گی ذکیہ بیٹی؟'' ریاض امجد نے روتے ہوئے ذکیہ بیگم کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔
''ابا جی مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے، آپ معافی مانگ کر مجھے گناہ گار مت کریں، میری تو بس یہی دعا تھی کہ مرنے سے پہلے آپ سب سے ملاقات ہو جائے ایک بار آپ دونوں کو دیکھ لوں، شکر ہے آج اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔''
ذکیہ بیگم نے ان کے بندھے ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہا تو انہوں نے ذکیہ بیگم کو اپنے سینے سے لگا لیا، دونوں باپ بیٹی رو رہے تھے، ربیعہ کو یہ سب بہت دکھ بھی دے رہا تھا اور غصہ بھی دلا رہا تھا وہ خاموشی سے اوپر چھت پر چلی گئی، ارسلان احمد نے قدرے حیرت سے اسے یوں جاتے دیکھا تھا۔
''ارے مریں تمہارے دشمن تم نے تو ابھی بچوں کی اور ان کے بچوں کی خوشیاں دیکھنی ہیں، ارسلان بھی تو اب تمہارا بیٹا ہے نا، بڑی عید سے پہلے میں اپنی بہو کو رخصت کرا کے لئے جاؤں گی ہاں۔'' صفیہ بیگم نے ذکیہ بیگم کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے دل سے کہا۔

''بہو نہیں بیٹی بن کر رہے گی ربیعہ ہمارے گھر میں۔'' الیاس الدین مسکراتے ہوئے بولے تو ذکیہ بیگم کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا، وہ پھر سے اپنے میکے سے جڑنے جارہی تھیں، ان کا سگا بھانجا ان کا داماد بنا تھا، قدرت نے کس طرح سے انہیں آپس میں ملایا تھا۔

''واہ ری قدرت تیرے رنگ نرالے۔'' وہ دل ہی دل میں اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

''میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ قسمت مجھے میرے اپنوں سے اس طرح ملا دے گی ارسلان نے بتایا ہی نہیں کہ آپ کا بیٹا ہے، مگر نجانے کیوں یہ مجھے اپنا اپنا سا لگا تھا۔'' ذکیہ بیگم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں تو وہ سب مسکرا رہے تھے۔

''تمہارا پتہ مجھ سے کھو گیا تھا ہم دوبئ چلے گئے تھے تو رابطہ ہی نہ رہا، ابھی پچھلے برس ہم لاہور شفٹ ہوئے ہیں، ارسلان یہاں آرہا تھا تو میں نے اسے تاکید کی تھی کہ اپنی خالہ خالو کا گھر ضرور ڈھونڈنا، قدرت خدا کی سنز کرمانی وسیلہ بن گئیں اور تم اسے حیدر آباد آتے ہی مل بھی گئیں، نکاح بھی کن حالات میں ہوا ہمیں سب معلوم ہے اس نے ہم دونوں سے مشورہ کر کے اجازت لے کر ربیعہ سے نکاح کیا تھا، ربیعہ کے بارے میں ارسلان نے مجھے سب بتا دیا تھا، ماشاء اللہ بہت سمجھدار ہے تمہاری بیٹی۔'' صفیہ بیگم نے تفصیل سے ساری بات بتاتے ہوئے آخر میں ربیعہ کی تعریف کی۔

''مگر ربیعہ کی ماں بہت بیوقوف اور ناسمجھ ہے اگر ارسلان آپ کا بیٹا نہ ہوتا اور دھوکہ دے جاتا تو میری کم عقلی کی وجہ سے میری بیٹی کی زندگی تو خراب ہوگئی تھی نا۔'' ذکیہ بیگم نے شرمندگی سے کہا تو صفیہ بیگم ان کا ہاتھ تھام کر رسان سے بولیں۔

''خود کو دوش مت دو ذکیہ، دیکھو جب تقدیر نے کسی کو ملانا ہوتا ہے نا تو وہ اسی طرح سے حالات بناتی ہے ایسے ہی ملوانا تھا قدرت نے ہمیں پھر سے، کیونکہ خون کے رشتے کبھی جدا نہیں ہو سکتے کبھی نہ کبھی زندگی کے کسی موڑ پر ہمیں پھر سے ملنا ہی تھا سو ہم سب مل گئے اور ہم بہنیں تو اب ایسی ملی ہیں کہ اپنے بچوں کی شادی کی وجہ سے یہ رشتہ ہمیشہ کے لئے اور بھی مضبوط بنا رہی ہیں اب سارے دکھ بھول جاؤ ہم سب اب لاہور میں رہیں گے۔''

''لیکن میں کیسے رہ سکتی ہوں آپ کے ساتھ۔''

''کیوں نہیں رہ سکتیں تم ہمارے ساتھ؟'' الیاس احمد نے بھی خاموشی کا قفل توڑتے ہوئے کہا تو ذکیہ بیگم نے کہا۔

''بیٹی کے سسرال میں رہوں گی تو لوگ ہزار باتیں بنائیں گے آپ کو پتا تو ہے نا کہ ارسلان کے یہاں چند روز رہنے پر محلے والوں نے کیا کیا باتیں بنائی تھیں۔''

''لوگ تو کسی بھی حال میں چین سے جینے نہیں دیتے ذکیہ بہن، تم پہلے ہماری بہن ہو پھر ہماری سمدھن ہو اور ایک بہن اپنی بہن یا بھائی کے گھر میں رہ سکتی ہے یہ اس کا حق ہے اور ہم اس سلسلے میں تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔'' الیاس احمد نے سنجیدگی سے فیصلہ سنا دیا وہ ریاض امجد اور سکینہ بیگم کو دیکھنے لگے جو بہت خاموش سے بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''تم چاہو تو ہمارے ساتھ بھی رہ سکتی ہو تمہارا میکہ ابھی سلامت ہے، میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تم سے تمہارا میکہ چھڑوا دیا تھا، رشتے تو آسمانوں پر طے ہو جاتے ہیں تمہارا اور نصیر اللہ

کا جوڑ لکھا تھا، میں نے ہی اپنی من مرضی اور انا کا مسئلہ بنا لیا تھا، ہمیں بہت دکھ ہے نصیر اللہ کی موت کا، اچھا انسان تھا، جس نے تمہارے ساتھ مرتے دم تک ساتھ نبھایا اللہ اس کی مغفرت کرے۔'' ریاض امجد نے شرمندہ اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اوہو اب پوری عید کیا رونے دھونے اور معافی تلافی کرنے میں گزاریں گے آپ لوگ؟'' ارسلان نے اٹھتے ہوئے کہا تو سب مسکرا دیئے۔

''خالہ جان میٹھی عید ہے سویاں شیر خورمہ کچھ نہیں کھلائیں گی ہمیں۔'' ارسلان نے ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں بیٹا، تم بیٹھو میں ابھی لائی، یہ ربیعہ کہاں چلی گئی؟'' ذکیہ بیگم نے محبت سے کہتے ہوئے ربیعہ کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں۔

''چھت پہ گئی ہے غصے میں تھی۔'' ارسلان نے بتایا تو وہ بڑبڑانے لگیں۔

''ایک تو یہ لڑکی بھی نا غصہ ناک پر لئے پھرتی ہے۔''

''نہیں خالہ جان، عید کے دن میری بیوی کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ کریں پلیز شی از دی بیسٹ۔'' ارسلان نے فوراً حد ادب میں رہتے ہوئے انہیں دیکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑیں۔

''دیکھ لو ذکیہ، تمہاری بیٹی کی محبت میں بول رہا ہے بہت گنوں والی ہے تمہاری ربیعہ یہ یونہی تو اس کے لئے پاگل نہیں ہوا جا رہا۔'' صفیہ بیگم نے ان کے پاس آ کر کہا تو انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

''شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے اتنا پیارا داماد دیا۔'' ذکیہ بیگم سب کے لئے شیر خورمہ اور سویاں لے کر آ گئیں، دروازے پر دستک ہوئی اس دوران تو انہوں نے جا کر دروازہ کھولا سامنے محلے کے وہی معززین کھڑے تھے جو چند روز قبل ان کو مرد کرایے دار رکھنے پر اخلاقیات اور اسلامیات کا درس دینے آئے تھے، رفیق صاحب، منظور الٰہی، فرزانہ، نصرت بیگم، زبیر پان والا، ارشد جنرل اسٹور والا۔

''خیریت ہے عید مبارک کہنے آئے ہیں نا آپ سب مجھے؟'' ذکیہ بیگم نے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا تو فرزانہ بولی۔

''سوچا تو یہی تھا کہ تم نے سویاں بھجوائی ہیں تو ہم بھی عید کے دن سب بھلا کر تمہیں مبارک باد دینے جائیں گے مگر تم نے ہمیں ایک پلیٹ سویوں کے ذریعے رشوت دینے کی کوشش کی، یہ تو ہمیں اب سمجھ آئی ہے۔'' فرزانہ تیزی سے بولتی چلی گئی، ارسلان احمد بھی وہیں چلا آیا۔

''کیا مطلب؟ میں کیوں رشوت دوں گی آپ لوگوں کو ہر سال عید کے روز میں سویاں بھیجتی ہوں آپ سب کے ہاں اس بار بھی میں نے اپنی روایت برقرار رکھی باوجود آپ لوگوں کی کمینگی کے میں نے عید کے دن کا خیال کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔'' ذکیہ بیگم نے نہایت سنجیدگی سے کہا تو ارسلان احمد لب کاٹنے لگا، غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''ہم تو سمجھے تھے کہ تم نے ڈاکٹر کو نکال دیا ہے مگر یہ تو آج پھر یہاں نظر آ رہا ہے کرایے دار بھی نہیں رہا تو یہاں کیا کرنے آیا ہے آج، گھر سے نکالا کیوں نہیں ہے اسے؟'' منظور الٰہی نے کرختگی سے سوال کیا۔

''کیوں نکالیں گی یہ مجھے اپنے گھر سے؟'' ارسلان احمد غصے سے بول پڑا۔

''میں ذکیہ خالہ کا بھانجا ہوں اور صرف بھانجا نہیں ہوں ان کا داماد بھی ہوں۔''

''کیا؟ داماد، بھانجا؟'' وہ سب اس انکشاف پر ششدر رہ گئے۔

''جی ہاں داماد اور سگا بھانجا، یقین نہ آئے تو نکاح نامہ دکھاؤں اپنے ماں باپ اور دادا دادی سے ملواؤں وہ سب گھر کے اندر موجود ہیں اور رخصتی کی تاریخ لینے آئے ہیں عید کے مبارک دن، تو کیسے کیوں نکالیں گی خالہ مجھے اپنے گھر سے، آپ لوگ اپنے دامادوں کو اپنے گھر سے نکال دیں گے کیا، اپنے سگے بھانجے کو چند دن اپنے گھر مہمان بنا کر نہیں رکھتے کیا آپ لوگ، بدگمانی اور شک کی عینک اتار کر دیکھنا سیکھیں ایسا نہ ہو کے آپ سب کے ڈھکے پول کھل جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے کہ کسی معصوم کی کردار کشی کرنا، اس پہ الزام یا تہمت لگانا، رمضان کے بابرکت اور رحمتوں والے مہینے میں بھی آپ لوگ اپنے اندر کے شیطان کو نہیں مار سکے تو آپ خود ہی سوچیں کے آپ سب ایمان کے کون سے درجے پر فائز ہیں اور آپ کے روزے، نمازیں کس درجے میں شمار کی جائیں گی، قبولیت کا درجہ پا سکیں گے یا درد کردی جائیں گی آپ کے منہ پر مار دی جائیں گی، ذرا ایمانداری سے سوچئے گا مجھے یقین ہے کہ کم از کم ایک بار تو آپ کو آئینے میں اپنی شکل دیکھتے ہوئے شرم ضرور آئے گی۔'' ارسلان احمد نے ٹھیک ٹھاک تقریر جھاڑ دی تھی درحقیقت ان سب کو جھاڑ دیا تھا وہ سب شرمندہ سے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

''ارسل بیٹا کس پہ غصے ہو رہے ہو؟'' الیاس احمد کی آواز آئی تو سب چونکے۔

''ابو محلے والے آئے ہیں عید ملنے ان کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔'' ارسلان نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔

''آپ لوگ جائیں ربیعہ کے نکاح اور رخصتی کی تاریخ مقرر ہونے کی مٹھائی آپ کے گھر پہنچ جائے گی، اس امید کے ساتھ کے آپ لوگ ربیعہ کو اپنی بیٹی سمجھ کر دعائیں دینے کر رخصت کرنے آئیں گے۔'' ذکیہ بیگم تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو رفیق صاحب خجل سے ہو کر بولے۔

''ہمیں معاف کر دیجئے گا، ہم نے واقعی بہت گناہ کیا ہے، آپ دونوں ماں بیٹی کو اس طرح پریشان کر کے، الزام دے کر، جبکہ ربیعہ بیٹی اسی محلے میں پیدا ہوئی ہماری آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے، آپ کا اور نصیر بھائی مرحوم کا کردار ہمارے سامنے آئینے کی طرح صاف تھا پھر بھی ہم بھک گئے، ہم شرمندہ ہیں آپ سے ہو سکے تو ہمیں معاف کر دیجئے گا۔'' یہ کہہ کر رفیق صاحب آگے بڑھ گئے، ایک ایک کر کے باقی سب بھی نظریں چراتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

ارسلان دروازہ بند کر کے مڑا تو اس کی نظر سیڑھیوں میں کھڑی ربیعہ پہ پڑی وہ غصے میں تھی اس کے دیکھنے پر تیزی سے اوپر چلی گئی، ارسلان نے ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''خالہ جان میں ذرا اپنی بیوی کو منا لاؤں آپ سب کے ساتھ باتیں کریں۔''

''ہاں ہاں، ضرور جاؤ اور اسے منا کر نیچے لے آؤ کھانا سب اکٹھے کھائیں گے۔'' ذکیہ بیگم خوشدلی سے ہنس کر بولیں، وہ بہت خوش تھیں کے ارسلان احمد ان کی بیٹی سے بہت پیار کرتا ہے۔

ربیعہ غصے سے کمرے میں چکر لگا رہی تھی ارسلان مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور پوچھنے لگا۔

''اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے تمہیں؟''

''تو کیا پیار آئے گا؟'' وہ رک کر اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے تنک کر بولی، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں آنا تو پیار ہی چاہیے۔''

''کیوں؟ ایسا کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے تم نے؟''

''ارے بھئی تمہارے ساس سسر کو یہاں لے کر آیا ہوں سب سے بڑھ کر تمہارے ننھیال سے تمہارا رشتہ استوار کرایا ہے تمہارے نانا نانی کو لایا ہوں یہاں۔'' ارسلان احمد نے اس کے قریب آ کر رک کر اسے دیکھتے ہوئے جتا دیا۔

''بہت بڑا احسان کیا ہے آپ نے ہے نا، میں نے اس ننھیال کو آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا میری ماں بھی بائیس برس سے اپنے میکے سے دور تھیں زندگی تو ان کی بھی گزر گئی اپنے میکے کے بغیر میرے لئے بھی ننھیال سوالیہ نشان ہی رہا ہمیشہ، آج نانا جی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو معافی تلافی کرنے چلے آئے ہیں، آپ بتایئے نا، کیسے کریں گے وہ بائیس برس کی تلافی جو انہوں نے اپنی سگی بیٹی سے تعلق ختم کر کے انہیں دنیا میں اکیلا کر کے اپنی انا کے زعم میں گزار دیئے؟''

''آئی نو ربیعہ، تم صحیح کہہ رہی ہو، گئے برس واپس نہیں لائے جا سکتے لیکن آنے والے برس تو اچھے اور خوبصورت بنائے جا سکتے ہیں ناں، اور خالہ جان نے انہیں معاف کر دیا ہے نا عید کے دن ناراض نہیں ہوتے، پیاری ویسے بھی وہ کہتے ہیں نا صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔''

''تو کیا کہتے ہیں؟''

''نانا جی کہتے ہیں۔'' ارسلان احمد نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار مسکرانے لگی۔

''شکر ہے مسکرائیں تو۔''

''آپ تو بات مت کریں مجھ سے جھوٹے کہیں کے۔'' وہ ناراض لہجے میں بولتی رخ پھیر گئی اس کی یہ ناراضگی بھی ارسلان کو تڑپا رہی تھی۔

''ہائیں ہائیں میں نے کیا جھوٹا بولا ہے بھئی بتاؤ تو۔''

''یہاں سے آپ لاہور کا کہہ کر گئے تھے اور اتنے دن سے ادھر ہی تھے ہوسٹل میں، اماں کتنی پریشان تھیں آپ کی خاموشی سے کچھ احساس ہے آپ کو۔'' ربیعہ نے روہانسی ہو کر کہا تو وہ خجل سا ہو گیا۔

''آئی ایم سوری ربیعہ، جاب کا معاملہ تھا جانی، ایسے کیسے ایکدم سے چلا جاتا، چھٹی بھی نہیں مل رہی تھی، جب چھٹی مل گئی تو گھر والوں کو لے کر آ گیا اور خالہ جان کو میں نے تین چار دن پہلے فون کر کے بتا دیا تھا کہ میں عید پر آپ سے ملنے آؤں گا، اس لئے ان کی پریشانی کم ہو گئی تھی۔''

''اماں نے مجھے تو نہیں بتایا تھا آپ کے فون کا۔'' ربیعہ نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انہیں میں نے ہی منع کیا تھا کہ تمہیں نہ بتائیں۔''

''کیوں؟ بہت مزا آتا ہے نا تمہیں، مجھے یوں پریشان کر کے؟'' ربیعہ خفا خفا لہجے میں بولتی اس کے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

''تم واقعی میرے لئے پریشان تھیں؟'' ارسلان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو یکبار اس کا دل بہت زور کا دھڑکا، وہ گھبرا کر نظریں چرا گئی، چہرہ دمک اٹھا۔

''جی نہیں، میں صرف اس لئے پریشان تھی کہ ایک انجان آدمی کے ساتھ میرا نکاح کرا دیا اماں نے اس کا کوئی اتا پتا بھی معلوم نہیں ہے،

اگر وہ نہیں آیا تو میں کیا ساری زندگی اس کا انتظار کرتی رہوں گی۔" وہ سنجیدگی سے ایمانداری سے بولی۔

"تو اب شکرانے کے نفل ادا کرو کے وہ آدمی آ گیا ہے تمہیں لینے کے لئے مگر۔"

"مگر کیا؟" ربیعہ نے اس کے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مگر یہ کہ تمہیں تو مجھ سے پیار ہی نہیں ہے۔"

"تمہیں تو پیار ہے نا مجھ سے؟" ربیعہ نے پوچھا وہ بھی اب اس کی چالاکی سمجھ رہی تھی کے وہ اسے تنگ کر رہا ہے۔

"ہاں بہت پیار ہے تم سے۔"

"بس پھر، گزارہ ہو جائے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے لاپرواہ انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟ تم مجھ سے پیار نہیں کرو گی؟" ارسلان نے اس کی صورت کو بے قراری سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تم جیسے کنجوس آدمی سے پیار نہیں کر سکتی جس نے نہ تو ابھی تک مجھے منہ دکھائی کا تحفہ دیا ہے نہ ہی عیدی دی ہے۔" وہ اترا کر بڑی ادا سے کہتے ہوئے اس کی بے قراریوں اور بے تابیوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

"بس اتنی سی بات۔" وہ ہنس کر بولا۔

"آپ کی یہ خواہش ہم ابھی پوری کیے دیتے ہیں لیکن اس کے لئے آپ کو پہلے ہم سے عید منانا ہوگی۔"

"کیا؟" وہ شپٹائی۔

"ہاں۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب ہوا۔

"ہاں تو یوں کہیے نا کہ عیدی نہیں دینی شرطیں لگا رہے ہیں۔"

"تو آپ کو گلے لگا لیں اجازت ہے نا۔"

''شٹ اپ۔'' وہ بری طرح سٹپٹائی تھی اور پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی تھی، ارسلان احمد نے اس کے دائیں بائیں اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اس کے فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں، دونوں کو ایسا ہی ایک منظر ایک ساتھ یاد آیا تھا مگر تب میں اور اب میں فرق تھا۔

''کچھ یاد آیا۔'' ارسلان اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''پلیز جانے دیں مجھے۔'' وہ منمنائی۔

''ہرگز نہیں، اب تو آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کا سرٹیفکیٹ اور اجازت نامہ بھی ہے ہمارے پاس، تو اب بتایئے پہلے عیدی دوں یا منہ دکھائی کا تحفہ؟''

''صرف یہاں سے جانے کا راستہ۔'' وہ بولی۔

''تم نے دیا تھا مجھے۔'' اس کا جملہ اور لہجہ معنی خیز تھا، ربیعہ نے بے اختیار اس کے چہرے کو دیکھا تھا، دل کی دھڑکنیں شور مچا رہی تھیں، بس ایک لمحے کا کھیل تھا جس نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ بھی اس سے پیار کرتی ہے۔

''ارسل!'' ربیعہ کے لب خود بخود ہلے۔

''اف قربان جائے ارسل۔'' اتنے پیار سے پکارو گی تو خوشی سے دھڑکنیں ہی نہ تھم جائیں میری۔''

''اللہ نہ کرے۔'' ربیعہ نے بے ساختہ کہا تو وہ مسکرا دیا۔

اور وہ اپنی بے اختیاری پر آپ ہی آپ شرما گئی، ارسلان احمد تو دیوانہ ہو گیا اس کی اس ادا پر اور اس کے چہرے پر بے اختیار اپنی محبتوں کے گلاب کھلا دیئے اس کی روح تک میں ان پھولوں کی مہک سرایت کرتی چلی گئی تھی، چہرہ سرخ گلاب سا ہو رہا تھا۔

''یہ اس پیار کا جواب ہے جو تم مجھ سے کرتی ہو۔'' وہ آہستگی سے بولا تو وہ شرمگیں لہجے میں بولی۔

''میں تو نہیں کرتی۔''

''مان لو گی تو فائدے میں رہو گی نہیں تو یہیں کھڑی رہو گی جانے نہیں دوں گا سب آ جائیں گے یہاں تو سب کے سامنے اقرار کراؤں گا دیکھ لینا تم، میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں، اندازہ تو ہو گیا ہوگا تم کو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو قریب سے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہتا اس کے اوسان خطا کر رہا تھا۔

''یہ غلط ہے۔'' وہ بولی۔

''کیسے؟ اپنی بیوی سے پیار کی خواہش رکھنا غلط کیسے ہو گیا؟''

''کوئی آ جائے گا۔''

''آنے دو۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''آپ بہت برے ہیں۔'' ربیعہ نے خفگی سے کہا اتنے دنوں کی پریشانی غصہ اور بے بسی سے ضبط کیے آنسو اب بہنے کے لئے پر تول رہے تھے وہ اس کے چہرے کے ہر زاویے کی ہر رنگ، ہر تاثر کو قریب سے دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا، سمجھ رہا تھا۔

''قسم سے۔'' وہ بولا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اتنے دنوں سے باندھے بند آج ٹوٹ گئے تھے۔

''ارے رے کم آن ربیعہ پلیز روؤ نہیں، تم تو لڑتی جھگڑتی ہنستی بولتی ہی اچھی لگتی ہو، روؤ نہیں میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے یار، آئی ایم سوری، میں نے تمہیں پریشان کیا اتنے دن کوئی خبر نہیں لی تمہاری، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، مجھے سمجھنا چاہیے تھا کہ تم بہر حال ایک لڑکی ہو اور ایسے حساس معاملے میں تمہاری کیا حالت ہو گی، آئی

پر اس، آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں ہوگی، کیونکہ تم زندگی ہو میری اور میں اپنی زندگی کو ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ارسلان نے بے قرار ہو کر تڑپ کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے دل سے یقین دلاتے ہوئے کہا، ربیعہ کے لئے یہ احساس بھی خوش کن تھا کہ وہ اس کے آنسوؤں کا سبب جانتا تھا، اس کی پریشانی کا احساس کرتے ہوئے اپنی بے نیازی کی معافی مانگ رہا تھا۔

آنے والے دنوں کی بہتری کی نوید دے رہا تھا اسے یقین ہو چلا تھا کہ ڈاکٹر ارسلان احمد اس کے لئے بہترین شریک حیات ثابت ہوگا انشاء اللہ وہ دل سے خوش اور مطمئن ہو گئی تھی اس لمحے۔

''میں بھی۔'' ربیعہ نے دل سے کہا۔

''چل جھوٹی۔'' ارسلان نے اسے گھورا۔

''قسم سے۔'' وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اپنی محبت کا اقرار کر رہی تھی اس کے دل پر قوس قزح کے رنگ بکھر رہی تھی۔

''ربیعہ!'' ارسلان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے، اس نے ربیعہ کے ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ کر اس کے چہرے کو دیکھا تو وہ شرما گئی۔

''تھینک یو، اتنی خوبصورت عیدی کے لئے۔''

''اور میری عیدی؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ابھی لیجئے اپنی عیدی۔'' ارسلان نے اپنا دایاں ہاتھ کرتے کی جیب میں ڈالا کنگن اس کے ہاتھ میں تھے، سونے کے دونوں کنگن ارسلان نے ربیعہ کی خالی کلائی میں پہنا دیئے۔

''تھینک یو سو مچ، عید مبارک۔'' ربیعہ، ارسلان کی محبت کے اس قدر قیمتی تحفے کو پا کر خود کو معتبر محسوس کر رہی تھی اور بے اختیار ہی اس کے سینے سے لگ گئی تھی خوشی سے اشکبار ہو رہی تھی، ارسلان اس کی اس محبت پر جھوم اٹھا، اس کی معصومیت پر نثار ہو گیا۔

''عید مبارک میری جان، بہت بہت عید مبارک ہو تمہیں بھی، آئی ایم سو ہیپی، اینڈ آئی رئیلی لو یو ربیعہ لو یو سو مچ۔''

''میں بھی۔'' ربیعہ نے دل سے کہا تو وہ اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''سچ۔''

''قسم سے۔'' ربیعہ نے مسکراتے ہوئے شرمیلے پن سے کہا اور پھر دونوں محبت و مسرت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ہنسنے لگے۔

عید کی یہ ساعتیں آنے والی ساعتوں میں عید جیسی خوشیاں لانے کی نوید سنا رہی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اپنے بڑوں سے عیدی وصول کرنے اور دعائیں لینے جا رہے تھے، عید کا دن ان کے سنگ مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

روبینہ سعید

چودھویں رات کا پورا چاند آسمان کے دامن میں جگمگا رہا تھا، چاندنی کی کرنیں ہر سو اپنی ٹھنڈی اور دودھیا روشنی بکھیر رہی تھیں، چہار جانب چاندنی کا فسوں چھایا ہوا تھا، ہوا بھی اٹھلاتی ہوئی چلی رہی تھی۔

گوشی بنگلے کی بیرونی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی، اس نے دونوں بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے، سامنے دور تک پھیلے ہوئے وسیع وعریض لان میں چاندنی چٹکی ہوئی تھی، رات کی رانی اپنے جوبن پر تھی، پھولوں کی مہک سے سارا لان معطر ہو رہا تھا، گوشی محویت سے چاند کو دیکھے جا رہی تھی، تب ہی بالکل غیر محسوس انداز میں نجانے کہاں سے بادل آسمان پر نمودار ہونا شروع ہو گئے، ہوا بھی تیز چلنا شروع ہو گئی، اس نے بادلوں کو چاند کی طرف بڑھتے دیکھا اور اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

''نجانے اور کتنی دیر انتظار کرنا پڑے۔'' اس نے سوچا، اس کی نظریں سامنے بنگلے کے مرکزی دروازے پر تھیں، دل کر رہا تھا اندر اپنے کمرے میں جائے مگر اندر اتنے بڑے گھر میں اسے ڈر لگ رہا تھا، اسی لئے وہ کب سے یہاں باہر سیڑھیوں پر بیٹھی تھی، کم از کم یہاں چاند تاروں اور پھولوں کا ساتھ تو ہے، جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا اس کا ڈر بڑھتا جا رہا تھا۔

''ہائے تائی امی!'' اس نے دکھ سے سوچا۔ ''مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے جاتیں، اندر اتنے بڑے گھر میں مجھے کتنا ڈر لگ رہا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی سی بھر گئی۔

''میں کب تک اس کا انتظار کروں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنکھوں کو صاف کیا۔

''کیا تھا اگر شاہ دل آج جلدی آ جاتا،

مکمل ناول

حالانکہ تائی امی نے فون کر کے اسے تاکید کی تھی کہ آج جلدی گھر آ جانا، گوشی اکیلی ہے، مگر وہ شاہ دل ہی کیا جو کوئی بات مان لے۔'' اسے اب غصہ آنے لگا تھا تب ہی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا، وہ اچھل پڑی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی، دونوں ہاتھوں سے آنکھیں صاف کرتی وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی، گھر کے دروازے سے مرکزی دروازے تک کافی فاصلہ تھا، اس کے پہنچتے پہنچتے ہارن کئی بار بج چکا تھا، وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی مین گیٹ تک پہنچی، اب کے جو شاہ دل نے ہارن پر ہاتھ رکھا تو رکھ کر بھول گیا، گوشی بوکھلا گئی، اس نے جلدی سے گیٹ کھولا۔

''سو گئے تھے کچھ پی کر۔'' گیٹ کھلتے ہی اسے شاہ دل کی دھاڑ سنائی دی، پھر چوکیدار کی بجائے اسے گیٹ کھولتا دیکھ کر شاہ دل نواز کے ماتھے پر بل پڑ گئے، وہ گاڑی کو اندر لے آیا، گوشی گیٹ بند کرنے لگی۔

''تم کیوں دروازہ کھولنے آئی ہو؟'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا، اس کی آواز میں ناگواری کا تاثر واضح جھلک رہا تھا۔

''چوکیدار کہاں مر گیا؟'' اس نے زور سے گاڑی کا دروازہ بند کیا، گوشی کا دل سہم گیا۔

''وہ...... دراصل...... شام کو...... اس کی فیملی میں کوئی فوت ہو گیا ہے، اس لئے وہ چھٹی لے کر گیا ہے۔'' اس کی آواز جیسے منمناتی ہوئی نکلی، شاہ دل گاڑی لاک کرنے لگا تو وہ گویا قید سے رہا ہوئی اور سیدھی تیر کی طرح اندر داخل ہو گئی، اس کا رخ کچن کی طرف تھا، شاہ دل اپنے بریف کیس سمیت اوپر اپنے کمرے میں جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا، جتنی دیر میں وہ فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا وہ کھانا لگا چکی تھی، شاہ دل نے کھانا شروع کیا تو وہ دوبارہ کچن میں پہنچ گئی اور فرج میں سے دودھ نکال کر گرم کرنے لگی، گرم گرم دودھ کا گلاس بھر کر اوپر اس کے کمرے میں رکھ کر وہ واپس آئی تو شاہ دل کھانا کھا چکا تھا اور اب واش بیسن پر کھڑا ہاتھ دھو رہا تھا، وہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئی اور برتن سمیٹنے لگی، برتن سمیٹتے سمیٹتے اس کی نظر سامنے سیڑھیوں کی طرف گئی، وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا، وہ اسے اوپر جاتا دیکھتی رہی، وہ زینہ طے کر کے اب اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا، گوشی کی نظریں مسلسل اس کے تعاقب میں تھیں اس نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور گوشی جیسے خواب سے جاگ پڑی، اس نے گہری سانس لی اور دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی، جلدی جلدی برتن دھو کر کچن سمیٹا اور کچن کی لائٹ آف کر کے باہر آ گئی، سامنے کلاک پر اس کی نظر پڑی، رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

''اف اتنی رات ہو گئی۔'' اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ کا سوئچ آن کیا، کمرہ پل بھر میں روشن ہو گیا، باہر ہواؤں کا شور بڑھتا جا رہا تھا، اس کی نظر سامنے کھڑکی کی طرف گئی وہ یکدم خوفزدہ ہو گئی، باہر تند و تیز ہواؤں سے جھومتے ہوئے درخت عجیب نظارہ پیش کر رہے تھے، اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی اور اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی، اس نے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا، سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا، اس نے بے اختیار گہری سانس لی، اسے بادلوں کی گرج چمک اور طوفانی ہواؤں سے بہت ڈر لگتا تھا اور آج تو چونکہ تائی اماں بھی نہیں تھیں اس لئے خوف کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا، اس نے کمرے کی لائٹ بھی بند نہیں کی تھی۔

یکدم بادل زور دار آواز سے گرجے وہ اپنے آپ میں مزید سمٹ گئی، اس نے پاس پڑی چادر اپنے اوپر پھیلا لی اور مختلف آیات کا ورد کرنے لگی، ہواؤں کا شور بڑھتا جا رہا تھا، درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ عجیب سی پراسرار سرگوشیاں کر رہی تھی، وہ اب ہلکے ہلکے کانپنے لگی تھی یکدم اسے کسی تبدیلی کا احساس ہوا، اس نے ڈرتے ڈرتے چادر اپنے چہرے سے ہٹائی اور دھک سے رہ گئی، کمرہ بالکل تاریک تھا، شاید لائٹ چلی گئی تھی، اس کا ڈر کے مارے برا حال ہوگیا، اس نے چادر اتار کر ایک طرف پھینکی اور پاؤں نیچے لٹکا کر چپلیں تلاش کرنے لگی، ایک چپل تو پاؤں میں آ گئی دوسری نجانے کم بخت کہاں آگے پیچھے ہوگئی، وہ جلد از جلد اس تاریک کمرے سے بھاگنا چاہ رہی تھی، تب ہی بالکل اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی، اس کی جان ہی نکل گئی۔

''کون ہے؟'' وہ بے اختیار خوفزدہ ہو کر چلائی، اچانک دروازہ کسی نے دھاڑ سے بند کیا، اب اس کی برداشت ختم ہوگئی اور اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی اور شاہ دل ولا کے در و بام میں پھیلتی چلی گئی، وہ بھاگنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تب ہی لائٹ آ گئی، اس کی نظریں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں، دروازہ باہر کی طرف آنے والی تند و تیز ہواؤں سے مسلسل ہل رہا تھا، وہ ایک لمحے میں کمرے سے نکل گئی اور لاؤنج میں آ گئی، اس نے پورے گھر کی لائٹس آن کر دیں مگر خوف کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا وہ لاؤنج کے صوفے پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر سر گھٹنوں پر رکھ لیا، اسے آج اپنی تنہائی اور اکیلے پن پر بہت رونا آ رہا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

زویا علی خان نے سیٹ پر پہنچنے میں بہت دیر کر دی تھی، شاہ دل کئی بار فون کر چکا تھا مگر ہر بار زویا اسے کوئی نہ کوئی نئی بات بتا کر ٹالنے کی کوشش کرتی رہی، آخر کار شاہ دل نے شو شروع کر دیا، وہ لائیو شو کا ہوسٹ تھا، جسے تین چار انٹرنیشنل کمپنیز اسپانسر کر رہی تھیں، اس کا یہ شو پبلک میں بہت مشہور تھا اور ہفتے میں تین دن براہ راست آن ائیر ہوتا تھا، بڑی بڑی مشہور شخصیات اس کے شو میں آنے کے لئے خود اس سے رابطہ کرتی تھیں، زویا علی خان ایک ابھرتی ہوئی ماڈل تھی، آج کل اس کے کمرشل بھی ہٹ ہو رہے تھے اور فیشن انڈسٹریز میں بھی اس کے نام کی بازگشت گونج رہی تھی، شاہ دل نواز فیشن کی دنیا کا جانا پہچانا نام بن چکا تھا، قسمت کا دھنی تھا جس چیز میں ہاتھ ڈالتا تھا اسے سونا بنا دیتا تھا، کئی کمپنیز کا برانڈ ایمبسڈر تھا، ٹی وی پر اس کی وجہ شہرت بطور اداکار اور ماڈل کے ساتھ ساتھ اب ہوسٹ کے طور پر بھی تھی، وہ وجیہہ و شکیل ہونے کے ساتھ باوقار شخصیت کا مالک تھا، اسے بیرون ملک سے بھی کام کی آفر آ چکی تھی مگر اس نے معذرت کر لی تھی، آج کل وہ لائیو شو کی میزبانی کر رہا تھا، جو دیکھتے ہی دیکھتے اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ لوگ مخصوص وقت اس شو کا بے چینی سے انتظار کرتے مگر آج زویا کو لے کر وہ پریشان تھا، آرگنائزر بھی بار بار زویا سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، آخر کار خدا خدا کر کے زویا علی خان کی آمد ہوئی، زویا کی شاہ دل کے ساتھ ایک انڈین گانے پر پرفارمنس تھی، زویا نے اس سے پہلے صرف اس کا نام سنا تھا اس کے ساتھ کام کا یہ پہلا موقع تھا، زویا اس کی شخصیت سے جیسے مرعوب سی ہوگئی تھی، شو ختم ہوگیا تھا، مگر زویا کے دماغ میں

جیسے کوئی اور ہی بات چل پڑی تھی، وہ شاہ دل نواز کے سحر میں گرفتار ہوگئی تھی، شو ختم ہو چکا تھا مگر زویا کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

شاہ دل بے خبر سو رہا تھا جب اماں دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

''شاہ دل...... او...... شاہ دل۔'' انہوں نے ایکدم ہی اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ہاں...... ہاں...... اماں...... کیا ہوا؟'' وہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا۔

''یہی تو میں پوچھنے آئی ہوں پتر، کہ کیا ہے یہ؟'' انہوں نے اس کے سامنے اخبار لہرایا۔

''کیا ہے اماں؟'' اس نے اخبار ان کے ہاتھ سے لے لیا، سامنے ہی اس کی اور زویا کی تصویریں جگمگا رہی تھیں، وہ تصویر کے ساتھ خبر کی طرف متوجہ ہوا، خبر کی سرخی تھی۔

''پہلی نظر کی محبت...... اظہار، اقرار اور منگنی ایک ساتھ۔'' شاہ دل گڑبڑا گیا اس نے اماں کی طرف دیکھا۔

''پڑھ...... پڑھ...... آگے پڑھ۔'' اس نے جلدی جلدی باقی خبر پر نظر ڈالی، باقی کی خبر کچھ یوں تھی۔

''اداکار، ماڈل اور مشہور زمانہ شو، آج کی شام آپ کے نام کے میزبان شاہ دل نواز، ابھرتی ہوئی ماڈل زویا علی خان کی زلفوں کے اسیر ہو گئے، تفصیلات کے مطابق زویا علی خان ان کے شو میں بطور مہمان شریک ہوئیں اور دونوں پہلی نظر کی محبت میں گرفتار ہو گئے، شاہ دل نواز نے فوراً اپنی محبت کا اظہار کیا اور زویا نے ان کی محبت کے اظہار کا جواب اقرار میں دیا اور دونوں نے سیٹ پر ہی ایک دوسرے کو منگنی کی انگوٹھی پہنا دی۔'' اس نے خبر پڑھ کر ایک طرف اخبار ڈالنا چاہا مگر اماں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''ہاں اب بول، کیا ہے یہ سب کچھ۔'' اماں کے تیور خطرناک تھے۔

''کچھ نہیں اماں۔'' اس نے تکیہ درست کیا۔

''بکواس ہے یہ سب کچھ۔'' وہ دوبارہ سے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''پتر بہتر ہے کہ یہ بکواس ہی ہو، کیونکہ میرے جیتے جی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ناچنے گانے والی لڑکی میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے، اس لئے۔''

''اماں کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' شاہ دل نے ناگواری سے اماں کی بات کاٹی۔

''مجھے تو پتر کچھ نہیں ہوا، مگر اس سے پہلے کے تجھے کچھ ہو، تیرا انتظام مجھے کرنا پڑے گا۔'' اماں کے تو تیور ہی آج بدلے ہوئے تھے۔

''کیا مطلب اماں؟'' وہ حیران تھا آج تو اماں کہیں سے بھی اس کی اماں نہیں لگ رہی تھیں، اماں دروازے کی طرف بڑھیں۔

''میں نے فون کر دیا ہے تیرے چاچے کو۔'' انہوں نے دروازے پر رک کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور جیسے اسے اطلاع دی۔

''کس لئے؟'' وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

''کس لئے کیا مطلب؟'' اماں واپس پلٹ آئیں۔

''گاؤں میں تیری منگ بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہے۔'' انہوں نے جیسے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

''اماں!'' وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔

''او چپ کر اب میں تجھے اور ڈھیل نہیں دے سکتی، میں نے عذرا اور آصف کو فون کر کے بلالیا ہے۔'' انہوں نے بیٹی اور داماد کا نام لیا۔

''عذرا آپا اور آصف بھائی کو، مگر کس لئے؟'' وہ ہکا بکا تھا، اماں بے نیازی سے دروازے کی طرف بڑھیں۔

''اماں!'' وہ جیسے ہوش میں آیا، بستر سے اتر کر تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

''مجھے بتائیں تو سہی کہ عذرا آپا اور آصف بھائی کو کیوں بلایا ہے۔'' وہ چلایا، اماں نے اسے تولتی نظروں سے دیکھا اور بولیں۔

''ہم آج ہی چک جائیں گے اور شادی کی تاریخ طے کر کے آئیں گے۔''

''اماں...... اماں۔'' وہ پل بھر میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

''آپ ایسا نہیں کریں گی۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' اماں ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولیں۔

''میں نے تیرے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ شاہ دل چاہے جتنا مرضی پڑھ لکھ جائے مگر اس گھر میں بہو بن کر کلثوم ہی آئے گی اور جو تیرے چھن مجھے نظر آرہے ہیں نہ، یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ میرے وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے اور تو دیکھنا میں اپنا وعدہ پورا کر کے دکھاؤں گی۔'' اماں نے اخبار اس کے منہ پر دے مارا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

''اماں...... اماں...... میری بات تو سنیں، سن تو لیں۔'' وہ اماں کے پیچھے تیزی سے دوڑا مگر اماں نے دروازہ کچھ اتنے غصے سے دھاڑ سے بند کیا کہ شاہ دل اگر بروقت قدم نہ روک لیتا تو دروازہ اس کی ناک کا ستیاناس کر دیتا۔

''افوہ......ہ۔'' وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

☆☆☆

شاہ دل شام سے پہلے گھر پہنچ چکا تھا، اس کا ماڈلنگ کا کوئی معاہدہ تھا جس کی تفصیلات طے کر کے وہ واپس آیا تھا، معاہدہ اس کی من پسند شرائط پر طے ہوا تھا اور ایڈوانس کی بھی پے منٹ ہو گئی تھی، اس لئے وہ بہت خوش تھا، مگر گھر آتے ہی اس کی ساری خوشی غارت ہو گئی جب چوکیدار سے پتہ چلا کہ اماں تو عذرا آپا اور آصف بھائی کے ساتھ چک (گاؤں) گئی ہوئی ہیں، شاہ دل کا دماغ بھک سے اڑ گیا، اسے اماں سے اتنی جلد بازی کی توقع نہیں تھی۔

''اور یہ عذرا آپا، یہ بھی اماں کے ساتھ مل گئی تھیں۔'' اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔

اگلے ہی ہفتے شوٹنگ وغیرہ شروع ہو گئی تو وہ بزی ہو گیا، اماں سے بات کرنا بھول گیا، مصروفیت ہی اتنی تھی، ایک کمرشل کے لئے وہ گھر سے باہر تھا۔

کمرشل کی شوٹنگ بالاکوٹ میں ہوئی تھی، اس کا شیڈول تین دن کا تھا، آج شام کی فلائٹ سے اس کی واپسی تھی، دوپہر میں اماں کا فون آچکا تھا اور اس نے شام کی واپسی کا بتا دیا تھا، اس کی گاڑی جیسے ہی گھر کے سامنے رکی اسے لگا جیسے کہیں کسی اور کے گھر تو نہیں آگیا، سارا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا، اس نے غور سے گھر کی طرف دیکھا اور اطمینان ہوا کہ شاہ دل ولا ہی ہے، اس نے ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور حیرانی سے سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے گھر میں قدم رکھا، سامنے ہی آصف کھڑا تھا، آصف اسے دیکھتے ہی آگے بڑھا۔

''کمال ہے یار، اتنی دیر؟''

''مگر آصف بھائی، یہ سب کیا ہے؟'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا، آصف اس

کی لاعلمی پر ہکا بکا تھا تو کیا۔
"چل یار اندر چل، پھر بات کرتے ہیں؟"
وہ اس کا بیگ تھامے اس کے کمرے کی طرف چلا، گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، آصف اسے سیدھا اندر لے آیا۔
"میں نے جب اماں کو منع کر دیا تھا، تو پھر یہ سب کیا ہے؟" اندر پہنچتے ہی وہ جھٹے سے اکھڑ گیا، ذرا دیر میں ہی عذرا آپا بھی آ گئیں، ان کے ہاتھ میں شاہ دل کے پہننے کے کپڑے تھے، سفید کاٹن کا کلف لگا شلوار قمیض اور سبز رنگ کا مفلر ٹائپ پٹکا، ساتھ سنہرا کھسہ۔
"آپا کیا ہے یہ سب کچھ۔"
"شاہ دل آج مہندی ہے تمہاری؟" آپا بھی اٹک اٹک کر بولیں۔
"جب میں نے منع کیا تھا تو پھر، کیوں یہ سب کچھ۔" عذرا پریشان ہو گئی۔
"اماں نے تو ایسی کوئی بات ہمیں نہیں بتائی۔" انہوں نے شوہر کو تائید طلب نظروں سے دیکھا، انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اماں!" اس نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا، باہر شاہ دل کے آنے کی خبر پھیل چکی تھی ڈھولک خوب زور سے بج رہی تھی، تب ہی خاندان کے لڑکے کمرے میں گھس آئے۔
"چلو شاہ دل بھائی، جلدی تیار ہو جاؤ۔" وہ بہت سوں کو تو جانتا بھی نہیں تھا، آصف بوکھلا گیا،
"ہاں ہاں یار اسے فریش تو ہو لینے دو، آپ لوگ چلو، میں اسے تیار کروا کر لاتا ہوں۔" اس نے بمشکل چنڈال چوکڑی کو کمرے میں داخل ہونے سے روکا۔
"چلیں ٹھیک ہے، آپ جلدی سے لے آئیں، ہم جب تک ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا شروع کرواتے ہیں۔" لڑکے جا چکے تھے۔

"آصف بھائی، میں بتا چکا ہوں۔" شاہ دل نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے وارننگ دی۔
"مگر یار، سوچ ذرا باہر سارا خاندان جمع ہے۔" آصف اور عذرا پریشان تھے، باہر ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا شروع ہو چکا تھا۔
"آپا میں آپ کو بتا رہا ہوں میں نے کسی گوشی ووشی سے شادی نہیں کرنی، جا کے بتا دیں آپ اماں کو۔" عذرا رونے والی ہو گئی۔
"مگر شاہ دل۔" باہر سے پٹاخوں کے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔
"بس آپا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں کچھ کہنے سے روکا۔
"اور میں جا رہا ہوں گھر سے۔" یکا یک وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"ہائیں، مگر آصف سمجھائیں اسے، ہماری عزت، سارا خاندان جمع ہے باہر، یہ چلا جائے گا تو ہم کیا جواب دیں گے۔" عذرا آپا وہیں صوفے پر بیٹھ کر زار و قطار رونا شروع ہو گئیں، آصف کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
"تم تو چپ کرو، میں سمجھاتا ہوں اسے، تم جاؤ مہمانوں کو دیکھو، اور ہاں یہ پہلے اپنا حلیہ درست کر لو۔" عذرا نے ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کیں اور سر ہلاتی باہر چلی گئیں۔
"یار کیا کرتا ہے، سوچتے ہیں کچھ، تو ابھی کا وقت تو ٹال۔" آصف نے اسے بہلانا شروع کیا۔
"ہرگز نہیں۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
"ابھی اگر میں باہر چلا گیا، تو اماں پکی ہو جائیں گی۔" وہ ہٹیلے پن سے بولا۔
"یار سمجھا کرنا، ابھی کا ٹائم نکال لے، پھر یہ مہمان چلے جائیں گے تو کچھ سوچتے ہیں کہ کیا

کرتا ہے، چل شاباش اٹھ ذرا، اور تو پہلے فریش تو ہو لے۔'' آصف نے اسے زبردستی واش روم میں دھکیلا، شاہ دل کو غصہ آرہا تھا وہ واپس آ گیا۔
''آصف بھائی میں بتا رہا ہوں آپ کو۔'' وہ پھر باتھ روم سے باہر تھا۔
''او یار تو نہا تو سہی۔'' آصف نے دروازہ بند کر دیا۔
''اف میرے خدا۔'' آصف نے سر پکڑ لیا۔
ہزار جتنوں سے آصف نے کیسے کیسے حیلے بہانوں سے شاہ دل کو تیار کروایا، گلے میں سبز مفلر ڈالا، پھر ڈھیروں پرفیوم اس پر اسپرے کیا۔
''اب یہ منہ تو ٹھیک کر لے۔'' آصف نے اسے تیار کروانے کے بعد اس کا پھولا منہ دیکھ کر کہا۔
''ذرا ادھر آ۔'' وہ اسے شیشے کے سامنے لے آیا۔
''کیسا پیارا لگے گا اگر منہ پھولا ہوا نہ ہو تو۔'' وہ مسکرا دیا۔
''اور ایک بات بتاؤں۔'' وہ راز داری سے بولا۔
''جی۔''
''گوشی اتنی بھی بری نہیں ہے، جتنی تو نے سمجھا ہوا ہے۔'' اس کا دل جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

☆☆☆

شاہ دل ولا کا سارا لان مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، وہ تو بہت سے لوگوں کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔
''مسکراتے رہنا۔'' آصف نے کان میں سرگوشی کی۔
''آ گیا میرا پتر۔'' اماں نے اسے دیکھتے ہی بلائیں لیں، کئی خواتین اس کی طرف لپکیں، رسم شروع ہوتے ہی ہنگامہ مچ گیا، وہ مشہور ٹی وی آرٹسٹ تھا ہر کسی کی خواہش تھی اس کے ساتھ بیٹھنے کی، تصویر اتروانے کی۔
رات گئے تک محفل چلتی رہی، آتش بازی نے سماں باندھ دیا، اماں نے سارے ارمان کھول کر نکالے تھے، عذرا بھی خوشی خوشی چہکتی پھر رہی تھی، شاہ دل سے بہت سے لڑکوں، لڑکیوں نے آٹوگراف بھی لیے، اماں سمجھ رہی تھیں شاہ دل مان گیا ہے، مگر نہیں، شاہ دل کے دل میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔
مہمان زیادہ تر رات کو چلے گئے تھے، کچھ جو دور دراز سے آئے ہوئے تھے وہ ٹھہر گئے تھے، عذرا سب کو ناشتے کا پوچھتی پھر رہی تھیں، ملازمین سب کا من پسند ناشتہ بنا رہے تھے، عذرا جب سب سے فارغ ہو کر بھائی کے کمرے میں آئیں تو شاہ دل کو نہ پا کر دھک سے رہ گئی۔
''وہ رات کو بھی یہی کہہ رہا تھا، کہ میں جا رہا ہوں گھر سے۔'' وہ روتی جا رہی تھیں اور یہی بات دہرا رہی تھیں، اس وقت وہ اماں کے کمرے میں تھیں اور انہوں نے آصف کو بھی وہیں پر بلا لیا تھا، اماں تو دھک سے رہ گئیں اور ذرا دیر بعد ہی بیڈ پر لیٹ گئیں۔
''اب کیا ہوگا، آصف پتر۔'' انہوں نے آصف کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا، آصف خود پریشان ہو گیا، اماں کے ہاتھ پل بھر میں ٹھنڈے یخ ہو گئے۔
''ممانی جان حوصلہ رکھیں۔'' اس نے ان کا ہاتھ دبایا۔
''آپ آرام کریں، میں کچھ کرتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''عذرا باہر آنا ذرا'' عذرا اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی۔

"میں پوچھتا ہوں جب وہ راضی نہیں تھا تو کیا ضرورت تھی یہ تماشا کھڑا کرنے کی۔" باہر آتے ہی وہ پھٹ پڑا، عذرا پھر رونا شروع ہو گئی۔

"اب شادی سر پر کھڑی ہے، کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں میں اسے، میرا تو دل کر رہا ہے میں بھی کہیں بھاگ جاؤں۔"

عذرا اور اونچی آواز میں رونا شروع ہوگئی۔

"ہائے میں کیا کروں۔"

"تم تو چپ کرو۔" آصف جھنجلا گیا کہیں کوئی سن نہ لے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"بند کرو یہ رونا دھونا اور سوچو کیا کرنا ہے۔" اس نے سگریٹ نکال کر سلگایا۔

"اس کے سارے دوستوں کے نمبر ڈھونڈو ڈائری میں۔"

☆☆☆

ڈاکٹر گھر آکر اماں کو دیکھ کر جا چکا تھا، ان کو نیند کا انجکشن لگا دیا تھا، تاکہ پرسکون رہیں، آصف کو شاہ دل کے کمرے سے ملنے والی ڈائری میں سے بہت سے لوگوں کے نمبر ملے تھے اس نے سب نمبروں پر ٹرائی کر لیا تھا مگر کہیں سے کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔

"آصف!" یکا یک عذرا کو کچھ یاد آیا۔

"محمود بھائی کو فون کرو۔"

"کون محمود بھائی؟" آصف نے آنکھیں سکیڑیں۔

"محمود بھائی، کیپٹن محمود الحسن، بھائی کے بچپن کے دوست ہیں، شاہ دل یقیناً وہاں ہی ہو گا۔" عذرا کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں، جیسے اسے یقین ہو کہ شاہ دل کہیں اور جا ہی نہیں سکتا۔

"اس کا فون نمبر بتاؤ یاد ہے، یا کہیں لکھا ہوا ہے۔"

"مجھے زبانی یاد ہے۔" عذرا نے فٹافٹ نمبر بتایا۔

"یار تو نے اچھا نہیں کیا۔" کیپٹن محمود الحسن نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

"بھلا کوئی پوچھے یہ کوئی مردوں والا طریقہ ہے۔" وہ دونوں ٹیرس پہ بیٹھے تھے، درمیان میں تپائی پر ایش ٹرے کے علاوہ چائے کے خالی کپ رکھے تھے۔

"حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے میدان چھوڑ دیا۔"

"یار تو نہیں سمجھے گا۔" شاہ دل نے تاسف سے سر جھٹکا اور ایک اور سگریٹ سلگایا۔

"تو جانتا ہے، میں شو بزنس سے وابستہ ہوں، میں ایسی بیوی چاہتا ہوں جو میرے ساتھ چل سکے، پارٹیز میں جائے، میری مجبوریوں کو سمجھے، میں ایسی بیوی نہیں چاہتا جو میری آنے جانے کی ٹائمنگ کو ہی شک کی نظر سے دیکھے، میری زندگی ہی صفائیاں دیتے گزرے۔" وہ تلخ ہوگیا۔

"پھر بھی۔" کیپٹن محمود الحسن نے سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلا۔

"میرا نظریہ تجھ سے مختلف ہے، میں تو یہ مانتا ہوں کہ بندہ دنیا جہان میں آوارہ گردی کر آئے مگر شام اپنے گھر میں ہو؟"

"مطلب؟" وہ الجھا۔

"دیکھ یار، یہ جو زویا جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں، ان کا کوئی پتہ نہیں ہوتا، یہ تو ایسے جیسے رنگین تتلیاں، آج اس پھول پر تو کل کسی اور پھول پر، دل بہلانے کی حد تک تو سہی، مگر شادی...... نہیں، امپاسبل...... شادی تو...... خاندان میں ہی اچھی

ہے، کم از کم ہمیں خاندانی بیوی کی خوبیاں اور خامیاں تو پتہ ہوتی ہیں، اتنا یقین تو ہوتا ہے کہ یہ ہمارے علاوہ کسی اور مرد کی طرف نہیں دیکھے گی۔'' شاہ دل نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ دھوئیں کے مرغولے بناتا رہا، تب ہی کیپٹن محمود کی چھوٹی بیٹی ہاتھ میں موبائل لیے چلی آئی۔

''بابا...... بابا آپ کا فون۔''

''او...... میرا بیٹا۔'' محمود الحسن نے فون لے کر آن کیا، کچھ دیر تک دوسری طرف کی بات سنتا رہا، پھر اس نے چونک کر شاہ دل کی طرف دیکھا۔

''شاہ دل!'' محمود الحسن نے دہرایا، شاہ دل نے اشارے سے منع کیا، وہ سمجھ گیا کہ گھر سے فون ہے، کیپٹن محمود الحسن کچھ دیر تک بات سنتا رہا۔

''اچھا ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہو، میں کچھ کرتا ہوں۔'' فون آف کر دیا۔

''کس کا فون تھا؟'' شاہ دل پریشان تھا۔

''آصف کا۔''

''اچھا۔'' شاہ دل نے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''اماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔'' محمود الحسن کی آواز پر اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔

''کیا ہوا اماں کو؟'' وہ بے اختیار کرسی سے آدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

''جو کارنامہ تم دکھا کر آئے ہو، اس کے بعد تو جو ہو جائے وہ کم ہے۔'' کیپٹن محمود نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''مطلب۔'' وہ الجھا۔

''مطلب یہ ہے شاہ دل نواز کہ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے، بارات چلنے کو تیار کھڑی ہے اور دولہا غائب ہو جائے، ایسے میں اماں کے دل نے اگر دل لگی کر لی تو تمہیں اس سے کیا۔''

''اماں کو کیا ہوا ہے؟'' شاہ دل بے چین ہو گیا۔

''کچھ نہیں، آصف بتا رہا تھا کہ جب سے تمہارے گھر چھوڑنے کا پتہ لگا ہے انہوں نے اتنا اثر لیا ہے کہ بستر پر پڑی ہیں، ڈاکٹر تھوڑی دیر پہلے انجکشن لگا کر گیا ہے، لیکن تم پریشان مت ہو، کچھ نہیں ہوگا۔'' کیپٹن محمود نے سگریٹ نکال کر سلگایا۔

''لیکن یار اگر اماں کو کچھ ہو گیا تو؟'' شاہ دل پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

''تو تیرا سارا مسئلہ حل ہو جائے گا، ہاں یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔'' اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا اور دھواں فضا میں اگلا، شاہ دل پریشان ہو چکا تھا، کیپٹن نے لوہا گرم دیکھا تو چوٹ ماری۔

''یار بیویوں کا کیا ہے، ایک نہ سہی دوسری، دوسری نہ سہی تیسری مگر اماں......''

''نہیں نہیں۔'' شاہ دل گھبرا اٹھا۔

''نہیں یار اماں کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چل پھر میں بھی چلتا ہوں۔'' کیپٹن محمود نے فوراً کوچ کی تیاری پکڑی اور شاہ دل کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

ان کے پہنچتے ہی گھر میں جیسے رونق بحال ہو گئی، مہمان آنا شروع ہو گئے تھے، اماں تو شاہ دل کو دیکھتے ہی جی اٹھیں، تھوڑی دیر بعد بینڈ باجے بجنا شروع ہو گئے، شاہ دل نجانے کس دل سے تیار ہوا، اس کی زندگی کا اتنا اہم موقع اور اس کا دل خوش نہیں تھا، آصف اور محمود الحسن اس کے ساتھ ساتھ تھے، آخر اللہ اللہ کر کے بارات روانہ ہوئی، راستہ ڈھول مٹی سے اٹا ہوا تھا، شاہ دل کا تو

کوفت کے مارے برا حال تھا۔
''اماں! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' بار بار اس کے دل سے ہوک اٹھتی تھی۔
''اور یہ گوشی کی بچی، اسے تو میں اچھی طرح دیکھوں گا۔'' اس کا طیش سے برا حال تھا اور جیسے جیسے چک نزدیک آتا جا رہا تھا اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔
''یہ دیکھ رہا ہے تو۔'' اس نے کیپٹن محمود سے کہا۔
''دیکھ ذرا کیا حال ہے، گرد و غبار سے اٹا ہوا چک، جس پر اماں فدا ہیں۔''
''نہ یار ایسا نہ کہہ، یہ ہماری دھرتی ماں ہے، اس کی خاطر تو ہم اتنی قربانیاں دیتے ہیں۔'' کیپٹن محمود جو کہ فوج سے وابستہ تھا کیسے اپنی دھرتی ماں کی برائی سن سکتا تھا فوراً ٹوک بیٹھا۔
''ہونہہ۔'' شاہ دل نے نخوت سے سر جھٹکا۔

☆☆☆

بارات کا استقبال شایان شان کیا گیا، لگتا تھا پورا گاؤں ہی اُمڈ آیا تھا، شاہ دل لاتعلق سا بیٹھا رہا، نکاح کے وقت دلہن کا نام گل رعنا کہہ کر پکارا گیا۔
''تو تو لڑکی کا نام گوشی بتا رہا تھا۔'' کیپٹن نے ٹہوکا دیا۔
''ہاں تو مجھے کیا پتہ کیا نام ہے۔'' شاہ دل ٹپٹا گیا۔
''اماں ہی گوشی، گوشی پکارتی ہیں۔'' گل رعنا نام سن کر شاہ دل کو تھوڑی تسلی ہوئی۔
''چلو کم از کم نام تو کچھ بہتر ہے، لیکن پھر بھی۔'' اس کا غصہ نام سن کر جو تھوڑا بہت کم ہوا پھر عود کر آیا، یہ سوچ کر کہ اس کی اماں کو اس لڑکی نے کیسے اپنے گرد گھمایا ہوا ہے میزبان اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور وہ نخوت سے منہ پھلائے بیٹھا رہا، گاؤں کے لوگ ایک ٹی وی والے کو دیکھنے ٹوٹے پڑ رہے تھے، مجبوراً شاہ دل کو کسی کے ساتھ تصویر اتروانی پڑی اور کسی کو آٹو گراف دینا پڑا۔

☆☆☆

''ہو گیا تمہارا شوق پورا، کر لیا ارمان اس گھر میں آنے کا پورا۔'' شاہ دل کمرے میں آتے ہی گوشی پر برس پڑا، وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔
''کیا سحر پڑھ کر پھونکا تھا میری اماں پر، جو وہ اٹھتے بیٹھتے گوشی گوشی کا قصیدہ پڑھتے نہیں تھکتیں، لیکن محترمہ گل رعنا عرف گوشی صاحبہ، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں، جو آپ نے چاہا آپ نے پا لیا، لیکن اس سے آگے میری مرضی چلے گی اور میری پہلی مرضی یہی ہے کہ آپ فوراً سے پہلے میرا بیڈ خالی کر دیں کیونکہ مجھے سونا ہے اور آپ نے کہاں سونا ہے یہ آپ کا سر درد ہے، ابھی میں فریش ہونے جا رہا ہوں اور میرے آنے تک مجھے اپنا بیڈ خالی چاہیے۔'' وہ واش روم میں گھس چکا تھا، گوشی دم بخود بیٹھی تھی یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تائی اماں نے زبردستی شادی کروائی ہے۔
اتنی توہین، اتنی ذلت، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے، مگر نہیں رونے سے کام نہیں چلے گا، اس نے خود کو سنبھالا اور احتیاط سے اپنا بھاری بھر کم لہنگا سنبھالتی ہزار وقتوں سے بیڈ سے نیچے اتر آئی، اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی سامنے دروازہ نظر آیا، وہ اس طرف بڑھی، دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی، نہیں مہمان گھر میں جمع ہوں گے، لوگ کیا کہیں گے، دولہا نے دولہن کو کمرے سے نکال دیا، اس نے بے بسی سے پیچھے دیکھا، شاہ دل سمجھتا ہے میں

مری جارہی تھی اس سے شادی کرنے کے لیے، اس کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔

عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی، نہ باہر جا سکتی تھی اور نہ ہی اندر رہنے کو دل رضامند ہو رہا تھا، وہ کیا کرے، وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ شاہ دل تولیے سے بال رگڑتا واش روم سے باہر آ گیا، اسے کمرے کی وسط میں استادہ پایا، اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی، جانتا تھا کبھی کمرے سے باہر قدم نہیں رکھے گی، اس نے تولیہ دور صوفے پر اچھال دیا اور خود بالوں میں برش کرنے لگا، بال برش کرنے کے بعد وہ خود بیڈ کی طرف بڑھ گیا اور کروٹ لے کر لیٹ گیا، گوشی کافی دیر تک ایسے ہی کھڑی رہی۔

''لائٹ آف کر دو۔'' کچھ دیر بعد شاہ دل نے آواز لگائی تو جیسے گوشی ہوش میں آئی، اس نے بستر [illegible] پھر دیوار کی طرف بڑھ گئی، لائٹ آف کر کے اس نے صوفے کی طرف قدم بڑھا دیئے، نجانے کتنی دیر تک وہ ساکت صوفے پر بیٹھی رہی، کافی دیر بعد شاہ دل نے کروٹ لی، سویا تو وہ بھی نہیں تھا، صورتحال کا جائزہ لینے کو کروٹ لی تو اسے خلا میں گھورتے پایا، شاہ دل کے دل کو تسلی ہوئی۔

''زیادتی اگر میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں تو میرے ساتھ بھی تو اماں نے زیادتی کی ہے، کوئی بات نہیں، ایسے میں اگر اماں کو پتہ چل جائے کہ میں نے ان کی لاڈلی کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے تو؟'' اس کے لبوں پر بڑی دھیمی سی مسکراہٹ تھی، اس نے آنکھیں موند لیں۔

''اماں، ایسے تو پھر ایسے ہی سہی۔''

☆☆☆

شاہ دل نے گوشی کو گھر میں لا کر جیسے فرض پورا کر دیا تھا، اب تو جیسے اماں بھی اس کے آگے بے بس تھیں، وہ اس سے بات چیت تو دور کی بات اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا، گوشی بھی اس کی لاتعلقی کا جواب اسی طرح سے دیتی تھی، ولیمے کے بعد اماں کے لاکھ اعتراضات کے باوجود اس نے شاہ دل کا کمرہ چھوڑ دیا تھا اور نچلے کمروں میں سے اماں کے ساتھ والا کمرہ اپنے لئے سیٹ کر لیا تھا۔

البتہ گوشی جس طرح گھر کے دیگر کام توجہ سے کرتی تھی اسی طرح شاہ دل کے سارے کام وہ اسی طرح انجام دیتی تھی، کھانا وہ کبھی باہر نہیں کھاتا تھا، چاہے رات کے دو ڈھائی بج جائیں کھانا وہ اسے تازہ ہی دیتی تھی، اس کے کپڑے جوتے سب کچھ وہ خود تیار رکھتی تھی، اماں دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتیں ایک دو بار اماں نے شاہ دل سے بات کی تو شاہ دل نے ان پر واضح کر دیا کہ اماں جو چاہتی تھیں وہ میں نے کر دیا اب اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے مت رکھنا۔

اماں جب اسے مسلسل کاموں میں مگن دیکھتیں تو خود کو قصوروار گردانتیں، شاہ دل، گوشی کے برعکس اپنی مصروفیات میں مگن تھا، اخبارات اب بھی زویا علی خان کے ساتھ اس کا تعلق جوڑتے تھے اماں اب بھی پریشان رہتیں، ان کا دل ہولتا رہتا کہیں شاہ دل کوئی چاند نہ چڑھا دے، گوشی کے چہرے پر البتہ ایک سکون ہلکورے لیتا تھا، اماں جب بھی اس کے چہرے کی اور دیکھتیں ایک ہوک سی ان کے دل میں اٹھتی۔

''حق ہا۔'' وہ تاسف سے ہاتھ ملتیں۔

''نجانے کس مٹی کی بنی ہے۔'' وہ سوچتیں۔

''اری او جھلیے۔'' وہ اسے پکارتیں، وہ بھاگی آتی۔

''تیرا شوہر، دوسری عورت کے چکر میں ہے اور تو کیسی تسلی سے برتن دھو رہی ہے، اسے

لگا میں ڈال، تیرے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''
ایسے میں گوشی ہنس پڑی۔
''تائی امی، وہ میرے ہاتھ میں تھے ہی کب؟ جو نکل جائیں گے۔''
''ہنس لے، پتر ہنس لے، یہ دیکھ، ذرا کرتوت اپنے شوہر کے، یہ لے پکڑ۔'' اماں ہاتھ میں دبا اخبار اسے دکھاتیں جس میں اس کی تصویریں مختلف اداکاراؤں کے ساتھ ہوتیں۔
''اماں جی نہ پریشان ہوا کریں، جیسا آپ سوچتی ہیں، شاہ دل ایسے نہیں ہیں۔'' وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو جاتی۔
''ہیں۔'' وہ حیران ہوتیں۔
''تو یہ کیا ہے؟'' وہ اخبار اس کے ہاتھ سے اچک لیتیں۔
''تائی امی یہ تو ٹی وی کی تصویریں ہیں، ظاہر ہے ان کا کام ہی ایسا ہے، ہر روز کسی نہ کسی سے ملنا ہے ساتھ کام کرنا ہے۔'' وہ پھر سے کام میں مصروف ہو جاتی بظاہر وہ گھر کے کاموں میں لگی رہتی مگر درحقیقت اس کا دل مسلسل الجھا رہتا تھا، خود کو ٹھکرائے جانے کا کرب بہت بڑا تھا اور اس مسلسل درد سے چھٹکارہ پانے کے لئے وہ اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ جھکتی جا رہی تھی، ہر وقت وہ خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتی تاکہ بھرم بھی قائم رہے اور کسی کو اس کے دل کا حال پتہ بھی نہ چلے، ورنہ دل تو کرتا تھا کہ شاہ دل کے سامنے جائے اور پوچھے۔
''بتاؤ میرا کیا قصور ہے۔'' مگر انا تھی کہ اسے ناگوار گزرتا تھا کہ جہاں شاہ دل ہو وہاں بیٹھنا تو دور کی بات گزرتی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

دن تیزی سے گزرتے جا رہے تھے، شاہ دل دن بدن ترقی کی منازل طے کر رہا تھا، اسے ایک ٹی وی سیریل کی آفر ہوئی تھی، جس میں زویا علی خان ہیروئن تھی، سیریل کی ساری شوٹنگ انڈونیشیا میں ہونی تھی، دو ہفتے کے لئے شاہ دل انڈونیشیا چلا گیا، پیچھے اماں اور گوشی تھیں جو اپنی اپنی مصروفیات میں گم تھیں، اماں کا زیادہ تر وقت تخت پر بیٹھ کر تسبیح پڑھتے گزرتا اور گوشی بظاہر گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھی، اماں کا دل جب شاہ دل اور گوشی کے بارے میں سوچتا انہیں ندامت آ گھیرتی، ایسے ہی ایک دن وہ پودوں کو پانی دیتی گوشی کے پاس آ ٹھہریں۔
''گھڑی دو گھڑی آرام بھی کر لیا کر، ہر وقت گھن چکر بنی رہتی ہے۔''
''جی تائی امی۔'' اس نے ہاتھ سے پانی کا پائپ نیچے رکھا۔
''پتر تجھ سے ایک بات کہنی تھی۔'' وہ کچھ اس طرح بولیں جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہوں مگر کہہ نہ پا رہی ہوں۔
''جی تائی امی، کیا بات ہے؟'' وہ ان کے ساتھ تخت پر آ بیٹھی۔
''پتر میں کہہ رہی تھی کہ..... کہ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' ان کی آنکھوں میں نمی جھلملا گئی۔
''ارے کیسی بات کر رہی ہیں تائی امی۔'' وہ گھبرا گئی۔
''نہیں گوشی، جب جب میں تیری طرف دیکھتی ہوں میرا دل کٹتا ہے، میں شاہ دل کو معاف نہیں کروں گی۔''
''ارے رے، نہیں تائی امی ایسا نہیں کہتے۔'' اس نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''آپ یقین کریں سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ بس دعا کیا کریں اور ہاں آپ کو پتہ ہے کل معراج شریف کی رات ہے، کل تو عبادت کی

رات ہے، دونوں مل کر عبادت کریں گے اور اللہ سے دعا کریں گے، پھر آپ دیکھئے گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ارے ہاں، دیکھ میں تو بھول ہی گئی۔'' اماں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور گوشی مسکرا دی۔

''میں اللہ سوہنڑے سے دعا کروں گی کہ میرے شاہ دل کو نیک ہدایت دے اور اور اس چڑیل سے اس کا پیچھا چھڑا دے۔'' اماں نے تسبیح ہاتھ میں پکڑی اور تیزی سے دانے پھرولنے لگیں۔

ہر سال شاہ دل ایسے کسی خاص موقع پر شاہ دل ولا کو برقی قمقموں سے سجاتا تھا مگر اس بار وہ انڈونیشیا میں تھا اور اس کی واپسی جلد ہی متوقع تھی، مگر گوشی نے قمقموں کی بجائے پورے گھر کو ننھے ننھے دیوں سے مزین کیا تھا، اس نے ذرا ذرا سے فاصلے سے چراغ رکھ کر جو جلائے تو اماں ان کی جھلملاتی روشنی میں کھو سی گئیں۔

☆☆☆

شاہ دل کا کام مکمل ہو چکا تھا، جبکہ کچھ دوسرے لوگوں کا ابھی تھوڑا بہت کام رہ گیا تھا، شاہ دل واپس جانا چاہتا تھا مگر زویا نے اسے بھی زبردستی روکا ہوا تھا، وہ دونوں گھومنے نکلے ہوئے تھے، واپسی میں کافی دیر ہو گئی، شاہ دل نے کہہ سن کر اگلی صبح کی ٹکٹ بک کروالی تھی، زویا نے بھی زبردستی اس کے ساتھ ہی بکنگ کروالی تھی، شاہ دل اس کے ساتھ آنے سے کترا رہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میڈیا کو ایسی کوئی خبر ملے کہ وہ دونوں ساتھ سفر کر رہے ہیں مگر زویا کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں تھی، وہ ائیر پورٹ پر جان جان کر ایسے پوز کر رہی تھی جیسے وہ اور شاہ دل کے درمیان کچھ واقعی چل رہا ہے، کبھی اس کا ہاتھ پکڑ لیتی کبھی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ لیتی، شاہ دل جب لاہور ائیر پورٹ پر اترا تو رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، پاکستان میں شب معراج منائی جا رہی تھی۔

''اوہو۔'' اس نے ائیر پورٹ سے باہر آ کر جو عمارات پر چراغاں دیکھا تو تاسف سے اس کے منہ سے نکلا، ہر سال وہ اپنا گھر بڑے اہتمام سے سجاتا تھا مگر اس سال، اس کو افسوس ہوا، کہ سارے گھروں پر چراغاں ہو رہا ہوگا اور ہمارا گھر۔

ٹیکسی راستوں سے گزرتی ہوئے آخر کار شاہ دل ولا کے سامنے جا رکی ٹیکسی سے اترتے وقت اس کی نظر گھر کی طرف اٹھی اور واپس پلٹنا بھول گئی، شاہ ولا کے در و بام ننھے منے چراغوں سے منور تھا۔

''صاحب۔'' ٹیکسی ڈرائیور کی آواز سے اس کی محویت ٹوٹی، اس نے ہڑبڑا کر مڑ کر دیکھا، کرایہ دے کر ڈرائیور کو فارغ کیا اور گھر کی طرف بڑھ گیا، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور وہ چپ چاپ اندر آ گیا۔

''گھر پیارا گھر۔'' گھر کے اندر آ کر اس نے گہرے گہرے سانس لئے اور اماں کے کمرے کی طرف بڑھا اماں کا کمرہ بند تھا، اس نے ان کو بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اسے اس دشمن جاں کا خیال آیا، وہ ہاتھ میں تھاما بیگ وہیں سیڑھیوں پر رکھ کر چپ چاپ دبے قدموں واپس اتر کر آیا، گوشی کے کمرے کی لائٹ آن تھی، وہ شش و پنج میں تھا کہ دروازہ کھولے یا نہیں، آخر کار اس نے دل کی مانتے ہوئے دروازہ آہستہ سے کھولا، سامنے ہی اس کا بیڈ خالی پڑا تھا اس نے ذرا سا اندر آ کر جھانکا تو

ذرا فاصلے پر وہ اسے جائے نماز پر بیٹھی نظر آئی، سفید دوپٹہ اس نے اچھی طرح سر پر لپیٹ رکھا تھا اور اب وہ سجدے میں چلی گئی تھی، بے اختیار اسے زویا یاد آئی، کیا زویا بھی عبادت کرتی ہوگی، تب ہی اس نے سلام پھیرا، اس کی نظر شاہ دل پر گئی اور وہ چونک اٹھی، مگر اگلے ہی پل اسے نظر انداز کرکے دوبارہ نیت باندھ لی، شاہ دل کو تو پتنگے لگ گئے۔

''ہونہہ۔'' اس نے زوردار ہنکارا ابھرا۔
''دکھاوے کی لمبی لمبی نمازیں۔''

''جب کسی طرح بس نہ چلا تو نماز کا ڈھونگ رچا لیا۔'' گوشی کی آنکھیں نماز کے دوران ہی چھلک اٹھیں۔

☆☆☆

شاہ دل اپنے کمرے میں آ گیا، اپنا نظر انداز کیا جانا اسے کسی طور ہضم نہیں ہو رہا تھا، اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا، کچھ دیر بے مقصد چینل سرچ کرتا رہا۔

''لوگ میری ایک جھلک کو ترستے ہیں، نجانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔'' اس نے ٹی وی آف کر دیا۔

''جیسے سارے جہان میں ایک یہی عبادت گزار ہے۔'' اس نے سیل اٹھا لیا اور نجانے کیسے خود بخود زویا علی خان کو کال ملا لی۔

''سارا پاکستان اس وقت عبادت کر رہا ہو گا۔'' دوسری طرف سے مسلسل بیل جا رہی تھی، مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

''رات میں تمہیں کال کرتا رہا، مگر تم نے پک ہی نہیں کی؟'' اگلے دن شاہ دل نے زویا کو کال کی تو اس نے شکوہ کیا۔

''کیا کر رہی تھیں؟'' زویا شپٹا گئی۔

''کچھ نہیں، تم سناؤ خیریت تھی، رات کو میری یاد کیسے آ گئی؟ میرا مطلب ہے کہ رات کو ہی تو ہم ساتھ تھے۔''

''آں ہاں۔'' شاہ دل گڑبڑا گیا، واقعی شاہ دل سوچ میں پڑ گیا، کیوں کیا تھا فون؟ رات کو وہ اس کے ساتھ ہی تو واپس لاہور آئی تھی، وہ چپ سا ہو گیا، کیا کہے وہ کیا جواب دے۔

''ہیلو...... ہیلو۔'' زویا سمجھی لائن کٹ گئی۔

''ہاں...... ہاں...... ہیلو...... وہ دراصل میں نے سوچا معراج شریف کی مبارکباد ہی دے دوں۔'' آخر کار شاہ دل کو بہانہ سوجھ ہی گیا۔

''ہاں معراج شریف۔''

''تمہارے گھر میں کیسے منائی جاتی ہیں یہ مقدس راتیں۔'' نجانے شاہ دل اس سے کیوں پوچھ رہا تھا، شاید لاشعوری طور پر وہ گوشی کا مقابلہ زویا سے کر رہا تھا، زویا اس اچانک سوال پر گڑبڑا گئی، مگر اداکارہ تھی لہٰذا جلد ہی سنبھل گئی۔

''ہاں نہ ہم تو بہت اہتمام سے مناتے ہیں، سچ کیا بتاؤں، اتنا مزا آتا ہے کہ بس پوچھو نہیں، میری امی، خالہ اور ہم سب کزنز مل کر مناتے ہیں، کبھی آؤ نہ ہمارے گھر، بلکہ ابھی کیا، یہ کچھ دنوں کے بعد شب برات ہے آنا مل کر منائیں گے۔''

''واقعی۔'' شاہ دل بچوں کی طرح خوش ہو گیا۔

''ٹھیک ہے پھر شب برات کا پروگرام تمہاری طرف۔''

''ڈن۔'' زویا نے پوچھا۔

''بالکل ڈن۔'' شاہ دل نے پرمسرت لہجے میں کہا اور فون آف کر دیا۔

''محترمہ گل رعنا صاحبہ۔'' اس نے کرسی سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

''صرف آپ ہی اس دنیا میں متقی و

پرہیز گار نہیں ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو اللہ کے آگے جھکتے ہیں۔''

☆☆☆

شاہ دل کی شوٹنگ بالا کوٹ میں تھی، کسی کمرشل کی شوٹنگ تھی، دو دن کا قیام تھا، وہاں اس نے دو تین مزید لوگوں سے ملاقاتیں کرنا تھیں، جب سے معراج شریف کی رات گوشی نے اسے نظر انداز کیا تھا تب سے غیر محسوس انداز میں شاہ دل دن رات گوشی ہی کے خیالوں میں رہنے لگا تھا، وہ اسے جتنا مرضی نظر انداز کرے مگر اس نے کیسے اسے نظر انداز کیا، وہ بھی شاہ دل نواز کو، کچھ ایسے ہی خیالات تھے جو اس کا ارتکاز بار بار اپنے کام سے ہٹ جاتا تھا لہٰذا بار بار ری ٹیک ہو رہا تھا، نتیجتاً دو دن کا کام تین دن تک کھنچ کر لمبا ہو گیا۔

گھر تھکا ہارا آیا تو عذرا اور آصف آئے ہوئے تھے، عذرا کے دونوں بچوں نے گھر بھر میں قہقہے بکھیرے ہوئے تھے، بچوں کے ساتھ اس کی ساری تھکن اتر گئی، گوشی نے رات کے کھانے پر بڑا اہتمام کیا ہوا تھا، گوشی اس سے بالکل لاتعلق تھی، اس نے نہ تو شاہ دل کے آگے کوئی ڈش اٹھا کر رکھی نہ سالن کا ڈونگا بڑھایا، بلکہ وہ عذرا آپا اور آصف بھائی کے سامنے بار بار کوئی نہ کوئی ڈش بڑھا رہی تھی۔

''یہ لیجئے نہ آصف بھائی، میں نے بالکل اماں کے طریقے سے دم کا قیمہ بنایا ہے۔''

''اور آپا، یہ کٹلس ضرور چکھئے۔'' شاہ دل اپنے ہی گھر میں پرایا سا ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔

''لو...... نہ ...... شاہ دل تم بھی۔'' آپا کو جیسے اس پر ترس آیا۔

''یہ لو بریانی، بڑے مزے کی بنائی ہے گوشی نے۔''

''ہونہہ۔'' اس نے زیر لب ہنکارا بھرا اور بالکل اچٹتی سی نظر گوشی پر ڈالی وہ بالکل ایسے بیٹھی تھی جیسے اس کا ارد گرد سے کوئی تعلق واسطہ ہی نہ ہو، کم از کم کچھ دنوں پہلے تک ایسا نہ تھا، پہلے جب وہ باہر سے آتا تو وہ اس کے لئے کھانا لاتی، چائے کا وقت ہوتا تو چائے بنا دیتی، مگر اب یہ کیا، انقلاب ہے، تب ہی بالکل اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے معراج شریف کی رات کیسے ریمارکس دیے تھے، شاید محترمہ کو کچھ زیادہ ہی برا لگ گیا تھا، خیر مجھے کیا، ناراض ہے تو ہوا کرے، مجھے کیا، اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔

''اماں اب اچھی سی چائے پلوا دیں، میں بہت تھک گیا ہوں۔'' اس نے کرسی سے ٹیک لگائی، اماں کو بھلا کیا اعتراض تھا فوراً گوشی کی طرف دیکھا، وہ چپ چاپ برتن سمیٹنے لگی، سب اٹھ کر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے، ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو گئیں، شاہ دل کے سیریل، کمرشل ڈسکس ہونے لگے، تب ہی گوشی اندر داخل ہوئی، اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی، ٹرے کی سمت دیکھ کر شاہ دل کو تو مانو آگ ہی لگ گئی، ٹرے میں چائے کی بجائے آئسکریم کی پیالیاں تھیں، بچے آئسکریم دیکھتے ہی خوش ہو گئے، عذرا آپا اور آصف بھائی نے بھی پیالیاں اٹھا لیں۔

''لے یار، شروع کر۔'' آصف بھائی نے شاہ دل کے آگے پیالی کی۔

''تیری پسند کا فلیور ہے۔''

''نہیں آصف بھائی۔'' وہ دل کھول کر بدمزہ ہوا، اس لئے نہیں کہ آئسکریم اسے ناپسند تھی، بلکہ اس لئے کہ اس نے چائے مانگی تھی اور گوشی نے اس کی فرمائش کو نظر انداز کر دیا تھا، تھوڑی دیر بعد عذرا آپا اور آصف بھائی چلے گئے، اماں اندر اپنے کمرے میں چلی گئیں شاہ دل بھی

غصے میں اپنے کمرے میں چلا گیا، بھلا اپنے گھر میں ہی مجھے چائے کے لئے ترسنا پڑے گا، وہ کافی دیر بے مقصد ٹی وی کے آگے پڑا چینل سرچ کرتا رہا، اچانک اس کی نظر اپنے کمرے کے حلیے پر پڑی، وہ ٹھٹک گیا، اس نے اپنے بیڈ کا جائزہ لیا، اسے محسوس ہوا کہ اس کے کمرے کی صفائی ہی نہیں ہوئی، اس نے اردگرد نظر گھمائی، صوفے پر تولیے کا گولا اسی طرح پڑا تھا جیسا اس نے جاتے وقت پھینکا تھا، اتنی دیر سے جو چھوٹی چھوٹی باتیں اسے اکسا رہی تھیں اب یکدم تولیہ پر نظر پڑتے ہی جیسے بارود کو کسی نے تیلی دکھا دی، اس نے تکیہ اٹھا کر دور پھینکا اور دندناتا ہوا کمرے سے نکلا اور دھم دھم سیڑھیاں اترتا چلا گیا، وہ سیدھا اس کے کمرے کی طرف گیا مگر دروازہ کھلتے ہی واپس آ گیا، کمرہ خالی تھا، وہ کچن کی طرف بڑھ گیا، وہ برتن دھو رہی تھی، وہ تن فن کرتا اس کے سر پر جا پہنچا۔

''میرے کمرے کی صفائی کب سے نہیں ہوئی۔'' گوشی نے ذرا کی ذرا رک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' شاہ دل نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا، گوشی کے ہاتھ میں پکڑا کپ اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر جا گرا، اس نے ٹوٹے ہوئے کپ کو دیکھا اور پھر اسے۔

''آپ کے کمرے کی صفائی کا میں نے ٹھیکہ نہیں لیا ہوا؟''

''ٹھیکہ؟'' شاہ دل نے جیسے مذاق اڑایا اور اس کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''تم میری بیوی ہو اور میرے ہر کام کی ٹھیکے دار تم ہو، لہٰذا ابھی میرے ساتھ چلو اور میرے کمرے کی حالت درست کرو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''اور اگر میں نہ جاؤں تو۔'' گوشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تو۔'' شاہ دل نے اس کے کان کے بالکل قریب آ کر سرگوشی کی۔

''تو میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا، لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ پہلے میرا کمرہ صاف کرو اور پھر میرے لئے چائے کا کپ بنا کر مجھے پہنچاؤ، چلو جلدی۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا وہ اوپر اپنے کمرے کی طرف چلا۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' گوشی نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور خود اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، شاہ دل کو بہت مزہ آ رہا تھا۔

''آپ لاؤنج میں جا کر بیٹھیں، میرے صفائی کرنے کی شرط یہی ہے کہ آپ یہاں سے جائیں۔'' یکا یک وہ رک گئی۔

''ہوں۔'' شاہ دل نے ہنکارا بھرا۔

''تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں، ٹھیک پندرہ منٹ بعد میں کمرے میں آ جاؤں گا، اب تمہارا ٹائم شروع ہوتا ہے۔'' شاہ دل نے گھڑی دیکھی اور گوشی کمرے میں داخل ہو کر لاک لگا کر کمرہ بند کر کے وہ کچھ دیر تک کھڑی جائزہ لیتی رہی، آنسو امڈ امڈ کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے، وہ ہتھیلیوں سے آنکھوں کو رگڑ کر کام میں جت گئی، سارا پھیلاوہ سمیٹ کر ڈسٹنگ کی، سب کچھ ترتیب سے رکھا، ذرا دیر بعد ہی کمرہ چمک اٹھا، ابھی فارغ ہوئی تھی کہ لاک کے گھومنے کی آواز آئی، وہ چونک اٹھی وہ دروازہ ماسٹر کی سے کھول کر اندر آ چکا تھا۔

''ہوں۔'' اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔

''گڈ، اب چائے کی طلب عروج پر ہے

مزیدار سی چائے پانچ منٹ میں مجھے مل جانی چاہیے، ٹھیک پانچ منٹ بعد میں تمہارے سر پہ پہنچ جاؤں گا او کے۔" اس نے انگلی اٹھا کر جیسے وارننگ دی، گوشی چپ چپ واپس چلی گئی۔

"اب آئندہ مجھے نظر انداز کر کے دکھائے۔" وہ خود ہی مسکرا دیا۔

☆☆☆

شب برات کی مقدس رات آ پہنچی تھی، اماں اور گوشی سرشام سے ہی عبادت میں مشغول ہو چکی تھیں، مغرب کے بعد نوافل پڑھ کر فارغ ہوئیں تو شاہ دل تیار ہو کر آ گیا۔

"کہاں چلا تو؟" اماں نے پوچھا۔

"وہ اماں ایک دوست کے گھر عبادت کرنے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں سب دوست، آپ گھبرائیں نہیں، میں جلد ہی آ جاؤں گا۔" شاہ دل نے سفید شلوار قمیض زیب تن کی ہوئی تھی۔

"پتر۔" وہ جانے لگا تو اماں نے پیچھے سے آواز لگائی، وہ واپس مڑا۔

"جی۔"

"پتر مقدس رات ہے، حساب کتاب کیا جاتا ہے اس رات میں، آج کی رات کہیں لڑکے بالوں کے ساتھ مل کر پٹاخوں اور آتشبازی میں نہ گھر جانا، صرف اللہ کو راضی کرنا، وہ سوہنا راضی ہو گیا تو سب خود بخود راضی ہو جائیں گے۔" وہ ایک جذبے کی کیفیت میں بول رہی تھیں اور وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا، اگر بتا دیتا کہ دوست کوئی اور نہیں بلکہ زویا علی خان ہے تو اماں نجانے کیا کر ڈالتیں۔

شاہ دل گھر سے نکلا ہی تھا کہ راستے میں کیپٹن محمود الحسن کی گاڑی آتی نظر آئی، اس نے گاڑی سڑک کے ایک طرف روک لی، محمود الحسن گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آ گیا، دونوں نزدیکی ریسٹورنٹ میں چلے گئے، شاہ دل نے چائے کا آرڈر دیا اور ادھر ادھر کی باتوں میں مگن ہو گئے، باتوں باتوں میں گوشی کا ذکر آ گیا، کیپٹن محمود اسے کافی دیر تک سمجھاتا رہا۔

"وہ بیوی ہے تیری، اللہ نے تجھے اس کا نگہبان بنایا ہے اور یاد رکھنا ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پڑتال ہو گی تجھ پہ فرض ہے کہ اس کی ضروریات کا خیال رکھے، میرا خیال ہے کہ تو نے کبھی اس کے کپڑے، جوتے اور دیگر ضروریات کا خیال نہیں رکھا ہو گا ہیں نہ۔" شاہ دل چپ تھا، اس نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"مانا کہ اماں نے زبردستی کی ہے، مگر سوچ ذرا کہ اس بے چاری کا کیا قصور۔" محمود الحسن کو گوشی سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"وہ اب ایسی بھی بے چاری نہیں ہے۔" شاہ دل نے کپ میز پر رکھا۔

"مطلب؟" کیپٹن محمود الحسن نے حیرانگی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ کل مانگی میں نے چائے اور اس نے جان بوجھ کر چائے نہیں بنائی بلکہ سب کو آئسکریم کھلائی اور میں اپنے ہی گھر میں چائے کو ترستا رہا اور...... اور۔" شاہ دل نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات بتائی اور کیپٹن سے اپنی ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔

"ویسے تیرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔" تب ہی شاہ دل کے موبائل کی بپ سنائی دی، وہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جی اماں جی جی اچھا وہ ایسا ہے کہ آپ چاچا جی سے معذرت کر لو، میں تو نہیں آ سکتا، جی آپ کو تو پتہ ہے، میں کہاں ہوں عبادت شروع

ہونے والی ہے، جی او کے اللہ حافظ۔''
''کون سی عبادت؟'' شاہ دل نے فون آف کیا تو کیپٹن نے پوچھا۔
''وہ یار دراصل آج ایک دوست کے گھر انوائیٹڈ ہوں۔''
''خیریت، کوئی دعوت وغیرہ ہے۔'' نجانے کیوں کیپٹن محمود کو کرید لگ گئی۔
''ہاں یار، آج شب برات کی رات ہے، ذرا عبادت کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔''
''اچھا چل پھر میں بھی چلوں۔'' شاہ دل کو چائے پیتے پیتے اچھو لگ گیا۔
''تو کہاں چلے گا یار، بھابھی اور بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔'' تب ہی شاہ دل کی کال آ گئی، زویا اسے بلا رہی تھی۔
''بات سن۔'' کیپٹن محمود الحسن نے تھوڑا آگے بڑھ کر پوچھا۔
''یہ تیرے دوست کہیں زویا کے گھر تو نہیں جمع ہو رہے۔'' شاہ دل اٹھ کھڑا ہوا۔
''ایک تو میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی، کہ اماں اور تیرے دماغ میں زویا کیوں سما گئی ہے، ہر وقت زویا، زویا، چلتا ہوں میں۔'' اس نے کچھ نوٹ کپ کے نیچے دبائے اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔
کیپٹن محمود الحسن کی پرسوچ نظریں دور تک شاہ دل کا پیچھا کرتی رہیں۔

☆☆☆

راستے میں اپنے دو چار کام نپٹاتے ہوئے وہ زویا کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گیا، شہر سے کافی فاصلے پر واقع کوٹھی تھی، شاہ دل کے ہارن بجاتے ہی کوٹھی کا گیٹ کھل گیا، زویا نے خود اس کا استقبال کیا اس کے ساتھ دس بارہ لڑکے لڑکیاں تھیں، ان کے حلیے دیکھ کر کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ لوگ شب برات کے حوالے سے کسی محفل میں شریک ہونے آئے ہیں جدید تراش خراش کے ملبوسات زیب تن کیے، بہترین ہیر اسٹائل، شاہ دل حیران تھا، زویا اسے لے کر اندر آ گئی، یہاں تین چار ادھیڑ عمر خواتین تھیں، جن کا میک اپ ہی اسے عجیب وغریب لگ رہا تھا اوپر سے رہی سہی کسر پان کی گلوریوں نے پوری کر دی، زویا نے اس کا تعارف کروایا تو وہ چاروں خواتین جی جان سے اس کی بلائیں لینے لگیں۔
''امی آپ کو پتہ ہے شاہ دل آج شب برات ہمارے ساتھ منائیں گے۔'' زویا نے شاہ دل کا بازو تھامتے ہوئے کہا، وہ گڑبڑا گیا اس کے انداز پر۔
''ہاں ہاں کیوں نہیں، میں نے سارا سامان منگوالیا ہے ارے او اتھو او اتھو وہ بچوں کا سامان ان کے حوالے کر دے۔'' انہوں نے کسی کو آواز لگائی۔
''آج شاہ دل بابا شب برات منانے آئیں ہیں۔'' اتنی دیر میں ایک بوڑھے سے بابا بڑی سی ٹوکری ہاتھ میں لئے چلے آئے۔
''جی بیگم جان، ہمیں بٹیا نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ شاہ دل بابا آ رہے ہیں، ہم نے سب سامان بھی منگوالیا ہے اور پہلے کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی ہے، میرا خیال ہے پہلے کچھ کھا پی لیا جائے، کیوں بٹیا؟'' انہوں نے زویا سے پوچھا۔
''جی جی بابا آپ لگائیے کھانا، ہم آ رہے ہیں۔'' زویا نے شاہ دل کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بے باکی سے تھام لیا۔
''اور زویا یاد رکھنا شاہ دل بابا پہلی بار آئے ہیں، ہمارے غریب خانے پر، ان کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہ رہ جائے، انہیں بور نہ

ہونے دینا۔'' بیگم جان نے کہا۔

''جی امی آپ فکر ہی نہ کریں۔'' زویا لگاوٹ سے بولی۔

''چلو آؤ شاہ دل۔'' وہ اسے لے کر ایک اور کمرے میں آگئی، شاہ دل حیران تھا، وہ تو مقدس رات کی عبادت کے لئے آیا تھا مگر یہاں رات ضرور تھی البتہ عبادت اسے دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

شاہ دل تو اسی بات پر ٹھٹک گیا تھا کہ نھو بابا نے زویا کی امی کو بیگم جان کہہ کر بلایا تھا، وہ کھانا کھانا تو نہیں چاہتا تھا کیونکہ اماں کی تربیت ہی ایسی تھی کہ وہ کھانا ہمیشہ گھر آکر کھاتا تھا، مگر زویا نے زبردستی تھوڑا بہت کھانا کھلایا، کھانا شاید کسی بہترین ریسٹورنٹ کا تھا، البتہ دعوت نظارہ دیتا زویا کا لباس اسے تھوڑا پریشان کر رہا تھا، اس کی نظریں بار بار بھٹک رہی تھیں آخر کار وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''دراصل ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔'' اس نے بہانہ کیا۔

''افوہ شاہ دل ایسا بھی کیا ضروری کام، ابھی تو شب برات منانی ہے، چلو آؤ نہ باہر چلتے ہیں۔'' زویا نے ہاتھ اس کے بازو میں ڈال دیا، جسے اس نے نرمی سے چھڑا لیا، زویا نے محسوس تو کیا مگر کہا کچھ نہیں، وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔

''شاہ دل بھائی آگئے، شاہ دل بھائی آگئے۔'' اسے دیکھتے ہی لڑکے لڑکیاں الرٹ ہو گئے۔

''کم آن گائز، شب برات مناتے ہیں۔'' زویا نے پکارا۔

تب ہی لڑکوں نے ترتیب سے رکھے ہوئے اناروں کے فیتوں میں آگ لگائی، ذرا دیر بعد ہی اناروں نے آگ پکڑ لی، پھر تو وہاں وہ آتش بازی ہوئی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، پٹاخے، دھماکے، اور نجانے کیا کیا، شاہ دل کو اب سمجھ آئی کہ نھو بابا ٹوکری میں کیا بھر کر لائے تھے، یقیناً یہی سب بھرا ہوا تھا۔

لڑکے لڑکیاں شوخ ہوئے جا رہے تھے، زویا بھی پیش پیش تھی، شاہ دل کے دل میں کہیں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا، زویا کا لباس، بیگم جان، آتش بازی، زویا کا التفات، آج نجانے کیوں اس ہنگامے میں اسے دوپٹے کے ہالے میں قید ایک چہرہ بار بار یاد آرہا تھا۔

☆☆☆

صبح اماں نے اسے سوتے سے جھنجوڑ ڈالا وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

''ہاں اماں کیا ہوا؟'' وہ سرخ سرخ آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ دیکھ اپنے کرتوت۔'' اماں نے ہاتھ میں دبا اخبار اس کے منہ پر دے مارا۔

''یہ دیکھ ذرا اپنی عبادت۔'' شاہ دل نے آنکھیں کھول کر اخبار دیکھا اس میں اس کی اور زویا علی خان کی آتش بازی کے ساتھ والی تصویریں تھیں، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا کہتے ہوں گے لوگ۔'' اماں نے سینے پر دوہتڑ مارے۔

''چوہدری شاہنواز کا پتر اور کرتوت دیکھو کہ دیکھ کر ہی شرم آجائے، یہ دیکھ ذرا۔'' اماں نے زویا کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''کیسے تیرے ساتھ چپکی کھڑی ہے، اب تو تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ڈرامے کی تصویر ہے، یہ تیرے وہی کپڑے ہیں جو تو رات کو پہن کر گیا تھا، یہ تیرے پھرے اور ادھر دیکھ اپنی بیوی کو کیسی صابر ہے، شکایت کا حرف زبان سے نہیں نکالتی، چپ چاپ سر جھکائے کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی

ہے، وے بد بختا، اب تو میں یہ سوچتی ہوں کہ تو ہر گز اس قابل نہیں تھا کہ گوشی جیسی لڑکی تیری بیوی بنتی، تو اسی قابل تھا کہ کوئی آوارہ، بدقماش، اس چڑیل جیسی کوئی تیرا مقدر بنتی۔'' شاہ دل چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''کس چیز کی کمی چھوڑی تھی میں نے تیری تربیت میں۔'' اماں اب پلنگ پر جیسے گر سی گئیں، آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''چوہدری صاحب کے انتقال کے بعد میں نے تجھے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا، تجھے گاؤں سے شہر لے کر آئی تاکہ تیری اچھی تربیت ہو، شاید میں نے غلطی کی، مگر نہیں، میں نے تو بہت ساری غلطیاں کیں، پہلی غلطی میں نے جب کی جب تجھے گاؤں سے اٹھا کر شہر لائی، دوسری غلطی میں نے تب کی جب تجھے اعلیٰ تعلیم دلوائی اور تیسری غلطی میں نے جب کی جب تو اس منحوس اداکاری میں گھسا، مجھے رب نواز نے کتنا کہا تھا، بھرجائی روکو شاہ دل کو، یہ عزت داروں کا پیشہ نہیں ہے کوئی اسے پھانس نہ لے، مگر نہیں میری تو عقل پر پتھر پڑ گئے تھے، مجھے تو گھمنڈ تھا اپنی تربیت پر، میں کہتی تھی نہ نواجے شاہ دل میرا پتر ہے، اس کی رگوں میں چوہدری شاہنواز کا خون ہے، یہ بھی نہیں بھٹکے گا۔'' اماں دونوں ہاتھ ملتی جا رہی تھیں اور روتی جا رہی تھیں، شور سن کر گوشی بھی وہاں آ گئی تھی۔

''اور سب سے بڑی غلطی میں نے جو کی، میرا اللہ مجھے معاف کر دے، اس معصوم لڑکی کو تیری بیوی بنا کر اس گھر میں لے کر آئی، کیا قصور تھا اس کا، جو تو نے کبھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا، بول، بولتا نہیں۔'' اماں پر جیسے دورہ سا پڑ گیا تھا، شاہ دل ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''کبھی اگر تو اسے دیکھتا تو تجھے پتہ لگتا کہ یہ تیری اس ہوتی سوتی سے کہیں زیادہ گنوں والی ہے، تیری اس زویا کو تو دیکھ کر شرم کے مارے نظریں جھکانی پڑتی ہیں کہ اس کے تو کبھی کپڑے ہی پورے نہیں ہوتے۔'' گوشی نے ہاتھ جوڑے۔

''تائی امی بس کر دیں۔'' گوشی نے ان کے پاس بیٹھ کر بے بسی سے کہا۔

''ہاں پتر اب بس ہو گئی ہے۔'' انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''تیری بھی اور میری بھی، بس اب اور نہیں سہنا، شاہ دل۔'' انہوں نے عجیب ٹھہری آواز میں کہا، شاہ دل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''ابھی اور اسی وقت گوشی کو طلاق دے۔''

ایک دھماکہ تھا جس نے گوشی کے پرخچے اڑا دیے تھے، شاہ دل کا وجود دہل کر رہ گیا، اس نے بے اختیار گوشی کو دیکھا وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی، آنسو اس کی آنکھوں سے بے حساب بہہ رہے تھے، شاہ دل نے ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا، شاہ دل کے پاؤں جیسے زمین نے پکڑ لئے تھے، کیسی التجائیں تھیں جو اس وقت گوشی کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھیں، یکایک گوشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تائی امی۔'' وہ چیخ پڑی۔

''بس کر دیں تائی امی، بس کر دیں، میری ذات کا اور تماشا مت لگائیں۔'' وہ روتی چلاتی وہاں سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''تیرے سے اچھا بر ڈھونڈ کر دکھاؤں گی۔'' اماں چلا اٹھیں۔

''دے طلاق۔'' شاہ دل جھٹکے سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

نجانے رات کتنی بیت گئی تھی، وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی بھگاتا پھر رہا تھا، جیسی صورتحال

آج تھی ایسی تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔
اس نے تو کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں چاہا تھا کہ وہ گوشی کو طلاق دے گا، ٹھیک ہے وہ اماں سے ناراض تھا انہوں نے اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی چاچے کی بیٹی سے کر دی تھی، مگر اب ایسا بھی نہیں کہ وہ اسے طلاق ہی دے دے، وہ نجانے کب واپس آیا اور جوتوں سمیت ہی اپنے بیڈ پر لیٹا رہا، ساری رات سگریٹیں پھونکتے گزر گئی، نجانے کب نیند آئی، اسے پتہ نہ چلا، اماں اس سے ناراض ہو گئیں تھیں، اس سے بات چیت ترک کی ہوئی تھی، اس کی ریکارڈنگز زور و شور سے جاری تھیں، اماں نے شاہ دل کا بائیکاٹ کیا ہوا تھا، جہاں نظر آتا اس سے نظریں موڑ لیتیں، تب ہی ایک دن وہ اپنے شو کی ریکارڈنگ میں مشغول تھا جب بالکل اچانک اماں کا فون آ گیا، وہ حیران ہو گیا، جلدی سے سیل آن کیا۔
''جی اماں۔'' وہ خوش ہو گیا اماں نے کافی دنوں بعد بات کی تھی۔
''میں گاؤں جا رہی ہوں۔'' اماں کی سپاٹ آواز سنائی دی۔
''اچانک، خیریت؟''
''ہاں میرے رشتے کی خالہ مختاراں کا انتقال ہو گیا ہے، تجھے اس لئے فون کیا ہے کہ گوشی اکیلی ہے، لہٰذا اگر گھر جلدی تشریف لے آنا تو آپ کی مہربانی ہو گی۔'' اماں کی آواز میں طنز کا واضح عنصر تھا۔
''ابھی تک ناراض ہیں؟'' اس نے گہری سانس لی، مگر اماں نے فون بند کر دیا، اس نے فون آف کر کے جیب میں رکھا، آج اس کے شو میں ملک کے مشہور سیاستدان نے آنا تھا، سیکورٹی فل الرٹ تھی، پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو کر وہ بھول گیا کہ اماں نے جلدی گھر آنے کا کہا تھا، آخر رات گئے گھر واپس آیا تو یاد آیا کہ وہ اکیلی ہے۔
کھانا وغیرہ کھا کر وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا، باہر تیز ہوا نے طوفان کی شکل اختیار کر لی تھی، اس نے کمرے کی کھڑکیاں بند کیں اور سونے کو لیٹ گیا۔

☆☆☆

شاہ دل کو نیند نہیں آ رہی تھی، کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد آخر کار نیند آ ہی گئی، ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک تیز چیخ سے اس کی آنکھ کھل گئی، کچھ دیر تو وہ گم صم پڑا رہا، پھر خیال آیا کہ گوشی نیچے اکیلی ہے، اماں نے گاؤں جاتے وقت کہا تھا کہ جلدی آ جانا، آج گوشی اکیلی ہے، مگر اس کی ریکارڈنگ کافی دیر تک ہوتی رہی، اب جو اس نے تیز چیخ سنی تو یہی خیال آیا کہ شاید گھر میں چور نہ گھس آئے ہوں، اس نے الماری سے اپنا پستول نکالا اور دبے قدموں دروازہ کھول کر نیچے اترا، سارے گھر کی لائٹس روشن تھیں، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔
''گوشی!'' اس نے دھیمی آواز میں پکارا، وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی اس نے سر گھٹنوں میں دیا ہوا تھا، اس نے احتیاطاً ادھر ادھر دیکھا، اسے کوئی چور نظر نہ آیا۔
''گوشی!'' اس نے دوبارہ پکارا مگر اس نے سنا ہی نہیں، شاید رو رہی تھی۔
''گوشی!'' اس نے اب کی بار اس کے شانے کو ہلایا، وہ ایک دم اچھل پڑی۔
''کیا ہوا ہے؟ کیسی چیخ تھی؟'' وہ انتہائی نرمی سے پوچھ رہا تھا، مگر گوشی کی خوفزدہ نظریں اس کے پستول پر تھیں۔
تب ہی بادل زوردار آواز سے گرجے، گوشی پھر سہم سی گئی اور شاہ دل سمجھ گیا کہ اسے ڈر لگ رہا

ہے اماں جو آج گھر میں نہیں ہیں۔
''چلو آؤ اوپر میرے کمرے میں سو جاؤ۔'' اس نے کہا۔
''نہیں نہیں۔'' وہ جیسے سنبھل گئی۔
''آپ جائیں۔'' وہ گھبرا گئی، کیسے جاتی اس کمرے میں، جہاں سے نکالی گئی تھی۔
''اماں نہیں ہیں، آ جاؤ اوپر۔'' اس نے کہا اور اوپر کی طرف بڑھ گیا، اس نے اوپر پہنچ کر نیچے دیکھا وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔
''سنا نہیں تم نے۔'' اس نے اوپر سے آواز لگائی۔
''یا میں نیچے آؤں تمہیں لینے۔''
''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' وہ جیسے تھوک نگل کر منمنائی۔
''میں نے کہا نہ اوپر آؤ۔'' وہ بے نیازی سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا، چار ناچار اسے پیچھے جانا پڑا۔
''وہاں سو جاؤ۔'' اس نے اپنے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔
''نہیں نہیں، میں یہاں ٹھیک ہوں۔'' وہ صوفے کی طرف بڑھ گئی، شاہ دل واش روم میں چلا گیا، واپس آیا تو وہ ابھی تک صوفے پر بیٹھی تھی۔
''سو جاؤ، یا مراقبے میں کھو گئی ہو۔'' شاہ دل کی آواز نے اسے پکارا۔
ذرا دیر بعد اس نے لائٹ آف کر کے زیرو کا بلب روشن کر دیا، کمرے میں مکمل خاموشی تھی مگر اس خاموشی میں بھی ایک معنی خیزی پنہاں تھی، کلاک کی ٹک ٹک واضح طور پر سنی جا سکتی تھی، نجانے کتنا وقت گزر گیا۔
''اماں کب آنے کا کہہ رہی تھیں؟'' کافی دیر بعد شاہ دل نے ایسے پوچھا جیسے یقین ہو کہ وہ بھی جاگ رہی ہے۔
''کل۔'' اس کی طرف سے بھی فوراً جواب نے تصدیق کی کہ وہ ٹھیک سوچ رہا ہے۔
''ہوں۔'' اس کی پرسوچ آواز گونجی۔
''اماں...... نے...... مجھے۔'' شاہ دل نے جیسے بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی، گوشی کا رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا، وہ سانس روکے سن رہی تھی نجانے کیا کہنے والا ہے۔
''تمہیں...... طلاق دینے کا کہا ہے۔'' شاہ دل نے جیسے بم کا دھماکہ کیا، وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''کیا ہوا؟'' شاہ دل نے اسے جو یوں اٹھتے دیکھا تو پوچھا۔
''نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی دوبارہ لیٹ گئی، اس کا دل کر رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، وہ صوفے کی پشت کی طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی، اس کی آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ رہا تھا شاہ دل نے زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں اس کا ہلتا وجود دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ رو رہی ہے، اس نے بے اختیار اپنا ہونٹ کاٹ لیا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، کچھ دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا، وہ اس کے رونے سے پریشان ہو رہا تھا، وہ اتر کر بیڈ سے نیچے اتر آیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔
''سنو۔'' اس نے دھیمے سے پکارا، اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔
''گوشی!'' اس نے کرنٹ کھا کر مڑ کر دیکھا اسے اتنا نزدیک دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے، وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی، شاہ دل اس کے پاس بیٹھ گیا۔
''کیوں رو رہی ہو؟'' اس کی آنکھیں گریہ زاری سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''نہیں تو میں رو تو نہیں رہی۔'' اس نے آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑ کر صاف کیں، مگر صاف کرتے ہی آنسو پھر بھر آئے۔

''ادھر دیکھو۔'' اس نے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو اٹھایا، اس کے آنسوؤں میں اسے ہزاروں ستارے جھلملاتے ہوئے نظر آئے، شاہ دل نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے، اس کی اتنی سی توجہ پا کر وہ جیسے ضبط کھوتی جا رہی تھی۔

''شاہ دل..... آپ..... آپ۔'' شاہ دل اس کو دم بخود دیکھ رہا تھا، اب بھی انجانے میں اس کا دل زویا سے اس کا موازنہ کر رہا تھا۔

''آپ..... کیا..... مجھے..... چھوڑ دیں گے۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی، شاہ دل بالکل ساکت تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح شاہ دل ابھی سویا ہوا تھا جب اماں آ گئیں ان کے ساتھ گوشی کے ابا جی یعنی کے چوہدری رب نواز بھی تھے نجانے اماں نے دیور سے کیا ایسی باتیں کیں تھیں کہ وہ اماں کے ساتھ ہی اسے لینے آ گئے۔

''چل دھیئے، تیری ماں اداس ہے تیرے بغیر۔'' صورتحال کچھ ایسی تھی کہ گوشی کو جانا پڑا۔

شاہ دل جو ساری رات نجانے کیا کیا سوچتا رہا تھا اماں کی بات سنتے ہی ہکا بکا رہ گیا، اس نے اماں سے پوچھا تو وہ غصے سے بولیں۔

''میں نے نواجے سے بات کر لی ہے، اسے میری بات سمجھ آ گئی ہے، اس لئے وہ اپنی بیٹی کو لے گیا ہے، اس کی بیٹی کوئی لاوارث نہیں ہے، میں خود کوئی اچھا رشتہ دیکھوں گی۔'' شاہ دل کی تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا، ہر طرف گہما گہمی تھی، بازاروں کی رونقیں بڑھ گئیں تھیں، مگر شاہ دل نجانے کیوں گم صم اور چپ چپ سا رہنے لگا تھا، اماں کا مسلسل اصرار تھا کہ گوشی کو آزاد کرے، مگر شاہ دل نجانے کیوں پریشان تھا، اس کی رمضان کی ریکارڈنگز بہت بڑھ چکی تھیں، گوشی کے جانے کے بعد اسے گھر بالکل خالی خالی سا لگنے لگا تھا، جب رات گئے وہ آتا تھا تو اس کا دل ہمکتا تھا کہ شاید کہیں سے اچانک گوشی نکل آئے، کھانا اس کے آگے رکھے، اس کے کمرے میں صفائی کرے نہ کرے تو زبردستی کروائے آج کل تو اسے زویا کی فون کالز بھی ناگوار گزرتی تھیں۔

رب نواز اور شکیلہ دونوں اپنی اکلوتی بیٹی کی طرف سے پریشان تھے، وہ جب سے باپ کے ساتھ گھر آئی تھی کھوئی کھوئی سی تھی، سارا دن گھر میں جلے پیر کی بلی بنی گھومتی تھی، ذرا سی آہٹ پر دروازے کی طرف دیکھتی تھی، کھڑکی میں کھڑی رہتی تھی، رب نواز اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے، بس نہیں چلتا تھا سارے جہان کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈال دیتے، رمضان کے روزے یکے بعد دیگرے گزرتے جا رہے تھے۔

''یا اللہ میری بیٹی کو اتنی خوشیاں دے کہ اسے سنبھالنی مشکل ہو جائیں۔'' وہ ہر روز روزہ افطار کرنے سے پہلے سب سے پہلی یہ دعا کرتے۔

دونوں میاں بیوی بیٹی کا دل بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور وہ کبھی ہنستے ہنستے رونے لگتی اور کبھی جو چپ ہوتی تو سارا سارا دن گزر جاتا گم صم رہتے ہوئے، شکیلہ نے عید کے لئے اس کی ڈھیروں چیزیں خریدیں مگر اس نے ساری چیزیں الماری میں ٹھونس دی، اس کی سہیلی گڈی اسے

بلانے آتی تو وہ اسے بھی منع کر دیتی۔
''نہیں گڈی، دل نہیں کر رہا۔'' وہ جیسے سب سے بیزار تھی۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا، ہر طرف ہنگامہ مچا تھا، ایسے میں گڈی نے گھر آ کر شور مچا دیا کہ چل مہندی لگوا کر لاؤں مگر گوشی نے صاف منع کر دیا۔
''نہیں گڈی دل نہیں کر رہا، تو جا، مہندی لگوانے۔''
''چاچی۔'' گڈی نے شکیلہ کو آواز لگائی۔
''دیکھ لے یہ کتنا بدل گئی ہے، پہلے یہ مہندی لگوائے بغیر عید نہیں مناتی تھی اور اب دیکھ ذرا۔''
''ہاں تو نہیں دل کر رہا تو کیا زبردستی لگوا لوں۔'' گوشی نے روٹھی آواز میں جواب دیا۔
''نہیں لگواتی تو نہ لگوا، شہر جا کے تو تیرے نخرے ہی بڑھ گئے ہیں، لے چاچی میں تو چلی، سلام۔''
''وعلیکم السلام!'' شکیلہ نے جواب دیا اور گوشی کے پاس آ گئی۔
''پتر لگوا لیتی مہندی۔''
''نہیں اماں، دل نہیں کر رہا۔'' گوشی اندر جا چکی تھی۔

☆☆☆

شاہ دل ریکارڈنگ سے فارغ ہوا تو طبیعت بے چین سی تھی، گوشی کو گئے مہینے سے اوپر ہو گیا تھا، شاہ دل کا دل بار بار اس کے لئے یہی سوچتا تھا کہ اس کی زندگی میں گوشی کی کیا اہمیت تھی، اگر کوئی اہمیت نہیں تھی تو وہ بے چین کیوں ہے اس کے نہ ہونے سے اسے تو پرسکون ہونا چاہیے تھا، مگر وہ اپنے ساتھ اس کا سکون کیسے لے گئی۔
پھر کیپٹن محمود الحسن سے اس کی ملاقات ہوئی، وہ بھی اس کی حالت پر چپ نہ رہ سکا، چائے پیتے پیتے وہ شاہ دل سے سارے حالات سن چکا تھا۔
''دیکھ شاہ دل تو میرا دوست ہے میں اور تو ایک دوسرے کو بچپن سے جانتے ہیں، میں تجھے کبھی غلط مشورہ نہیں دے سکتا، تو کسی کا مشورہ نہ سن، صرف اپنے دل سے پوچھ، گوشی سے دور رہنے کی کیا وجہ ہے، کیا اس لئے تو نے گوشی کو اپنی زندگی میں بیوی کا مقام نہیں دیا کہ وہ گاؤں کی ہے یا وہ کم پڑھی لکھی ہے یا پھر سب سے بڑی وجہ یہ کہ اماں نے زبردستی تیری شادی کروا دی جبکہ تیرا زویا سے کوئی الٹا سیدھا چکر نہ تھا اور تو نے انتقام کے طور پر اسے نظر انداز کرنا شروع کیا۔'' اس نے سگریٹ سلگائی۔
''اگر یہ وجوہات درست ہیں تو ایمانداری سے بتا اس میں اس لڑکی کا کیا قصور، مردانگی تو یہ تھی کہ اماں کا بدلہ اماں سے لیتا، تو نے اس لڑکی سے بدلہ لیا اور اب بھی ٹھنڈے دل سے سوچ کہ اگر تو نے اسے آباد نہیں کرنا تو پھر، اماں صحیح کہہ رہی ہیں۔'' شاہ دل نے چونک کر اسے دیکھا، کیپٹن نے دھواں فضا میں اگلا۔
''چھوڑ دے اسے۔'' شاہ دل نے بے یقینی سے کیپٹن کو دیکھا۔
''ہاں میں درست کہہ رہا ہوں اور اگر تو سمجھتا ہے کہ گوشی کا اس سارے واقعے میں کوئی قصور نہیں تو میری جان ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر فیصلہ کر۔'' کیپٹن نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے اور شاہ دل کے دل کے کئی دریچے کھل گئے، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا اس کا ذہن منتشر تھا، وہ مسلسل سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا، شام کب کی ڈھل گئی تھی، عید کا چاند نکل آیا

تھا، نجانے کتنا ٹائم گزر چکا تھا۔

وہ سوچوں کی دنیا سے باہر نکلا تو اس نے خود کو گاڑی کچھ جانے پہچانے راستوں پر دوڑاتے پایا، وہ چونک گیا، اس نے گاڑی بے اختیار روک لی اور رک کر ادھر ادھر نظر دوڑائی، سامنے ہی بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا، جس پر ''چک 42'' لکھا ہوا تھا۔

''ارے؟'' اس نے حیرانی سے یہاں وہاں دیکھا، تب ایک جھماکا سا ہوا، وہ گوشی کے گاؤں پہنچا ہوا تھا، اس نے بے ساختہ گہری سانس لی اور مسکرا دیا، گاڑی آگے بڑھا کر جیسے ایک سکون سا اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا، ذرا دیر بعد گاڑی حویلی کے باہر رکی۔

چوہدری رب نواز اپنے ڈیرے پر گئے ہوئے تھے، شاہ دل نے گاڑی پارک کی اور باہر آ گیا، گاڑی دیکھتے ہی مکینوں میں ہلچل مچ گئی، کسی نے جا کر شکیلہ کو اطلاع دی وہ دوڑی دوڑی باہر آئی، پیچھے پیچھے گوشی بھی نکل آئی۔

''بیٹھو شاہ دل پتر۔'' خوشی کے مارے شکیلہ کا برا حال تھا، داماد آج خود چل کر گھر آیا تھا۔

اس نے جلدی سے رنگین کرسی لا کر رکھی شاہ دل بیٹھ گیا، گوشی حیران تھی، ساتھ ڈر لگ رہا تھا کہیں طلاق دینے تو نہیں آیا، وہ سہمی سہمی سی دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔

''نہیں چاچی، میں ذرا جلدی میں ہوں، وہ میں دراصل گوشی کو لینے آیا ہوں۔'' وہ جھجکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہیں۔'' گوشی کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو بہہ نکلے وہ جلدی سے دروازے سے ہٹ کر سامنے آ گئی۔

''شاہ دل پتر بیٹھو آپ میں چائے بناتی ہوں۔'' شکیلہ فوراً کچن کی طرف بڑھی۔

''اتنی دیر میں آپ کے چاچا جی بھی آ جائیں گے۔''

''نہیں چاچی ہم بس نکلتے ہیں، چاچا جی کو میرا اسلام کہنا، چلیں گوشی۔'' اس نے چاچی سے بات کرتے کرتے اچانک گوشی سے پوچھا، وہ تو حیران رہ گئی، اس کی باتوں پر، شاہ دل اٹھ کھڑا ہوا۔

گوشی نے جلدی جلدی کمرے میں آ کر منہ دھویا اور بالوں کو ایک سا کیا اور اماں سے ملتی ہوئی شاہ دل کے ساتھ باہر نکل آئی، سامنے سے گڈی آ رہی تھی، اس کے ہاتھ میں مہندی تھی، گوشی کے ساتھ شاہ دل کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''جا رہی ہے؟''

''ہاں۔'' گوشی نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''اچھا، میں بھی کہوں مہندی لگوانے سے منع کیوں کر رہی ہے، اب پتہ چلا، دولہا بھائی نے آنا تھا تجھے لینے۔''

''تو بھی نہ بغیر سوچے سمجھے بولتی ہے۔'' گوشی کی اداسی کہیں کھو گئی تھی، شاہ دل مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا اس نے فرنٹ ڈور اس کے لئے کھول دیا، گوشی تھوڑا جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

شکیلہ بھی دروازے پر باہر نکل آئی تھی، شاہ دل نے ہاتھ لہرا کر خدا حافظ کہا، شکیلہ کے ساتھ گڈی نے بھی خدا حافظ کہنے کے لئے ہاتھ ہلایا، شاہ دل گاڑی نکال کر بڑی سڑک پر لے آیا، گوشی اسے ہی دیکھ رہی تھی، شاہ دل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا گوشی نے اطمینان سے سر سیٹ کی پشت سے لگا لیا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی جب وہ لوگ لاہور شہر میں داخل ہوئے جگہ جگہ عید میلے لگے ہوئے تھے، لاہور کی رونق مکمل عروج پر تھی،

اس نے شہر کے بہترین مال سے اس کے لئے عید کی شاپنگ کی، گوشی کو جیسے سب کچھ خواب لگ رہا تھا، بازار کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔
شاہ دل کو اس کے لئے شاپنگ کر کے انجانی سی مسرت حاصل ہو رہی تھی شاہ دل نے اماں کے لئے بھی شاپنگ کی تھی، پھر وہ اسے لئے ایک مہندی کے اسٹال پر آ گیا، لوگوں نے اسے پہچان لیا اور شاہ دل شاہ دل کا شور سا مچ گیا، سٹال پر موجود لڑکی سے اس نے گوشی کے ہاتھوں پر مہندی لگوانے کو کہا، اس کے ارد گرد لوگ جمع ہو گئے۔
وہاں کچھ اخباروں کے فوٹو گرافر بھی پھر رہے تھے، کھٹا کھٹ تصویریں اترنے لگیں، کچھ چینل والے بھی کیمروں کے ساتھ تھے، انہوں نے شاہ دل کو گھیر لیا، لائیو کوریج ہو رہی تھی، شاہ دل نے گوشی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، مہندی لگانے والی لڑکی پھرتی سے مہندی سے گل بوٹے لگا رہی تھی۔
''شاہ دل صاحب، یہ کون ہیں، کیا آپ کے نئے سیریل کی ہیروئین ہیں؟'' یکا یک ایک رپورٹر نے سوال کیا، شاہ دل بے ساختہ ہنس پڑا۔
''یار اگر سیریل کی ہیروئن ہوتی تو ایسے ہاتھ پکڑ کر مہندی لگواتا۔'' گوشی کو بہت عجیب لگ رہا تھا، اتنے سارے لوگوں کا سامنا کرنا، حیا سے اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا، مہندی مکمل ہو چکی تھی۔
شاہ دل اسے لئے کیمروں کے سامنے آ گیا، اس نے گوشی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
''دوستو!'' اس نے کیمروں میں دیکھ کر کہنا شروع کیا۔
''آج ملئے شاہ دل نواز کی شریک حیات سے، ان کا نام گل رعنا ہے اور مجھے فخر ہے کہ۔'' اس نے گل رعنا کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔
''گل رعنا خالص میری اماں کی پسند ہیں اور آج میں آپ کے چینل کی وساطت سے اپنی اماں کو ایک بات کہنا چاہتا ہوں، شکریہ اماں، اتنی اچھی لڑکی کو میری بیوی بنانے کے لئے، آپ دنیا کی سب سے اچھی اماں ہیں، اللہ آپ جیسی اماں سب کو دے اور ہاں تھینک یو کیپٹن مائی فرینڈ، آئی ایم پراؤڈ آف یو۔'' گوشی کو اتنے لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کر کے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی، شاہ دل بھی محسوس کر رہا تھا اس کی ہتھیلی نم آلود ہو چکی تھی۔
شاہ دل کی نظر اچانک سامنے اٹھی سامنے زویا علی خان ہکا بکا سی کھڑی تھی، شاہ دل نے مسکرا کر زویا کی طرف ہاتھ ہلایا مگر زویا ہنوز شاک میں کھڑی تھی، شاید وہ بھی عید کی شاپنگ کے لئے آئی تھی، شاہ دل گوشی کو لئے باہر کی طرف بڑھا، لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا، وہ بمشکل تمام اسے لئے گاڑی تک آنے میں کامیاب ہوا۔
آسمان پر عید کا چاند اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا اور زمین پر چاند رات کی رونقیں ہر سو بکھری ہوئی تھیں،۔ اس نے شاپنگ بیگ گاڑی کی پچھلی سیٹ میں ٹھونسے اور خود فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھے اور فرنٹ ڈور کھول دیا گوشی بھی بیٹھ گئی، گاڑی میں ایک عجیب قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
''ہاں تو محترمہ گل رعنا عرف گوشی صاحبہ، کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کس کی اجازت سے گئیں تھیں؟'' وہ اس کی طرف مڑا اور اچانک ہی اس نے خاموشی توڑی تو گوشی ہکا بکا رہ گئی۔
''وہ...... دراصل۔'' وہ گھبرا گئی، گاڑی کی رفتار کافی ہلکی تھی۔
''کیا آپ کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے شوہر نامدار کا خیال آیا کہ جب آپ نہیں ہوں گی تو وہ کس کو تنگ کرے گا۔''

''اوہ۔'' گوشی نے بے اختیار گہرا سانس لیا اور مسکرا دی، شاہ دل تھوڑا سا اس کی جانب جھکا، گوشی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''سوری۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔'' وہ پلکیں جھکائے جھکائے پوچھ رہی تھی، شاہ دل کچھ دیر تک اس کی سمت محویت سے دیکھتا رہا۔

''کیونکہ میں تم تک اپنے دل کی پوری سچائی کے ساتھ لوٹنا چاہتا تھا۔'' وہ پوری ایمانداری سے کہہ رہا تھا، گاڑی گھر کی جانب رواں دواں تھی۔

''سنو۔'' وہ گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

''سنو۔'' تب ہی اس نے اسے پکارا۔

''تم نے مجھے یاد کیا؟'' گوشی کا سر جھکا ہوا تھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا، کہ کہیں آپ...... آپ مجھے۔'' وہ رو ہی تو پڑی۔

شاہ دل نے بے اختیار اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے جملہ پورا کرنے سے روکا۔

''بس گوشی اب کبھی نہ ڈرنا اور پرانی ساری باتوں کو ایک خواب سمجھ کر بھول جانا اور یاد رکھنا تو بس یہ کہ شاہ دل نواز صرف اور صرف تمہارا ہے، چلو آؤ گھر آ گیا ہے۔'' وہ دونوں گاڑی سے نیچے اتر آئے، وہ اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا سامنے ہی اماں کھڑی تھیں، اماں نے انہیں دیکھتے ہی اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں اور شاہ دل اور گوشی کو خود میں سما لیا، خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''اماں آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' شاہ دل نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔

''پتر ڈی دی تیری اماں بھی دیکھتی ہے۔'' وہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑے۔

شاہ دل ولا میں آج خوشیوں کا ڈیرہ تھا، عید کا چاند سب کو خوش دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا، شاہ دل اور گوشی اماں کے ساتھ اندر چلے گئے، ایک نئی زندگی ان کی منتظر تھی، خوشیوں سے بھرپور۔

☆☆☆

سندس جبیں

وہ بستر پر کروٹ کے بل دراز تھی، اس کے بال ایک طرف پھیلے ہوئے تھے اور وہ کہنی سر کے نیچے رکھے ہوئے بند آنکھوں سے کچھ سطریں اپنے ذہن میں لکھتی تھی، پھر انہیں مٹاتی تھی، پھر لکھتی تھی، ترتیب کچھ خراب تھی، اسے الجھن سی ہونے لگی، اس نے آنکھیں کھول دیں، وہ دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ رہے تھے، ردھم ٹوٹ چکا تھا، پتہ نہیں زندگی میں اس شخص کی وجہ سے اس کا اور کیا کیا ٹوٹنا باقی ہے، اس نے تلخی سے سوچا۔

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے آہستگی سے ہاتھ اس کے بالوں پر پھیرا، وہ اب روکھے اور بے جان نظر آتے تھے، انہوں نے نرمی سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور اس کی کہنی سر کے نیچے سے نکال دی، پھر کمبل کھینچ کر اسے اوڑھا دیا۔

''نیند آ رہی ہے؟'' وہ آہستہ سے پوچھ رہے تھے، وہ جواب دینے کی بجائے ایک کہنی اپنے گال اور آنکھوں پہ رکھ رہی تھی۔

''جی۔'' جب جواب نہ دینا ہو اور پھر بھی بولنا پڑے تب دل تو دکھتا ہے اور اسی لئے اس کا جواب بھی بڑا مختصر تھا۔

وہ اسے تھپکنے لگے، دارین کے اندر بڑی شدت کی مذاحمت جاگی تھی، اس کا دل چاہا وہ انہیں روک دے، وہ کوئی بچی تو نہیں تھی نا، اب وہ آہستہ آہستہ اس کی کمر سہلا رہے تھے، اس نے بے چین ہوتے ہوئے کروٹ لینا چاہی مگر ایسا کرنے کے لئے اسے اپنے چہرے سے اپنی کہنی ہٹانا پڑتی اور پھر اس کی آنکھوں کے آنسو انہیں نظر آ جاتے اور پھر ان کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور پھر...... وہ بے آواز رو رہی تھی۔

وہ بے وقوف اس بات سے بے خبر تھی کہ

ناولٹ

اس کا سر جس آغوش میں تھا، وہ بھیگتی جاتی تھی اور جو ہاتھ اسے تھپکتا تھا اس میں لرزش بڑھتی جاتی تھی، بہت دیر تک یہ جاری نہ رہ سکا، انہوں نے اس کا بازو اس کے چہرے سے ہٹایا اور اس کے آنسو صاف کرنے لگے، دارین کے لئے یہ ایک دھماکے سے کم نہ تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں نم تھیں۔

وہ یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر اپنے قریب کر لیا، وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر وہی بات، ان کے سامنے اتنی جرأت کہاں سے لاتی، جبھی بے بسی سے رونے لگی، اب کی بار انہوں نے اسے اپنے سینے میں سمیٹ لیا تھا اور ان کے سینے پر سر رکھے اس کے آنسو ان کے دل پر گرتے تھے۔

''آپ اچھے نہیں ہیں، آپ بالکل اچھے نہیں ہیں۔'' وہ بلک رہی تھی اور بڑی جرأت سے بولتی تھی، اس کے نزدیک یہ دو جملے اس کی عظیم بدتمیزی تھے اور یہ بولتے ہوئے اسے احساس نہیں تھا کہ ان کا ری ایکشن کیا ہوگا، مگر اس پر کمبل درست کرتے ہوئے وہ بالکل خاموش تھے، انہوں نے کچھ بھی نہ کہا تھا، ڈانٹا تک نہ تھا، بس اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اتنا ہی کہا تھا۔

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، میں اچھا نہیں ہوں، بالکل اچھا نہیں ہوں۔'' آج پہلی بار ان کا لہجہ شکستہ تھا۔

☆☆☆

نا اُمیدی کی تاریکی میں
خوش اُمیدی کا سورج
مایوسیوں کی دھند میں
رحمتوں کا نزول

اور......!!
افسردگی کی شام میں
خوشیوں کی ہوا......!
کیا تم ان میں کسی ایک
خوشی کی سنہری کرنوں
کا تاج پہنے میری
زندگی کی راحت بن سکتے ہو؟؟؟

وہ بڑی دیر تک اپنی لکھی ہوئی سطریں دیکھتی رہی، پھر اس نے خاموشی سے ڈائری بند کر کے چھپا دی، اس بات پر بھی شکر تھا کہ اس نے جب ساری چیزیں چیک کیں تو سب ٹھکانے پر تھا، اس کی ڈائریز اور وہ حیدر کی تصویریں بھی، اسی طرح محفوظ تھیں اور جہاں وہ چھپاتی تھی وہیں ملے تھے۔

صبح کا آغاز ہو چکا تھا اور اسے لگتا تھا کہ پہلے کی طرح روٹین ہوگی مگر حیدر نے اسے منع کیا تھا کہ وہ باہر نہیں آئے گی اور نہ کسی کام میں حصہ لے گی، اسے اس حکم نے کچھ مزید ڈرا دیا تھا، پتہ نہیں اب مزید کیا باقی تھا، مگر وہ نہا کر بال خشک ہونے کے لئے چھوڑ کر کھڑکی کے آگے آن کھڑی ہوئی، ہلکے سے پردے سرکائے تو لان میں چمکدار دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

اور لان کے بیچوں بیچ اس چھوٹے سے درخت کی ایک شاخ کو ہلاتے ہوئے وہ وہاں کھڑا ہنس رہا تھا، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا، اس نے آگے بڑھ کر پھر دیکھا، پھر غور سے دیکھا اور پھر آنکھیں سکوڑ کر دیکھا اور پھر یکدم واپس پلٹی، اس کا رخ دروازے کی طرف تھا، وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکی اور اس کوشش میں وہ یہ بھول گئی کہ اس کے پیروں میں جوتا تک نہیں تھا، وہ بس بھاگتی جا رہی تھی، ملازماؤں نے حیرانی سے اسے دیکھا اور زمینوں سے واپس آتے

ہوئے حیدر نے بھی یہ منظر دیکھا تھا۔

اور اب وہ اس درخت کے پاس کھڑی اکیلی ہنس رہی تھی، بے تحاشا ہنستی جاتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ وہ کچھ بولتی بھی تھی اور پھر اس نے ایک شاخ کو پکڑ کر ہلانا شروع کر دیا۔

حیدر خاموشی سے کچھ فاصلے پر کھڑے اس کو دیکھ رہے تھے، پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور جب دارین نے انہیں دیکھا تو وہ یکدم سے ڈر گئی، گھبرا گئی، اس نے شاخ کو ہلانا چھوڑ دیا اور بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی، مگر اسے احساس ایکدم سے ہوا کہ اس نے جوتا نہیں پہنا ہوا تھا، نہ ہی اس نے بال باندھے ہوئے تھے، اس نے جلدی سے اپنی چادر سے کھلے بالوں کو ڈھکا تھا، مگر پیروں کا کیا کرتی؟

''اتنی سردی میں ادھر کیوں آ گئی دارین؟ جوتا بھی نہیں پہنا؟'' وہ نرمی سے سوال کر رہے تھے۔

وہ جواب دینے کی بجائے گھبراہٹ میں ہونٹ کچلنے لگی، انہوں نے سر جھٹک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے لے کر اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے، جس طرح اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر سب حیران رہ گئے اسی طرح ان دونوں کو ایک ساتھ اندر آتا دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں، اپنے کمرے میں آ کر انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تم اپنی ضروری چیزیں پیک کر لو، آج شام ہم اسلام آباد جا رہے ہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور دارین حیرت سے گنگ انہیں دیکھتی رہ گئی، اس کا ذہن ایک لفظ ''ہم'' پر اٹک کر رہ گیا تھا، وہ اپنی بات مکمل کر کے واپس کمرے سے جا چکے تھے۔

☆☆☆

یہ ایک لمبا سفر تھا اور وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے، جبھی انہوں نے خود ڈرائیونگ کرنے کے بجائے ڈرائیور کو ساتھ لینا مناسب سمجھا تھا، سامان پیک کروا کر ڈکی میں رکھوا دیا گیا تھا اور وہ ان کے ساتھ پچھلی سیٹ پر تھی، سیاہ گرم سوٹ میں ساتھ کا دوپٹہ لئے اور اس سے اپنا چہرہ ڈھکے وہ یوں بیٹھی تھی جیسے نالائق طالب علم ہو، گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

قریباً کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد انہوں نے ایک جگہ گاڑی رکوائی تھی اور ڈرائیور کو چائے اور سینڈوچز لانے کا آرڈر دیا تھا، وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی، جبکہ اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی مگر اس نے ہمیشہ کی طرح لب بھینچے رکھے، وہ اپنے سیل پر مصروف تھے، مطلوبہ آرڈر آنے پر انہوں نے گاڑی میں بیٹھے ہی ٹرے وصول کی تھی اور سیٹوں کے درمیان رکھ دی، دارین نے چور نظروں سے ٹرے میں دیکھا، وہاں سینڈوچز اور چائے کے دو کپ تھے، پھر اس نے نظریں اپنے پیروں پر جما دیں، وہ انہیں یہ باور نہیں کروانا چاہتی تھی کہ اسے بھوک لگی ہے، انہوں نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے اسے اشارہ کیا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا، وہ جو چائے کا پہلا گھونٹ لے رہے تھے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے، پھر ہاتھ آگے بڑھا کر کپ اس کے آگے کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے سے چادر ہٹا دی۔

''تھوڑا سا لے لو، سفر لمبا ہے اور اب تم میرے ساتھ ہو اس لئے۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' ان کا اشارہ چادر چہرے سے ہٹانے کی طرف تھا، اس نے قدرے ہچکچا کر کپ پکڑ لیا تھا، چائے پیتے ہوئے وہ ایک ضروری فون کال اٹینڈ کرتے رہے مگر اس دوران بھی انہوں نے اسے سینڈوچ پکڑایا تھا، وہ

چھوٹے چھوٹے نوالے لیتی ان کی انگریزی بڑے دھیان سے سن رہی تھی، یہ مختصر سا کھانا ختم کرنے تک ان کی کال بھی ختم ہو چکی تھی، پھر سے گاڑی چل پڑی۔

بہت دیر تک وہ اسی طرح خاموشی سے سفر کرتے رہے، پھر انہوں نے گاڑی کی لائٹ بجھانے کا آرڈر دیا تھا، اب شام ڈھل کر رات میں بدل چکی تھی، سردی بڑھ رہی تھی اگر گاڑی میں ہیٹر نہ ہوتا تو یقیناً اب تک وہ سردی سے لرز رہی ہوتی۔

''مجھے عادت ہے اتنے لمبے سفر کی، تمہیں نہیں ہے، کچھ دیر سو جاؤ۔'' انہوں نے نرمی سے کہا تھا، اس نے اندھیرے میں ان کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر ناکامی کے بعد آہستگی سے سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

انہوں نے کچھ دیر اس کے سونے کا انتظار کیا، پھر ہیٹر بند کروا کر اسے گرم چادر اوڑھا کر اس کا سر اپنے کاندھے پر رکھ دیا تھا اور اس کے گرد بازو پھیلا کر بہت بے خیالی میں اس کا گال سہلاتے رہے تھے۔

☆☆☆

معروف سائیکا ٹرسٹ مسز رومانہ ندیم کے لئے یہ کیس بہت اہمیت کا حامل تھا، وہ اپنے سارے معاملات، ضروری اپائنٹمنٹس کینسل کر کے اس کیس کو لے کر بیٹھی تھیں، وگرنہ وہ اس قدر مہنگی اور معروف سائیکا ٹرسٹ تھیں کہ ان سے وقت لینے کے لئے لوگوں کو مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا، مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کیس کے پیچھے جس آدمی کا نام تھا، وہ اتنا طاقتور تھا کہ وہ اس سے بگاڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

حیدر چوہدری جیسویں اسکیل کا آفیسر ہی نہیں تھا بلکہ اس کا خاندانی بیک گراؤنڈ بھی بے حد مضبوط تھا، دوسری اہم خصوصیت اس کا کیپٹل میں پوسٹنگ ہونا تھا، سروس ریکارڈ بے حد شاندار تھا اور اگر یہ سب نہ بھی ہوتا تو یہ کیس لینے کے لئے ان کو ایک ہی بات کافی تھی کہ وہ ان کے شوہر کامران ندیم کا بیچ میٹ تھا اور کامران ہر صورت انہیں پریشرائز کرتے، جبھی وہ اس وقت اپنی اسٹڈی میں اپنے سامنے رکھی وہ تینوں ڈائریز جنہیں وہ پڑھ چکی تھیں حیدر چوہدری کا انتظار کر رہی تھیں۔

معاملہ خاصا الجھا ہوا تھا، انہوں نے کچھ ضروری نوٹس بنانے کے بعد اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی، ان کی آمد کا وقت ہوا چاہتا تھا، چند سیکنڈز بعد دروازہ کھلا اور دروازے میں ان کی صورت نظر آئی، وہ اپنی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئیں تھیں۔

''ہیلو سر! ہاؤ زیو؟'' وہ شائستگی سے مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔

''آئم فائن، واٹ اباؤٹ یو؟'' وہ بھی رسماً مسکرائے تھے۔

''آئم گڈ ٹو، گلیڈ ٹو ہیو یو ان مائے اسٹڈی، پلیز ٹیک یور سیٹ۔'' انہوں نے حیدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

''شڈ دی اسٹارٹ؟'' انہوں نے قدرے پروفیشنل انداز میں کہا، حیدر نے سر ہلا دیا، حیدر کو چند ضروری باتیں بتانے کے بعد دونوں ہاتھ بالوں میں پھنساتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''آئی وانٹ ٹو ہیو سم مور ڈیٹیلز، سو پلیز یو ڈونٹ مائنڈ فار مائے بینگ پرسنل۔'' وہ تھوڑا مزید پروفیشنل ہو گئی تھیں۔

''یا...... شیور۔'' ان کے چہرے پر مزید سنجیدگی آ گئی۔

''سب سے پہلے آپ کو کب فیل ہوا کہ

دارین کوئی پرابلم فیس کر رہی ہے؟'' ان کا پہلا سوال سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''ٹوٹلی آنسٹ مجھے کبھی فیل ہی نہیں ہوا کہ اسے کوئی پرابلم ہے، مگر یہ ایک بہت عجیب دن کی بات ہے، میں نے دیکھا وہ کسی سے باتیں کر رہی ہے، بالکل جیسے بیچ میں اس کے ساتھ کوئی بیٹھا ہو، وہ شاید خود کلامی کر رہی تھی، مجھے اس کی باتیں تو سمجھ نہ آسکیں مگر ان میں واضح طور پر ایک نام تھا، میں خاموشی سے پلٹ آیا، مجھے اس وقت کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہ کیا معاملہ تھا؟'' وہ خاموش ہو گئے۔

''پھر آپ نے اس معاملے کو انوسٹی گیٹ کیا؟'' وہ اگلا سوال کر رہی تھیں، وہ کچھ دیر خاموش رہے۔

''بالکل کیا، مجھے یہ جاننے میں پوری دلچسپی تھی کہ یہ کیا معاملہ تھا، اس نام کی انوسٹی گیشن کرتے وقت مجھے پتہ چلا کہ اس رات دارین ''دارا'' نامی جس شخص سے باتیں کر رہی تھی، وہ درحقیقت موجود ہی نہ تھا، میں نے دارین سے اس کی انوسٹی گیشن کرنے کی کوشش کی مگر اس نے بہت حیرانی سے انکار کر دیا، مجھے اس کے انکار پر طیش تو بہت آیا مگر میں ضبط کر گیا، اس سے پہلے حادثاتی طور پر میری والدہ کی وفات اور اس میں دارین کی انوالومنٹ سے معاملہ اس قدر کمپلیکس اور خوفناک تھا کہ مجھے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ اس کا یہ ذہنی رخ اس کو کس طرف لے کر جا رہا تھا، پھر اتفاقاً اس کی ڈائریز مجھے ملیں، جن سے ٹھیک طور پر اندازہ ہوا کہ یہ مسئلہ اتنا آسان بھی نہ تھا، پھر مجھے لگا کہ مجھے کسی سے کنسلٹ کرنا چاہیے۔'' وہ تفصیل سے بتا رہے تھے۔

''آپ کے اور دارین کے درمیان کیا کبھی اچھے تعلقات نہیں رہے؟'' ان کا لہجہ کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری تھا، مگر اس کے باوجود یہ حیدر چوہدری کے منہ پر ایک طمانچہ تھا، اپنے انتہائی ذاتی معاملے کو یوں زیر بحث لانا ان کے لئے ازحد تکلیف دہ تھا۔

''اٹس ٹرو۔'' انہوں نے مختصراً کہا۔

''آپ کی شادی کو قریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے، مگر آپ اس کے ساتھ صرف سترہ دن رہے یعنی قریب قریب پانچ سو دس دنوں میں سے صرف سترہ دن اور بس۔'' وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

''ہوں۔'' ان کے دانت بھینچ رہے تھے، مگر وہ مجبور تھے۔

''آپ کا رویہ اس کے ساتھ بہت زیادہ تحکمانہ اور کمانڈنگ تھا۔'' وہ مزید بول رہی تھیں۔

''یس۔'' ان کا جواب پھر مختصر سا تھا۔

''چونکہ آپ زیادہ عرصہ تک اس کے ساتھ نہیں رہے اس لئے یقیناً آپ اس کے وہ معمول یا ڈیلی روٹین سے بھی بے خبر ہوں گے مگر میں جنرلی آپ سے کچھ سوال کروں گی، جیسا کہ۔''

''کیا وہ اکیلی سوتی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''گھر کی مصروفیات میں اس کا کتنا حصہ تھا؟''

''بہت بڑا حصہ تھا، میری والدہ کی دیکھ بھال اور دیگر کام کاج وغیرہ۔''

''کوئی ذاتی دلچسپیاں؟''

''نہیں، میرے علم کے مطابق نہیں۔''

''کوئی دوستی کسی سے؟''

''آئی ڈونٹ نو۔''

''کیا وہ باتونی ہے؟''

''نہیں۔''

''کس حد تک خاموش طبع ہے؟''

''میری اس کے ساتھ کبھی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔''

سوالات کا یہ سلسلہ جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا تھا مزید پرسنل ہوتا جا رہا تھا اور حیدر چوہدری کا ضبط جواب دیتا جاتا تھا، مگر وہ مجبور تھے۔

☆☆☆

ڈھلتی سنہری شام میں موم کی مانند پگھلتی وہ لڑکی دارین چوہدری!!

جس کی کہانی عجیب تر ہے۔

جس کا ماضی حیران کن ہے۔

جس کا حال پریشان کن ہے۔

اور......!

جس کا مستقبل تاریک؟؟؟

نفسیاتی طور پر ایک عجیب عارضے میں مبتلا تھی، اس کا شمار ان لوگوں میں تھا جو پیدائشی فطین کہلاتے ہیں، مگر قدرت کے بنائے گئے اس ذہین دماغ کو اپنی ذہانت وقابلیت دکھانے کا کوئی موقع نہ مل سکا، تنہائی، خوف اور سناٹا ان تینوں نے مل کر اس کا بچپن تاریک کر دیا اور اسی غبار نے جو اندر ہی اندر جمع ہوتا رہا، لاوا کی صورت نکالا تو وہ ''دارا'' کی شکل دھار گیا، دارین کا فرضی بھائی دارا، جو ہمیشہ اس کے ساتھ کھیلتا تھا، ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا تھا اور جس سے اس کے سوا کوئی واقف نہ تھا، اس کا یہ خیالی بھائی ہر دکھ میں اس کی دلجوئی کرتا یہاں تک کے جب اس کے باپ کی وفات ہوئی اس وقت بھی وہ اس کو دلاسہ دینے کے لئے موجود تھا اور پھر وہ ہمیشہ موجود رہا، اس کے ہر دکھ، ہر تکلیف میں اس کا ایک مضبوط سہارا بن کر۔

مگر ایک مشکل تھی، وہ کسی کے سامنے نہیں آتا تھا، نہ ہی وہ اسے دوسروں کے سامنے لانا چاہتی تھی، اسے ڈر لگتا تھا، وہ بھی اگر دوسروں کی طرح اس سے بے پرواہ ہو گیا تب وہ کیا کرے گی؟

اسی خوف کے پیش نظر اس نے سب سے چھپا کر ''دارا اور دارین'' کی ایک الگ دنیا بسا لی، ایسی دنیا جس سے سب لاعلم تھے اور کسی کو نہیں پتہ تھا کہ دارین چوہدری ایک دوغلی زندگی جیتی تھی۔

آٹھ سال کی اس لڑکی نے جب پہلی مرتبہ ''دارا'' کو اپنی زندگی میں شامل کیا تو وہ بارہ سال کا تھا اور اب جبکہ وہ ساڑھے انیس سال کو ہو چکی تھی وہ پھر بھی بارہ سال کا ہی تھا، وہ اسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی تھی اور اس کی ذات کے وہ تمام کمزور و تاریک پہلو جن سے اس کا بھائی دارا ہی آگاہ تھا، کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسے تنہائی سے خوف آتا تھا، اسے ہجوم میں رہنا اچھا لگتا تھا، اسے خاموشی سے نفرت تھی، وہ چپ بیٹھ ہی نہ سکتی تھی، اسے ہنسنا، قہقہے لگانا پسند تھا، اسے مسکراتے لوگ پسند تھے، اسے خاموش طبع اور سنجیدہ لوگوں سے عجیب سی چڑ تھی، اسے روشنیاں، اجالے، ہنسی اور پھول پسند تھے، اسے اندھیرے سے ڈر لگتا تھا، وہ اندھیرے میں نہیں جا سکتی تھی۔

اور اس کی ان سب باتوں سے بس دارا آگاہ تھا، صرف وہی جانتا تھا کہ اسے کس چیز سے دکھ ہوتا تھا، اسے کیا چیز بری لگتی تھی، اسے کیا پسند تھا اور کیا ناپسند؟ یہاں بس دارا ہی تو اس کا اکلوتا رازدان تھا۔

مگر ''شیش محل'' میں اس کے حصے جو زندگی آئی وہ اس زندگی سے قطعاً مختلف تھی جس کے خواب اس نے دیکھے۔

حیدر کو اندھیرے پسند تھے اور وہی

اندھیرے اس کی قسمت میں لکھ دیئے گئے، حیدر کو سنجیدگی بھاتی تھی، اس کی مسکراہٹ خوف سے سکڑ گئی۔

حیدر کو شوخی و شرارت سے چڑ تھی، اس نے خود کو سنجیدگی کے خول میں قید کر لیا، حیدر کو غیر ذمہ داری و لاپرواہی سے نفرت تھی اس نے خود کو ذمہ دار کہلانے کے چکر میں نڈھال کر لیا اور اس کے ان تمام دردوں اور اذیتوں سے بس اک وہی تو واقف تھا۔

☆☆☆

انسانی دماغ بہت عجیب چیز ہے، بچپن کے خوف اور ڈر اس کے اندر یوں بیٹھ جاتے ہیں جیسے پانی کی تہہ میں پتھر۔

دارین چوہدری کا دماغ ایک ایسا قابل دماغ تھا، جو گزری کسی بات کو بھلانے کی بجائے ایک لائبریری کی مانند ہر بات ہر واقعہ ہر لہجہ ایک کتاب کی صورت محفوظ کرتا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے حیدر چوہدری کی کہی ہر بات کو ذہن میں محفوظ کر لیا اور پھر اسے اپنی ڈائریز پر ٹرانسلیٹ کر دیا۔

بعض دفعہ انسان جب کسی کے آگے دل کی بھڑاس نہیں نکال پاتا تو یہ جمع شدہ غبار ایک لاوے کی صورت جمع ہوتا جاتا ہے اور جب پھٹتا ہے تو شاید کسی دارا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

نفسیات اگرچہ ایک وسیع و عریض پیمانے پر پھیلا ہوا مضمون ہے مگر نفسیات بھی اس بات کا تعین کرنے میں ناکام ہے کہ انسان کی نفسیاتی بیماری پر ماحول کا اثر زیادہ ہوتا ہے یا وارثت کا۔

مگر ایک بات بڑے یقین سے کہی جا سکتی ہے، انسانی ذہن کا کسی بھی عارضے میں مبتلا ہونا کوئی دو دن کا واقعہ نہیں بلکہ یہ کئی سالوں کی کارفرمائی ہے اور اکثر اوقات تو نفسیاتی عارضوں کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں جاتا، بہت سے لوگ مرتے دم تک اپنی اذیت و کرب سے نجات پانے میں ناکام رہتے ہیں، اس کی ایک چھوٹی سی مثال خود کلامی ہے، ہمارے ہاں خود کلامی کو بالکل اہمیت نہیں دی جاتی، اس کی وجہ سے ہی ایک ''دارا'' تخلیق پا گیا، ڈاکٹر ردبانہ ندیم نے ایک نظر حیدر کی طرف دیکھا اور پھر بولیں۔

''ہو سکتا ہے دارین چوہدری کے آباؤ اجداد میں سے کوئی اس مرض کا شکار رہا ہو اور اسی بنا پر یہ وارثتی طور پر اس میں منتقل ہو گیا۔''

''مجھے اس کے لئے مکمل طور پر انوسٹی گیٹ کرنا پڑے گا، آپ کا تعاون، دارین کی والدہ کا تعاون درکار ہوگا۔''

''مجھے تقریباً ایک ماہ چاہیے ان Symptoms کو چیک کرنے کے لئے، کچھ ٹیسٹ ہوں گے، MIR اور سکین CT بھی ہو سکتا ہے مگر یہ ابھی امکانی بات ہے، ہو سکتا ہے اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔''

''اس کے رویے، عادات اور خیالات کی جج منٹ ہوگی، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔''

''مگر کچھ باتیں جو میں اس قسم کی تشخیص کے بغیر بھی آپ کو واضح کر سکتی ہوں، وہ یہ ہیں کہ۔''

''شیزوفرینیا'' کی ہی ایک قسم میں یہ بیماری کے سرے ملتے ہیں جس میں انسان کو بچپن کا کوئی سخت حادثہ، ماں یا باپ کی علیحدگی، جنسی زیادتی اور وراثتی طور پر یہ بیماری انجیکٹ ہو کر آگے بڑھتی ہے، ایسے لوگوں کو دیکھنا جو درحقیقت موجود نہ ہوں یہ بھی الوژنز اور Hallusinations میں آتا ہے جو کہ شیزوفرینیا کی پیرانائڈ فارم ہے، وارثتی طور پر دس فیصد امکانات ہوتے ہیں کہ یہ عارضہ آنے والی

اولاد میں منتقل ہو سکتا ہے، ہر سو میں سے ایک فرد اس کا شکار ہو سکتا ہے، اس کی دیگر وجوہات میں سائنسی لحاظ سے بہت کچھ آجاتا ہے جیسا کہ ڈیورنگ ڈلیوری پرابلمز وغیرہ۔''

''مگر یہاں ہم اس بات کی تفصیل میں اس لیے بھی نہیں جا سکتے کیونکہ ابھی وقت سے پہلے بغیر تشخیص کے ہم دارین کو اس بیماری کا مریض نہیں قرار دے سکتے، اب تک جتنا میرے علم میں آیا ہے اس کے مطابق یہ کوئی معمول کا پرسنالٹی ڈس آرڈر ہو سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس چیز کا یقین رکھیں کہ یہ جو بھی ہے ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں، یہ ممکن ہو چکا ہے، اس کا پراپر ٹریٹمنٹ ہوگا اور آپ سب لوگوں کی مدد چاہیے ہو گی بس۔'' سب کچھ تفصیل سے بتا کر ڈاکٹر رومانہ ندیم خاموش ہو چکی تھیں اور اب خاموش ہونے کی باری ان کی تھی۔

☆☆☆

ایک مکمل طبی تشخیص، اس کو جانچا، پرکھا گیا، اس کے بلڈ ٹیسٹ ہوئے اس کی سی ٹی اسکین لیا گیا، اس کی بچپن کی عادات و واقعات کی انوسٹی گیشن کی گئی اور اس کے بعد اس کی ریلیشن شپ پرابلمز کا جائزہ لیا گیا تھا اور پھر تصدیق کر دی گئی، مسز رومانہ ندیم نے انہیں بریفنگ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ شیزوفرینسک کیس نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو دارین کبھی بھی زندگی کے باقی معاملات میں نارمل نہ ہوتی، وہ ایک حساس، ہوشمند اور ذی شعور لڑکی ہے، شیزوفرینیک پیشنٹ کبھی بھی اتنے ریگولر نہیں ہوتے، عام طور پر وہ کسی کام کو مستقل طور پر نہیں کرتے، نہ ہی وہ کسی سے آنکھ ملا کر بات کرتے ہیں، یا بہت خاموش طبع ہوتے ہیں یا بہت شکی، بہر حال ان میں سے کوئی بھی Symptiom اس میں نہیں پایا گیا۔''

''دارا اس کی بچپن کی تنہائی اور محرومی کا رزلٹ ہے، یہ اس کی خود کلامی کی ایک بگڑی شکل ہے، ایک سیدھا سادا پرسنالٹی ڈس آرڈر، اس کے لئے کچھ میڈیشن، کونسلنگ اور کچھ ٹریٹمنٹ کرنا ہوگا جو تقریباً چھ ماہ تک جاری رہ سکتا ہے، اسے شدید کیئر اور اٹینشن کی ضرورت ہے، اسے سوشلائز کریں، اس کے ذہین اور قابل دماغ کو کسی کنسٹرکیٹو اور پازیٹو وے میں استعمال کریں اور یاد رکھیں، کہیں نہ کہیں اسے ایک ''ہمدرد'' کی ضرورت ہے اور کہیں نہ کہیں وہ خود بھی اس بات سے آگاہ ہے کہ دارا کا کوئی وجود نہیں بس آپ اسے حقیقت اور وہم میں فرق سمجھائیں اور نرمی و توجہ سے اسے سنبھالیں کیونکہ زور سے کھینچنے سے دھاگا ٹوٹ بھی جاتا ہے۔'' ایک بار پھر وہ بول رہی تھیں اور حیدر خاموش تھے۔

☆☆☆

یہ اسلام آباد کی ایک چمکدار اور نکھری صبح کا منظر تھا، رات وہ دونوں اس لمبے سفر سے ازحد تھک کر سوئے تھے اور اب صبح جبکہ وہ ابھی بھی سو رہی تھی انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، پھر پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''دارین!'' انہوں نے پھر سے اسے آواز دی اور اسی پل اس کی نیند سے بھری آنکھیں کھل گئیں، پھر وہ کہنی کے بل اٹھ گئی، انہوں نے دیکھا اب وہ اپنی چادر لپیٹ رہی تھی، انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

''آؤ! تمہیں کچھ دکھانا ہے۔'' وہ اسے ساتھ لے کر تیزی سے باہر نکل گئے، سیڑھیاں چڑھ کر وہ اسے اس کوٹھی کی چھت پر لے آئے، پھر عقبی حصے والی دیوار کے پاس آکر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اس نے منڈیر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نیچے جھانکا اور سامنے وہ منظر تھا جس نے چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں میں چاندی اتار دی تھی، دور اسلام آباد کی پہاڑیوں پر پھیلی دھند اور ان کے عقب سے طلوع ہوتا اک نیا سورج جس کی سنہری کرنیں اپنی نوخیز روشنی سے دھند کو مزید دھندلا رہی تھیں اور اس روشنی کی کرنیں فیصل مسجد کے سنہرے چاندوں پر چمک رہی تھیں اور اس کے آگے پھسلتی ہوئی نظر جب اس گھر کے وسیع لان میں پڑتی تھی تو وہاں کچھ اور بھی تھا جو آنکھوں کو خیرہ کرتا تھا، گہری سبز گھاس میں جہاں گل لالہ اور گلاب کی گہری باڑیں تھیں اور ان رنگ رنگ پھولوں پر اوس کے قطرے ٹھہرے ہوئے تھے، اس ہریاول کے عین وسط میں دو مور اپنے پنکھ پھیلائے کھڑے تھے، سورج کی چمکیلی شعاعیں جب ان کے پروں پر پڑتی تھیں تو ان کے دلکش پروں سے قسم ہا قسم کے رنگ پھوٹتے تھے، وہ مسحور کن سی اس حسین منظر میں گم تھی، جب کبوتروں کے ایک غول ایک سمت سے اڑتا ہوا آیا ان کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے ماحول میں ہلکا سا ارتعاش پھیلا تھا جس نے اسے قدرے چونکایا، آہستگی سے پیچھے مڑتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا، جو منتظر نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے، جیسے اس کا ردعمل جاننا چاہتے ہوں۔

''یہ...... بہت خوبصورت ہے۔'' وہ ستائشی انداز میں کہہ رہی تھی، انداز میں ہلکی سی جھجک تھی۔

''اسی لئے تو میں تمہیں یہاں لے کر آیا تھا۔'' ان کی آواز پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور لمحہ بھر میں ہی ماحول کا یہ فسوں بھک سے اڑ گیا تھا، وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

''کس لئے؟ کس لئے لے کر آئے ہیں آپ مجھے؟ بدلہ پورا نہیں ہوا نا ابھی؟ ماں کا انتقام لینا چاہتے ہیں، مجھے اس جگہ اس لئے لے کر آئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں، یہاں سے دھکا دے کر گرا دینا چاہتے ہیں مجھے، اس طریقے سے مارنا چاہتے ہیں مجھے۔'' وہ بے حد خوفزدہ ہوتی قدم بہ قدم پیچھے ہٹتی بول رہی تھی، اس کی نظریں مسلسل حیدر پر تھیں، جیسے وہ اس کے لئے خطرہ تھے۔

انہوں نے بے حد ٹھٹک کر اور افسوس سے اسے دیکھا اور پھر رخ موڑ کر واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

ان کے پاس اسے یہ یقین دلانے کا (کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے) اور کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وہ واپس چلے جاتے، اس لئے وہ واپس مڑ گئے۔

☆☆☆

''شک اور بے یقینی کی گرد ہر رشتے کی خوبصورتی دھندلا دیتی ہے۔''

اس کا شک اور بے یقینی دونوں ہی بجا تھے، بھلا حیدر چوہدری کا اتنا الٹ اور متضاد رویہ وہ برداشت کر سکتی تھی، پتہ نہیں ان کو کیا ہو گیا تھا، خود ہی اسے اپنی لائبریری میں لے گئے اور وہ ان کی اتنی بڑی اور اتنی پیاری سجاوٹ والی لائبریری دیکھ کر ہکا بکا ہی تو رہ گئی تھی، انہوں نے اسے بڑی فراغ دلی سے اجازت دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کوئی بھی کتاب پڑھ سکتی ہے تو چند لمحے وہ ساکت سی اپنی سماعتوں پہ شک کرتی بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی، پھر جب ان کے چہرے پر حوصلہ افزاء مسکراہٹ دیکھی تو اسے یقین کرنا پڑا تھا کہ وہ حیدر ہی تھے۔

وہ ٹوٹی بکھری ہوئی تھی، یہ کتابیں اس کی

ساتھی بن گئیں، ان کتابوں نے اسے سہارا دیا تھا، وہ سارا دن کتابیں پڑھتی اور پھر ان کو سوچتی رہتی، ایسے ہی ایک دن وہ مختار مسعود کی سفر نصیب کو پڑھتے پڑھتے ٹھٹک گئی، اس میں ایک کردار ڈاکٹر ایل کے حیدر کا تھا، وہ بہت دیر تک حیدر کے لفظ پر انگلی پھیرتی رہی اور جب اس نے نظر اٹھائی تو وہ اس کے سامنے تھے، وہ قدرے گھبرا کر کتاب بند کرنے لگی جب انہوں نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔

''کیا پڑھ رہی تھیں؟'' وہ کتاب کے ورق الٹتے ہوئے پوچھ رہے تھے، وہ خاموش رہی، کچھ لمحوں بعد انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ جلدی جلدی اپنی ڈائری میں سے قلم نکال کر اسے بند کر رہی تھی، اس کے چہرے پر ہلکی سی تمتماہٹ تھی اور وہ ان سے نظریں نہیں ملا رہی تھی، وہ جیسے ایک لمحے میں وہاں سے غائب ہو جانا چاہتی تھی، وہ ہر صورت اپنے راز اپنی ڈائری کو چھپانا چاہتی تھی، مگر انہوں نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔

وہ کتاب کو اسی میز پر رکھ کر وہاں سے اٹھ گئے، وہ پلکیں جھپکتے ہوئے ان کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

سنہری صبح کا آغاز تھا، اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں اور پھر آواز نکالے بغیر بستر سے اتر آئی، اس کا رخ واش روم کی طرف تھا، اس نے منہ دھویا اور پھر اسی خاموشی سے کمرے سے نکل گئی، اب اس کا رخ چھت کی طرف تھا، بے آواز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے چھت کا دروازہ کھول دیا، ایک روشن اور کھلا ہوا دن اس کے سامنے تھا خوبصورتی تھی، روشنی تھی مور تھے اور دارا تھا، وہ کھلکھلا کر اسے ساری باتیں بتا رہی تھی اور وہ بے یقین تھا۔

''یقین نہیں ہوتا، وہ اتنا کیسے بدل گئے ہیں؟'' وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

''عیشاں کی وجہ سے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''ہاں ناں، عشیاں نے انہیں سب سچ بتا دیا تھا نا، پنچائیت کے سامنے۔'' وہ فخر سے بولی۔

''اچھا تو اب وہ تمہیں ڈانٹتے تو نہیں؟'' وہ فکر مند تھا۔

''اب تو وہ مجھے کچھ بھی نہیں کہتے۔'' وہ سابقہ فخریہ انداز میں بولی تھی۔

''پتہ ہے ادھر کتنے ہی ملازم ہیں، میں تو کوئی کام بھی نہیں کرتی، سب کچھ وہی کرتے ہیں۔''

''اچھا؟ کھانا بھی ملازم بناتے ہیں؟''

''ہاں۔''

''تم کھاتی ہو؟''

''نہیں۔'' وہ یکدم اداس ہوگئی۔

''کیوں؟''

''دل نہیں چاہتا۔''

''کتابیں پڑھتی ہو؟''

''ہاں ناں...... بہت۔''

''اب تو رات کو ڈر نہیں لگتا؟''

''لگتا ہے۔''

''کیوں، حیدر پاس نہیں ہوتے ہیں؟''

''ان سے ہی تو ڈر لگتا ہے۔'' اس کے چہرے پر زردی اور آنکھوں میں خوف پھیلا تھا۔

''کیوں؟''

''ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔'' اس نے نظر چرا کر لان میں جھانکا، جہاں مور اپنے پر پھیلا رہے تھے۔

''پتہ ہے میرا کبھی کبھی دل کرتا ہے میں اس مور کے پنکھ کا ایک رنگدار حصہ توڑ لوں؟'' وہ اسے اپنی عجیب و غریب سی خواہش بتا رہی تھی۔

''تو توڑ لو۔''

''ڈر لگتا ہے نا۔''

''کس بات کا ڈر؟''

''ان کا۔''

''کیوں؟''

''وہ بہت سخت ڈانٹیں گے۔''

''اس میں ڈانٹنے والی تو کوئی بات نہیں۔''

''پتہ نہیں، مجھے تو ایسے ہی لگتا ہے۔''

''میں توڑ دوں؟''

''وہ کیسے؟''

''نیچے جا کر اور کیسے؟''

''اوہ نہیں، کبھی نہیں۔''

''کیوں؟ تمہیں اعتراض ہے؟''

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، انہیں ضرور ہو گا۔''

''تمہیں ان کی اتنی پرواہ کیوں ہے؟''

''بات پرواہ کی نہیں، میں وہ کام نہیں کرنا چاہتی جس سے وہ مجھے لاپرواہ اور غیر ذمہ دار سمجھیں۔''

''اوہ، یعنی تم ان سے ڈرتی ہو؟''

''بہت۔''

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔''

کچھ دیر خاموش رہی۔

''تو پھر...... میں تمہیں وہ رنگدار پنکھ لا دوں نا؟''

''بالکل نہیں، انہوں نے میری جان نکال دینی ہے۔'' اس نے آنکھیں قدرے پھیلا کر اسے دیکھا۔

''مگر تم تو کہہ رہی تھی وہ بہت بدل گئے ہیں۔''

''انسان کی فطرت تو نہیں نا بدلتی۔'' اس کی نظریں اب پھر مور پر تھیں۔

''کس سے باتیں کر رہی ہو دارین؟'' حیدر کی مدھم آواز پر اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی، وہ ایک جھٹکے سے مڑی، وہ اس کے سامنے تھے، اپنے تمام تر رعب اور شہنشاہی جلال کے ساتھ اپنی چمکدار آنکھوں کو اس پر مرکوز کیے وہ ایک سوال لیے اس کے منتظر تھے، اس نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں نے پوچھا ہے تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟'' وہ ایک قدم اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھ رہے تھے، اس نے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''دارا سے۔'' اس نے بمشکل جواب دیا۔

''There is no Dara۔'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا، دارین کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، اس نے بے یقینی سے دائیں طرف دیکھا، وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

رات سرد اور تاریک تھی، ایک مخصوص خاموشی اور دھند ہر سو چھائی ہوئی تھی، وہ بہت دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کا ذہن اتنے ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود سو نہیں پا رہی تھی، سینے تک کمبل اوڑھے سیدھی بیڈ پر لیٹی وہ ان کے ڈر سے کروٹ تک نہیں لے رہی تھی، کیونکہ وہ جاگ رہے تھے، ہمیشہ کی طرح سیل فون ان کے ہاتھ میں تھا، کچھ دیر بعد انہوں نے موبائل ایک طرف رکھ دیا اور اس کی طرف

دیکھا۔

''کیا بات ہے دارین؟ نیند نہیں آرہی؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا، پتا نہیں کیوں اس کا دل بھر آیا۔

''پتا نہیں، نیند نہیں آرہی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' انہوں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کچھ نہیں؟'' وہ آنسو ضبط کر رہی تھی، انہوں نے اس کے گال پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''کیا بات تنگ کر رہی ہے بتاؤ مجھے۔'' انہوں نے اسے قریب کر لیا، وہ ہار گئی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میں اچھی لڑکی نہیں ہوں، میں بہت بری ہوں، اسی لئے میرے ساتھ ایسا ہوا، پہلے میرے بابا چلے گئے، پھر امی نے بھی کوئی پیار نہ دیا، میں اکیلی رہتی تھی، پھر دارا آ گیا، وہ میرا دوست تھا، میرا بھائی تھا، وہ مجھے بہت پیار کرتا تھا، میرا خیال رکھتا تھا، پھر آپ آ گئے، آپ نے پتا نہیں کیوں ہمیشہ مجھے نظر انداز کیا، آپ نے مجھے دکھ دیئے ہمیشہ اور اذیت، میں کرب سے روتی رہی کسی کو میرا خیال نہ آیا، کسی نے بھی میری مدد نہ کی، مجھے ماں کا خیال رکھنے پر لگا دیا اور پھر ان کی موت کا الزام بھی میرے سر آ گیا، اگر عشیاں واپس نہ آتی تو آپ مجھے اسی قید میں رکھتے، کبھی میری صورت نہ دیکھتے، کبھی میری بات پر یقین نہ کرتے اور آپ نے کیا بھی نہیں، ہمیشہ مجھے برا سمجھا، مجھے غیر ذمہ دار اور لاپرواہ خیال کیا، مجھے قاتل قرار دیئے کر مجھ پر ہاتھ اٹھایا، مجھ پر کھانا بند کر دیا، مجھے وہاں ڈر لگتا تھا، میں ہر وقت روتی تھی، وہاں تو صاف پانی تک نہ تھا، دن میں ایک وقت کا کھانا ملتا تھا اور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگ مانگ کر تھک گئی، پھر مجھے ایک دن بتایا گیا کہ میں تو بے گناہ ہوں، وہ الزام تو غلطی سے لگایا گیا تھا، پھر آپ مجھے لے آئے دوبارہ سے، میری غلطی کہاں ہے بس مجھے یہی نہیں پتہ چل رہا، میں کیوں اتنی سزا جھیلتی رہی؟ میرے گناہ کیا ہیں؟ مجھے کوئی بتاتا کیوں نہیں، مجھے کچھ پتا تو چلے آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے جس کی سزا مجھے مل رہی ہے اور اگر مجھے کوئی تسلی دینے والا تھا، تو وہ صرف دارا تھا اور اب آپ کہتے ہیں دارا کہیں نہیں ہے آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، صرف دارا ہی تو مجھ سے پیار کرتا ہے، وہ کیوں نہ ہو؟ اسے تو کبھی نہیں جانے دینا میں نے، اس کو تو ہمیشہ رہنا چاہیے، دارا کا وجود کیوں نہیں؟'' وہ ان کے سینے سے لگی روتی جا رہی تھی، اس کی باتیں بے ربط تھیں، ٹوٹ پھوٹ کا شکار، وہ خاموشی سے اسے تھپک رہے تھے، یہ کتھارس کا پہلا مرحلہ تھا، ابھی تو بہت کچھ باقی تھا، بہت کچھ کہا اور سنا جانا تھا۔

☆☆☆

بڑی عجیب بات تھی، انہوں نے آفس سے چھٹی لی ہوئی تھی، وہ سارا وقت اس کے ساتھ گھر ہی رہتے تھے، ہر جگہ اس کے ساتھ، اکٹھے کچن میں جاتے، وہ ان کے لئے کھانا بناتی تو وہ بیٹھے اسے دیکھتے رہتے تھے، پھر اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے تھے، اس کے بچپن کی باتیں پوچھتے تھے، وہ رک رک کر ان کو جواب دینے کی کوشش کرتی تھی پھر سوچتی تھی پتا نہیں کون سی بات انہیں بتانے والی ہے کون سی نہیں اور پتا نہیں کس بات پر وہ برا مان جائیں، ناراض ہو جائیں، اس لئے وہ بہت سوچ سمجھ کر جواب دیتی تھی۔

وہ اس کے ساتھ لان میں بیٹھتے، جہاں خوشبو تھی، تازہ اور کھلی ہوا تھی اور مور تھے، وہ اس کے ہاتھ کی بنی چائے پیتے تھے اور کوئی بک لے

کر اس سے ڈسکس کرتے تھے اور صبح طلوع آفتاب کا منظر اسے چمکتے دن کے ساتھ دیکھنے کو ملتا تھا اور پھر اپنے سیاہ پر پھیلائے رات آتی تو اس میں سکون ہوتا تھا، وہ ان کے سینے پر سر رکھے ان کی دھڑکن اور سانسوں کی مدھم لے کو سنتی تھی اور اس مہکے ہوئے حصار میں کب اس کی آنکھیں بند ہوتیں اسے پتا ہی نہ چلتا تھا۔

اور پھر وہ اسے ایک دن مارکیٹ لے گئے، وہ حیرانی سے مر جانے کو تھی، جب اسے انہوں نے اپنی پسند سے بہت سے خوبصورت لباس اور جوتے لے کر دیئے، وہ جیسے کسی خواب کے سفر میں تھی اور پھر خواب بھی ایسا جس سے آنکھیں کھولنا مر جانے سے زیادہ اذیت ناک تھا، وہ ہر صبح جاگنے کے بعد بھی بہت دیر تک انہیں دیکھتی رہتی تھی اور بہت دنوں سے دارا بھی اس سے خفا تھا، وہ بھی ملنے نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

''اتنی مہربانیاں اور ایسی نظر کرم، وجہ سمجھ نہیں آتی، نجانے کیوں یہ سب ایک سازش لگ رہا ہے، بھلا ماں کے جانے کے بعد وہ جو میری شکل دیکھنے کے روادار نہ تھے، اب ایک دم سے ایسا کیا جادو ہوا، مجھے سمجھ نہیں آتی، انہیں اب کیا ہو گیا ہے؟ کیا کریں گے اب وہ؟ کیا انہیں ماں کی موت بھول گئی ہے، انہیں تو ماں کے بغیر سانس نہیں آتا تھا اور جب شبینہ باجی نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا تب بھی ان کا وہ غضب اور قہر کیسے بھول سکتی ہوں میں، اب مجھے یہاں لے آئے ہیں، اس کے پیچھے یقیناً کوئی نہ کوئی سازش چھپی ہے میں کبھی مان ہی نہیں سکتی کہ انہیں مجھ پر رحم آ گیا ہو، بھلا جو رحم ڈیڑھ سال میں نہیں آیا یہ کچھ دنوں میں کہاں سے پھوٹ پڑا، میری تنہائی اور اکیلے پن کا خیال ان کو کیسے آ سکتا ہے، جنہوں نے بس کل ملا کر مجھے سترہ دنوں سے نوازا تھا بلکہ دن کہنا بھی ان کی توہین ہو گی رات کہنا مناسب ہو گا۔'' اس کا قلم رواں تھا۔

''ویسے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ یہاں آ کر مجھے اس عذاب سے تو نجات مل گئی ہے جو شیش محل میں ان کی قربت کی صورت سہنا پڑتا تھا، مگر یہاں تنہائی کا عذاب ہے، کوٹھی میں سارے مرد ملازم ہیں جن سے مجھے بات کرنے کی اجازت نہیں، ویسے اجازت ہو بھی تو میں نے کیا کرنا مجھے ویسے ہی ہر چیز بری لگتی، ایسی تنہائی سے تو شیش محل اچھا تھا، شاید اسی لئے یہاں لے آئے کہ سب کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤں وہاں تو بس اپنی ماں کی صورت دیکھنے کو ترسایا تھا ادھر سب کی صورت کو ترسا مارا، ہونہہ ہو گا یہ بھی گھائل کرنے کا انداز، پتا نہیں انہیں کیا ملتا؟ شاید میری شکل سے ہی نفرت کرتے جو مجھے اتنی سخت سزائیں دیتے ہیں، اذیت دینے کا یہ عالم ہے کہ ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اتنی نگرانی کرتے ہیں جیسے میں ان کے خزانے چرا کر بھاگ جاؤں گی، حد ہو گئی ہے یہاں تک کے کھانا بناتے وقت بھی ساتھ رہتے ہیں، میں کون سا ان کے کھانے میں زہر ملا دوں گی، شاید شک کرتے ہیں اور جب کھانا بنا کر سامنے رکھوں تو مجھے پہلے کھانے کا کہہ دیتے ہیں، ہاں ناں، جیسے زہر ہو بھی تو پہلے میں مروں، افسوس، سنگدل انسان، یہ تو سوچیں کہ میں نے تو شیش محل کی قید میں رہ کر کچھ نہیں کیا، اب کہاں سے کروں گی اور رات کو ساتھ لپٹا کر سوتے ہیں جیسے میں بھاگ جاؤں گی، بھاگ کے جاؤں بھی تو کہاں، اس شہر میں بھلا میرا کون ہے اور اس شہر کی کیا بات، میرا کہیں بھی کوئی نہیں، جاؤں تو کہاں جاؤں گی؟''

''اور باقی رہ گئی کتابوں کی بات، ہونہہ......

سب افسانوی باتیں، سب جھوٹ، میں کیا کردں ان کتابوں کا، یہ میری زندگی نہیں بدل سکتیں، اب تو انہیں پڑھ کے بھی اندر کوئی خوش فہمی نہیں جاگتی، کوئی امید نہیں پیدا ہوتی اور وہ...... وہ مجھ سے یوں کتابوں کے بارے میں رائے مانگتے ہیں جیسے میں کوئی عالمہ فاضلہ ہوں، ہونہہ ظالم انسان، میری سوچوں کو سلاخوں میں قید کر کے نجانے کون سی نظریاتی وسعت چاہتے ہیں، سمجھ نہیں آتا مجھے دکھ ہوتا ہے اور پتا نہیں کیوں ہوتا ہے، دل چاہتا پتھر بن جاؤں۔''

بس اب کچھ دیر میں محسن
وہ پتھر ٹوٹ جائے گا
میں اس کی سرد مہری پر
محبت مار آیا ہوں!!!

☆☆☆

''دارین!'' انہوں نے اسے آواز دی۔

وہ جو بڑی دیر سے آئینے کے آگے کھڑی بال سنوار رہی تھی اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا اور اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں، سیاہ شلوار قمیص میں وہ سنہری شہزادہ اس کے ساتھ کھڑا تھا، ان کی ہائیٹ اس سے کافی لمبی تھی جبھی تو بمشکل ان کے سینے تک آ رہی تھی، اس نے آہستگی سے واپس پلٹتے ہوئے ہیر برش واپس رکھا اور ان کی طرف مڑی، سبز رنگ کے فراک میں بال کھولے اس کا چہرہ بڑا روشن اور اس کی صحت پہلے سے کافی بہتر نظر آتی تھی، وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے، پھر اس کے بالوں کو چھوتے ہوئے مدھم انداز میں انہوں نے کہا تھا۔

''خوبصورت لگ رہی ہو۔'' دارین کی دھڑکن جیسے تھم سی گئی۔

آج وہ اسے ڈاکٹر رومانہ ندیم کے پاس لے کر جا رہے تھے اور اس لئے انہوں نے اسے تیار ہونے کا کہا تھا، اس نے بال سمیٹ کر کیچر لگایا اور آہستگی سے ان کے ساتھ چلنے لگی، بڑی سی گاڑی میں وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر تھے اور وہ ان کے ساتھ آگے والی سیٹ پر تھی، گاڑی میں مکمل خاموشی تھی اور وہ سامنے ونڈ اسکرین سے گزرتے مناظر کو بے حس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

تو یہ تھا وہ اسلام آباد جہاں آنے کی چاہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہشوں میں سے ایک تھی اور اب وہ اس سمیت ہر خواہش سے دستبردار ہو چکی تھی، جب پیاس بجھ جائے تو بھلا پانی کی طلب کب بے چین کرتی ہے۔

اور جب وہ ڈاکٹر رومانہ کے سامنے گئی تو وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں، ان کے ذہن میں ایسی دارین کا تصور ہی کہاں تھا، پہلے دو ابتدائی سیشنز تو خاموشی سے گزر گئے، ان سیشنز میں بس دارین تنہا تھی اور ڈاکٹر رومانہ نے اس سے تفصیلی ڈسکشنز کی تھیں اس کی زندگی کے ہر شعبے کو لے کر، ان دونوں سیشنز کے بعد گھر آنے پر وہ انہیں چپ چپ اور الجھی الجھی سی دکھائی دینے لگی، البتہ تیسرے سیشن میں جبکہ ڈاکٹر رومانہ نے حیدر کو بھی شامل کر لیا تھا اور اس میں دونوں کی زندگی کے وہ موڑ زیر گفتگو تھے کہ دارین کی حالت خراب ہونے لگی، وہ کسی سوال کا جواب دینے کے قابل نہ تھی، اس پر مستزاد ہر سوال پر اس کی خاموشی کو دیکھ کر حیدر کا ''بولو دارین'' کہنا اسے سولی پر چڑھنے کے مترادف لگ رہا تھا، گھر واپسی پر وہ بے حد نڈھال ہو چکی تھی، معمول کے کام نپٹانے کے بعد بھی جب وہ سونے کے لئے کمرے میں نہ آئی تو حیدر کو تشویش نے آن گھیرا وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئے، کچن، لان، لاؤنج، سٹور، ہر جگہ چھان ماری مگر وہ کہیں نہیں

تھی، وہ پریشان ہوتے ہوئے اسٹڈی میں چلے آئے اور یہیں ان کی نظر اس پر پڑی وہ کتابیں، ڈائریز اور صفحات کے درمیان بیٹھی تھی، ہر چیز اس کے گرد بکھری ہوئی تھی، وہ پاگلوں کی مانند کبھی ایک چیز کھول کر دیکھتی، کبھی دوسری پھر اس نے قلم پکڑا اور ایک ورق پر تیزی سے چلانے لگی، وہ آگے بڑھے اور جب ان کی نظر اس کے چہرے پر پڑی اور وہ ٹھٹک گئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، وہ آگے بڑھے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ گئے، وہ انہیں دیکھ کر ایکدم سے ڈر گئی، مگر یہ صرف لمحاتی کیفیت تھی، وہ اگلے ہی لمحے بلند آواز میں رونے لگی۔

''میں پاگل نہیں ہوں، سنا آپ نے؟'' روتے چلاتے وہ ان سے کہہ رہی تھی، وہ حیران سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''کیا ہوا دارین؟'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا، اس نے تیزی سے ان کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

''مجھے کیا ہوا ہے کیا نہیں اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، آپ کو کسی بات سے فرق نہیں پڑنا چاہیے، سنا آپ نے، مجھے پتا ہے آپ کے نزدیک میں کیا ہوں، بہت اچھے سے آگاہ ہوں میں اپنی حیثیت سے، آپ کو قطعاً مجھے بتانے کی ضرورت نہیں، آپ اب کیا چاہتے ہیں؟ مجھے پاگل ثابت کروانا چاہتے ہیں؟ کیوں لے کر جاتے ہیں مجھے اس ڈاکٹر کے پاس کیوں؟'' وہ بلند آواز سے چلا رہی تھی۔

''کس طرح کی باتیں کر رہی ہو تم؟'' انہوں نے بمشکل اپنے طیش پر قابو پایا تھا۔

''مجھے پتہ ہے میں کیا کہہ رہی ہوں اور میں اپنے حواسوں میں ہوں، آپ کیا جاننا چاہتے ہیں مجھ سے؟'' وہ پہلے سے بڑھ کر چلائی تھی۔

حیدر کی آنکھوں میں لہو اتر آیا، انہوں نے سختی سے اس کا بازو جکڑ لیا۔

''تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہی ہو اور کس سے کہہ رہی ہو؟'' وہ غرا کر بولے تھے۔

ایک لمحے کے لئے دارین کا رنگ زرد پڑ گیا، وہ سن سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''اپنی ماں کی موت کا بدلہ اس طرح لینا چاہتے ہیں کہ کسی کو آپ پر شک نہ ہو، کبھی مجھے چھت پر لے جاتے ہیں تا کہ دھکا دے سکیں، کبھی ڈاکٹر کے پاس تا کہ پاگل ثابت کروا کر پاگل خانے بھیج دیں، اپنے انتقام کے لئے اتنے لمبے چوڑے منصوبوں کی کیا ضرورت تھی بھلا آپ کو؟'' وہ اذیت و غم سے بوجھل ہو کر سرگوشی نما لہجے میں بولی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' انہوں نے لمحہ بھر میں ضبط کھو کر اس کے منہ پر ایک بھرپور تھپڑ مارا تھا، وہ زور سے دیوار سے ٹکرائی۔

''اور میں آپ کو جانتی ہوں بہت اچھے سے، آپ کو کتنا ترس آتا ہے مجھ پر، آگاہ ہوں میں۔'' وہ پتھرائی نظروں سے انہیں دیکھتی پیچھے کی طرف کھسک رہی تھی، انہوں نے دیکھا وہ سب صفحات اس کے گرد بکھرے تھے جن پر اس نے انہی کے اسکیچ بنائے ہوئے تھے۔

''میں آپ کی قید میں ڈیڑھ سال سے ہوں چوہدری صاحب مجھے بے وقوف نہ سمجھئے گا میں آپ کی سب اداؤں سے واقف ہوں، یہ تو آپ کے ہاں کی رسم ہے کہ قربانی سے پہلے جانور کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں، اس لئے اتنی نظر کرم ہے مجھ پر آپ کی کہ مجھے قربان کرنا ہے آپ نے اب کی بار۔'' وہ بدستور دروازے کی جانب کھسک رہی تھی۔

''مجھے اچھے کپڑے پہناتے ہیں جیسے قربانی

کے جانور کو سجاتے ہیں، مجھے کھانے کھلاتے ہیں، مجھے سیر کو لے جاتے ہیں، ساری باتیں تو صاف ہیں، سیدھے اشارے، مجھے سمجھنے میں دیر لگ گئی، مگر اب اور نہیں، میں آپ کو ہر پریشانی سے آزاد کر دوں گی، آپ کو اتنی لمبی منصوبہ بندی کی الجھنوں میں نہیں پڑنے دوں گی، میں خود کو ختم کر لوں گی۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولتی اٹھی اور یکدم دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی، وہ چند لمحے وہیں ساکت سے بیٹھے رہے پھر ایکدم سے اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگے اس کے دوپٹے کی جھلک انہیں کچن میں نظر آئی تھی اور جب وہ ممکنہ تیزی سے بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے کچن میں آئے تو وہ چھری کو ہاتھ میں لے چکی تھی اور انہیں کچن کے دروازے میں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر عجیب سی نفرت اور وحشت پھیل گئی اس نے پوری طاقت سے چھری ہوا میں بلند کی جیسے ہر قیمت خود کو ختم کر لینا چاہتی ہو مگر وہ زور سے چلائے تھے۔

''دارین! نہیں...... رکو، رک جاؤ دارین۔'' ان کی بلند آواز میں چلانے پر دارین کا ہاتھ لمحہ بھر کو رکا اور اتنی مہلت ان کے لئے کافی ثابت ہوئی تھی وہ تیر کی تیزی سے لپکے اور اس کے ہاتھ کو جکڑ لیا، جب دارین کو اندازہ ہوا کہ وہ ناکام ہونے والی تھی تو غصے بے بسی اور جھنجلاہٹ میں چھری کو اپنی ہتھیلی میں دبا لیا، تیز دھار چھری نے اس کی نرم و نازک جلد کو چیر کر رکھ دیا تھا، حیدر نے خوفزدہ ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ میں چھری چھیننا چاہی مگر اس کوشش میں وہ مزید زخمی ہو گئی اور جب وہ آخر کار اس سے چھیننے میں کامیاب ہوئے تو وہ بے حد زخمی ہو چکی تھی اور خون تیزی سے فرش پر گر رہا تھا۔

''کیا کر لیا ہے تم نے، تم پاگل ہو گئی ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے دھاڑ اٹھے تھے، وہ تکلیف اور خوف سے تڑپ رہی تھی۔

''ہاں ہوں میں پاگل، سن لیا سچ، مگر ایک سچ اور بھی سن لیجئے، میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، بے حد نفرت اور اس دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو مجھے آپ سے محبت کرنے پر مجبور کر سکے۔'' نقاہت سے تقریباً گرتے ہوئے اس نے بند ہوتی آنکھوں سے یہ آخری الفاظ کہے تھے اور پھر بے جان گڑیا کی طرح ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ آہستہ آہستہ کھلی تو درد و اذیت کا گہرا احساس اندر تک سرایت کرتا گیا، وہ ان کے بیڈ روم میں تھی، اس کے ایک ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی اور دوسرا ہاتھ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا جس سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، وہ بے حس نظروں سے چھت کو دیکھتی پھر سے وہ سب یاد کر رہی تھی جو ہوا تھا۔

''تو انہوں نے مجھے بچا لیا؟'' اس نے حیرت سے سوچا، اسی وقت دروازہ کھلا اور حیدر اندر چلے آئے فون ان کے کان سے لگا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ان کے جوس کا گلاس تھا، اسے جاگتے دیکھ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور اس کے پاس چلے آئے، دارین نے انہیں قریب آتا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں، وہ ان کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور جب وہ اس کے پاس آ کر بیٹھے تو اس کا دل چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے، وہ بے تاثر نظروں سے اس کو دیکھتے رہے پھر آہستہ آہستہ اس کے گال پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

''اتنا شک اچھا نہیں ہوتا دارین؟ میں اتنا برا نہیں ہوں جتنا تم تصور کرتی ہو، نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے جیسے تم سوچتی ہو، میں صرف تمہیں

ٹھیک کرنا چاہتا ہوں، خواہ اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، تم ابھی بے خبر ہو، آگاہ نہیں ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے، میں جانتا ہوں، تم بیمار ہو، مگر تم ٹھیک ہو جاؤ گی، بہت جلد انشاء اللہ۔'' ان کے انداز میں گہری صداقت تھی، اس کی ڈرپ ختم ہو چکی تھی، انہوں نے اسے اتار کر سائیڈ پر کر دیا اور اس کے برابر لیٹ گئے، دارین کا سانس مدھم ہونے لگا، انہوں نے اس کا زخمی ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے پر رکھا تو اس کے حلق سے کراہ نکل گئی، انہوں نے بے ساختہ اس کا چہرہ دیکھا اور پھر تسلی دینے کے لئے دھیرے سے اس کی پشت کو تھپکا اور اس کے ماتھے پہ لب رکھ دیئے۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے نفرت کرتی ہو براہ مہربانی مجھے دوبارہ مت بتانا، میرے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔'' انہوں نے بہت سپاٹ سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا سر اپنے بازو پر رکھ لیا، اب مزید آنکھیں بند کرنے کی اداکاری کرنا بے کار تھا، وہ بے بسی سے سسک اٹھی، کس قدر اذیت ناک تھا ناں کہ وہ ان سے نفرت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود بھی انہی کے بازوؤں میں تھی، ان کے لمس کو سہنے پر مجبور، اس کے رونے پر وہ کس قدر افسردہ ہوئے تھے، پھر اس کا چہرہ اونچا کیا تو وہاں درد اور آنسو تھے، انہوں نے بے ساختہ اس کی آنکھوں پر ہونٹ رکھے تھے وراس کے سارے آنسو پی لئے۔

دارین کو کچھ اور شدت سے رونا آیا تھا، اس شخص کی مسیحائی بھی جان لیوا تھی۔

☆☆☆

اور پھر...... بڑا عجیب ہوا، اس نے ہار مان لی، چپ چاپ شکست تسلیم کر کے ہتھیار گرا دیئے، اس نے مان لیا کہ وہ ''بیمار'' تھی اور یہ کسی عجیب بیماری تھی جس میں بظاہر وہ بالکل تندرست تھی مگر اس کے باوجود بھی وہ ادویات کھاتی تھی اور جو جو وہ ڈاکٹر پوچھتی تھی اسے سر جھکا کر بتاتی تھی اور پھر چاہے حیدر ہی کیوں نہ اس کے سامنے بیٹھے ہوتے اسے بولنا پڑتا تھا۔

اور وہ گھر آ کر یوں نڈھال ہو جاتی جیسے کتنی مشقت کر کے آئی ہو، اس کے ہاتھ کا زخم دھیرے دھیرے بھرتا جاتا تھا اور دو دن بعد جبکہ وہ خود اس کے سامنے بیٹھ کر اس کی بینڈ تیج بدل رہے تھے انہوں نے بڑے اطمینان سے اس کے ہاتھ وہ پلندہ تھما دیا جو اس دن بکھرا پڑا تھا۔

''یہ اسکیچ مجھے بہ پسند آیا ہے۔'' انہوں نے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی، یہ وہ آخری اسکیچ تھا جو دارین نے بنایا تھا، حیدر کا خوبصورت چہرہ اور اس چہرے پر موجود غصہ، ماتھے پر ناگواری کی شکن اور آنکھوں میں گہری سرخی۔

''تم نے میرا اصلی چہرہ کیسے دیکھ لیا دارین؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہے تھے اور وہ جانتی تھی اس حیرت کے پیچھے گہرا طنز اور غیظ و غضب چھپا تھا، اس کے لب کپکپانے لگے اور آنسو ٹوٹی مالا کے موتیوں کی مانند بکھرنے لگے، اس کے پاس آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہ تھا، یہ شرمندگی کیا کم تھی کہ وہ اس کے راز سے آگاہ ہو گئے تھے۔

اس کا زخمی ہاتھ بدستور ان کے ہاتھ میں تھا، اس نے گھٹنوں پر سر رکھا اور سسکیاں بھرنے لگی، وہ چند لمحے اس کو دیکھتے رہے پھر اس کا ہاتھ بڑی احتیاط سے تکیے پر رکھ کر وہاں سے چلے گئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ دیتے۔

☆☆☆

تنہائی کی گود میں چہرہ چھپا کے

اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ کر
بہائے ہوئے آنسوؤں کی قسم
دکھوں کا کوئی ایک رنگ
کوئی ایک مخصوص شکل نہیں ہوتی
تنہائی کی گود میں چہرہ چھپا کے بہائے ہوئے
آنسوؤں کی قسم
ہم تو بس ایسے ٹوٹے پھوٹے کھلونے ہیں
جن کے ساتھ کوئی ضدی اور تند مزاج بچہ
غصے اور چڑچڑاہٹ کے عالم میں
اٹھا اٹھا کر پھینکتا کھیلتا ہے......!!!

آج اس کے ٹیسٹ تھے اور صبح سے ہی وہ عجیب چڑچڑی اور زود رنج ہو رہی تھی، ہر دو منٹ بعد وہ رونے لگتی، حیدر نے بارہا اسے چپ کروانے کی کوشش کی مگر بے سود، آخر وہ ان کے سامنے ضبط کھو بیٹھی۔

''مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے کچھ بھی نہیں کروانا، مجھے مت لے کر جائیں کہیں بھی، میں آپ سے التجا کرتی ہوں، خدارا مجھے مت لے کر جائیں، مجھے کوئی ٹیسٹ نہیں کروانا، میں ٹھیک ہوں، مجھے...... مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' وہ روتی جاتی تھی، وہ ایک طویل سانس لے کر اس کا ہاتھ تھام کر سہلانے لگے۔

''ڈرنے والی کوئی بات نہیں دارین، میں ہوں گا ناں وہاں تمہارے پاس اور تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں یقین دلاتا ہوں تمہیں اور یہ سب تمہارے لئے ہے دارین، تمہاری صحت کی بحالی کے لئے، اس کے بعد تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

وہ بڑے یقین سے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے اسے تسلی دے رہے تھے، دارین کے آنسو مدھم پڑنے لگے، وہ تو ہمیشہ ٹھیک ہی کہتے تھے، یہ بھی ٹھیک ہی ہوگا، اس نے آنسو ضبط کرتے ہوئے سوچا۔

اس کے بلڈ ٹیسٹ ہوئے اور سی ٹی اسکین لیا گیا اور رات جب وہ اسے گھر لے کر آئے تو انہوں نے باقاعدہ اسے سہارا دینے کے لئے تھاما ہوا تھا، وہ اس قدر کمزوری محسوس کر رہی تھی کہ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، انہوں نے آتے ہی اسے بیڈ پر لٹا دیا اور جوس پلایا تھا اور پھر اسے کمبل اوڑھا دیا اور پھر خود بھی اس کے پاس آ گئے اور بہت عجیب ہوا کہ انہوں نے اس دن کوئی فون کال اٹینڈ نہ کی، وہ اسے تسلی دیتے رہے اس کی بیماری کی نوعیت سمجھاتے رہے اور اس کو بتاتے رہے کہ یہ ٹیسٹ اس کی ذہنی کیفیت کو جانچنے کے لئے تھے، اس کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہ تھا، وہ آگے سے بالکل خاموش رہی تھی، سارے راز عیاں ہو گئے تھے اور بڑے غلط وقت پر ہوئے تھے، وہ سوائے بے بس ہونے کے کچھ کرنے کے قابل نہ تھی۔

اس شخص کے انداز و اطوار بدل چکے تھے، وہ اپنے سارے تیر آزما چکا تھا اور اب شاید باقی کچھ نہ تھا اب وہ صرف ان زخموں کو دیکھتا تھا جو اس کے ہاتھوں اس کی باتوں سے اس کے رویے سے لگے تھے اور سوچتا تھا کہ یہ اس نے کیا کر دیا تھا؟

بہت دفعہ ہمارے حصے میں آنے والا نقصان خود اپنے ہی ہاتھوں آتا ہے۔

اب تو وہ بہت دن ہوئے ڈائری بھی نہیں لکھتی تھی، اسے علم تھا کہ وہ اس کی ہر بات ہر احساس سے واقف ہو چکے تھے اور یہی احساس اسے مار ڈالنے کو کافی تھا، وہ ان سے نظریں ہی نہ ملا پاتی، کتنی بری تھی وہ؟ وہ اس کے لئے اتنا کچھ کر رہے تھے اور وہ ان کے بارے میں کیا کچھ لکھتی پھرتی تھی، وہ خود کو اس قدر مجرم محسوس کرتی تھی کہ اس نے سب کچھ اکٹھا کر کے نچلے دراز

میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

پھر تین ماہ بعد دارا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ کر چلا گیا، وہ بالکل تندرست ہوگئی، کھلی رنگت اور روشن چمکدار آنکھوں کے ساتھ وہ ایک چہچہانے والی چڑیا بن گئی۔

حیدر چوہدری نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی، وہ اسے اپنے ساتھ پارٹیز اور فنکشنز پر لے کر جاتے تھے، وہ اسے سوشلائز کر رہے تھے، اس میں کونفیڈنس تو تھا ہی مگر وہ اب انہوں نے اسے پالش کر دیا، اب وہ کھل کر ہنستی تھی، ان کے ساتھ باتیں کرتی تھی، مارکیٹ جاتی تھی، اپنی پسند کے کپڑے لیتی تھی۔

ان کے لئے کھانا بناتی تھی، فون پر اپنی امی سے بات کرتی تھی اور وہ آفس جاتے تو وہ انہیں ٹیکسٹ کرتی رہتی، ہاں اب اسے موبائل استعمال کرنا آگیا تھا اور انہوں نے اسے خود سکھایا تھا پھر اس کے لئے انتہائی اعلیٰ برانڈ کا سیل فون لے کر آئے تھے۔

اس نے اپنے خوبصورت بالوں کو نہایت خوبصورتی سے ترشوایا تھا اور جب شام ڈھلتی اور چراغ روشن ہوتے تو ایسے ہی چراغ اس کے اندر جلتے تھے، وہ خوبصورتی سے بال کھولے سنہری رنگت اور خوبصورت لباس میں ان کا انتظار کرتی تھی۔

اب کہ زندگی بدل گئی تھی، وہ جیسے کوئی شہزادی تھی جو چاند نگر کی حسین وادی پر راج کرتی تھی اور اس کا سنہرا شہزادہ اس کے ناز اٹھاتا تھا، یہ ایک دلکش اور رنگوں سے بھری دنیا تھی، وہ جہاں کی عطر بیز فضا اس کے حسن کو دن بدن نکھارتی چلی جاتی تھی۔

☆☆☆

"حیدر چوہدری!"

اس کہانی کا دوسرا کردار......!

یہ قصہ اس کی پیدائش کے بعد شروع ہوا، جب وہ بہت چھوٹا تھا اور اس نے اپنی ماں کا انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ دیکھا جس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہیل چیئر پر آگئیں، پہلے پہل اسے ماں کو یوں بستر پر بیمار دیکھ کر ڈر لگتا تھا، وہ ان سے دور بھاگتا تھا اور سارا دن "شیش محل" کی راہداریوں اور دالانوں میں چکراتے گزار دیتا تھا اور جب تھک کر واپس ان کے پاس آتا تو وہ اسے ساتھ لگا کر اس کا چہرہ صاف کرتیں اور اس کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتیں اور پھر اس سے ڈھیروں باتیں کرنے لگتیں، رفتہ رفتہ اسے یہ سب اچھا لگنے لگا اور دوبارہ سے ان کے قریب ہوتا گیا۔

اور گھر میں کوئی اس کا ہم عمر نہ تھا اس لئے وہ لاشعوری طور پر ان انہیں ہی سب کچھ ماننے لگا، ماں کی معذوری کے بعد اسے انہیں زیادہ قریب سے جاننے کا موقع ملا اور تب اس پر یہ راز آشکار ہوا کہ اس کی ماں "خود کلامی" کی مریضہ تھیں، ان کی نجانے کون سی سہیلی تھی جس سے وہ فرصت کے پہر اپنے دکھ سکھ پھولتی تھیں، بہت دفعہ حیدر ڈر گیا وہ ابھی بچہ تھا پہلے پہل یہ سمجھا کہ شاید ان میں "سایہ" آگیا تھا، گاؤں کے ماحول میں یہ چیز بڑی عام سی تھی، وہاں سب لوگ ایسی کسی بھی عادت کو اول اول نظر انداز کرتے تھے اور پھر "سایہ" سمجھ کر خوفزدہ ہوتے اور پھر آخر میں اس کا علاج "عامل" کے پاس ہوتا تھا۔

وہ بچہ تھا مگر جوں جوں بڑا ہوتا گیا، اس پر عیاں ہوتا گیا کہ یہ "کوئی سایہ" نہ تھا بلکہ یہ ایک بیماری تھی، وہ یونیورسٹی کے لئے گاؤں سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا مگر باپ کی ضد پر اسے جانا پڑا

اور پھر وہاں کی چکا چوند دنیا نے اسے یوں اپنی طرف کھینچا کہ اسے گھر تقریباً بھول گیا، اب وہ چھٹیوں پر گھر آتا تو وہ سب بھول جاتا اور پھر سے ماں میں مگن ہو جاتا مگر یہ دورانیہ بڑا مختصر سا ہوتا تھا، وہ واپس جاتا تو ایک بار پھر سے ماں کی تنہائی اس کے مشغلہ ذہن سے نکل جاتی، مگر کہیں اندر ہی اندر جب وہ واپس آتا تو یہ خلش پھر سے تازہ ہو جاتی، اب بھی وہ کبھی اچانک ماں کے کمرے میں جاتا تو انہیں خود سے باتیں کرتے دیکھ کر عجیب سے احساس جرم کا شکار ہو جاتا، بہت دفعہ اس نے سوچا کہ وہ ماں کو علاج کے لئے لے جائے تو کتنا اچھا ہو، وہ ٹھیک ہو جائیں، ایک نارمل انسان جیسی زندگی جئیں۔

اور جب اس کا ماسٹرز مکمل ہوا تو اس نے حتمی فیصلہ کر لیا، اس نے سوچا کہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائے گا اور کسی سائیکاٹرسٹ سے ان کا علاج کروائے گا اور اس سلسلے میں اسے باپ کی اجازت درکار تھی، مگر جب یہی بات اس نے بابا سے کی تو ایک طوفان کھڑا ہو گیا، بابا کے نزدیک یہ سراسر اس کا پاگل پن اور احمقانہ خیال تھا، وہ اس بات کو تسلیم کرنے پر قطعاً تیار نہ تھے کہ زبیدہ خاتون کسی بیماری میں مبتلا تھیں اور یہ تو ایک عادت تھی جس میں خاندان کی کئی خواتین مبتلا تھیں اور کبھی بھی مردوں نے اسے درخور اعتناء نہ جانا تھا اور اب حیدر کا دماغ جانے کیوں خراب ہوا تھا کہ وہ ایک فضول اور لایعنی بحث لے کر شروع ہو گیا تھا، اس نے ہر طریقے سے بابا کو سمجھانے اور منانے کی کوشش کر لی مگر اس کی ہر دلیل ہر بحث اور حوالہ بے کار گیا، کیونکہ مقابل ''فرسودہ عقائد'' تھے جن کو اپنی جگہ سے ہلانا چٹان کو ہلانے سے بھی مشکل تھا، کئی دن کی بے کار کوششوں اور ان سے سخت ترین جھگڑے کے بعد

وہ واپس چلا گیا، ایسا نہیں تھا کہ اس نے کوشش چھوڑ دی تھی، بلکہ وہ اسی طرح بار بار انہیں سمجھانے کی کوشش وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا مگر اس کے باوجود بھی رزلٹ صفر ہی تھا، وہ لوگ اپنے رواجوں اور سوچوں میں اتنے کٹر تھے کہ وہ بری طرح ناکام ہو گیا، یہ ناکامی اور جھنجلاہٹ ہی تھی کہ اس نے واپس آنے کی بجائے وہیں رہ کر مقابلے کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور اسی دوران بابا نے شبینہ سے اس کی بات طے کر دی، خود سے ایک سال چھوٹی اس چچا زاد کزن میں اسے ذرہ برابر دلچسپی نہ تھی، ان کی حسن و جمال، ان کا شاعرانہ ذوق ان کی ذہنی سطح اور ان کی تعلیم، سب میں زمین آسمان کا فرق تھا، باقی شکل و صورت تو خدا تعالیٰ کی دین تھی جسے بہر حال بدلا نہیں جا سکتا تھا، انہوں نے پہلی بار باپ کے آگے کھڑے ہونے کی جرأت کی اور بڑی دلیری سے اس رشتے کو ماننے سے انکار کر دیا اور جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو جیسا کہ انہیں پتہ تھا کہ یقیناً پوچھی جائے گی اور انہوں نے اس کا جواب بھی سوچ رکھا تھا تو انہوں نے بڑے اطمینان سے بابا کے سامنے بیٹھ کر کہا تھا۔

''میں شبینہ کی دل سے عزت کرتا ہوں بابا مگر میں اس کی زندگی تباہ نہیں کر سکتا، میں اسے زبیدہ خاتون نہیں بنا سکتا جس کی گھٹن ایک بیماری بن جائے، اس لئے میں معذرت چاہتا ہوں آپ رشتے سے انکار کر دیں۔'' اس کے بعد ایک لمبا چوڑا جھگڑا ہوا تھا، انہوں نے اسے عاق کرنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ بات ان کی انا کی تھی مگر اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا، حیدر نے کسی بھی قسم کے دباؤ میں آئے بغیر ان کے فیصلے کو قبول کر لیا، اس کا نام ویسے بھی ٹریننگ آفیسرز کی لسٹ میں آ چکا تھا، اسے باپ کی دولت کی

ضرورت بھی نہ تھی، بابا نے اپنا آخری ترپ کا پتہ بھی ضائع جاتا دیکھا تو شکست خوردگی کے عالم میں ہار مان لی، تقریباً ایک سال تک دونوں باپ بیٹوں کے درمیان بات چیت بند رہی، وہ آتا اور ماں سے مل کر چلا جاتا، مگر آخر کب تک؟ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اپنے بھائی کی خاطر بیٹے کو نہیں گنوا سکتے تھے، یوں انہوں نے بظاہر زبیدہ خاتون کی بات مان کر مگر درپردہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے اسے عاق کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا، ہاں مگر اس کے بعد انہوں نے اس کے ساتھ شادی کی بات نہ کرنے کی ٹھان لی اور جب وہ سی ایس پی آفیسر بنا تو پورے علاقے کا فخر بن گیا، وہ گھر آتا تو ملاقاتوں کی لمبی قطاریں اس کی منتظر ہوتیں، مگر اب وہ بہت کم آپاتا اور اس کے باوجود اسے اپنی ماں کی تنہائی کا احساس تھا، وہ کسی صورت انہیں اکیلا نہ چھوڑتا اگر اس کے باپ نے اسے اجازت دی ہوتی اور اگر وہ ان کے علاج کی حامی بھر دیتے تو آج ماں بھی شاید ایک نارمل انسان ہوتیں، اس کے اندر اس چیز کا شدید قلق تھا اور شاید یہی بات تھی کہ جب ماں نے اس کے سامنے شادی کے لئے ''دارین'' کا نام رکھا تو اس نے لمحہ بھر ضائع کیے بغیر ہاں کر دی، اس کے پیچھے بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں، پہلی تو یہ کہ وہ ماں کی مرضی مان کر انہیں خوشی دینا چاہتا تھا، دوسری یہ کہ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی صورت اپنے ساتھ نہ لے کر جائے گا، بلکہ اسے حویلی ہی رکھے گا، وہ اپنے لئے کب شادی کر رہا تھا، اسے صرف ماں کے لئے ایک ساتھی کی ضرورت تھی جو ان کے ساتھ رہے، اگرچہ عیشاں شروع سے ان کی دیکھ بھال کرتی تھی مگر اس کے باوجود ایک بہو اور ملازمہ میں زمین آسمان کا فرق تھا اور وہ بخوبی آگاہ تھے، اس فیصلے کے مدنظر انہوں نے کچھ بھی دیکھے اور پرکھے بغیر شادی کے لئے حامی بھر لی، ماں کی خوشی دیدنی تھی، انہوں نے بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حصہ لیا تھا اور پھر وہ اسے نکاح کر کے لے آئے اور سب کچھ ان کے سوچے سمجھے پلان کے مطابق ہوا تھا، وہ مزاجاً کرخت اور سرد مہر تھے، اس لئے انہیں اسے اپنی پسند اور مرضی کے مطابق ڈھالنے میں کوئی مزید پریشانی نہ ہوئی جبکہ وہ تھی بھی گھبرائی سی کم عمر اور قدرے بے وقوف سی لڑکی، مگر وہ خوبصورت بہت تھی اور یہ بات انہوں نے اول دن ہی سے تسلیم کر لی تھی، شادی کے تیسرے دن وہ حسب منصوبہ واپس چلے گئے اور سب کچھ ویسا ہی ہوتا گیا جیسا وہ سوچتے تھے۔

''دارین'' نے سب کچھ سنبھال لیا اب جب بھی وہ فون کرتے ماں کے لبوں پر دارین کا ورد ہوتا اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے سختی سے دارین کو تاکید کی ہوئی تھی کہ ماں کو قطعاً تنہا نہ چھوڑا جائے اور وہ جانتے تھے کہ وہ ان کے کس قدر دباؤ میں تھی اور ان سے کتنا ڈرتی تھی اور وہ عین وہی کرتی تھی جو وہ کہتے تھے۔

وہ خوش تھے، ماں کی تنہائی دور ہو گئی، وہ اپنے معمول کے مطابق آتے اور سارا وقت ماں کو دیتے جو کہ اب زندگی سے بڑی مطمئن تھیں اور دارین کو بہو بنانے کے فیصلے پر مطمئن اور خوش تھیں۔

مگر وہ بہرحال ایک مرد تھے اور مرد بھی وہ جو آفسر ہونے کی ساری خصوصیات سے مزین تھے، وہ کہیں نہ کہیں خامی ڈھونڈ ہی لیتے تھے اور ماں کے معاملے میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہ کرتے تھے، اسے ڈانٹ کر رکھ دیتے اور انہیں اس بات کی کبھی بھی پرواہ نہ رہی تھی کہ دارین کیا

سوچتی تھی اس پر کیا گزرتی تھی اور شاید وہ تازندگی لاعلم ہی رہتے اگر ماں کی وفات کا حادثہ نہ ہوتا، کس قدر خوفناک تھا ان کے لئے وہ سب؟ یہ کوئی ان سے پوچھتا تھا، تمام ثبوت وشواہد دارین کے خلاف تھے، یہاں تک کہ ماں کی دوائیاں تک غائب تھیں اور تب وہ جو بڑے ٹھنڈے دماغ سے فیصلہ کرنے والے تھے، انہوں نے یہ فیصلہ غصے اور نفرت میں کیا اور انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے پنچائیت میں اسے خود پر حرام قرار دے دیا، وہ اسے ایسی سزا دینا چاہتے تھے کہ وہ عبرت کا نشان بن جائے اور پھر انہوں نے اسے قید تنہائی میں ڈال دیا، رہی سہی کسر شبینہ کے بیان نے پوری کر دی، وہ اسے واپس اسی کوٹھڑی میں ڈلوا کر چلے گئے، مگر اس بار کا جانا قیامت ہوا، بیچ راہ میں راہ کھوٹی کرنے کو عیشاں مل گئی اور سارا راز کھل گیا، وہ وہیں سے واپس پلٹے تو بلقیس کے ہاتھوں اتفاقاً ملنے والی اس کی ڈائریز ایک نئی کہانی کا عنوان لئے ان کی منتظر تھیں، وہ وقت کا احساس کیے بغیر پڑھتے رہے یہاں تک کے سحر طلوع ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں رات اتر آئی تھی۔

☆☆☆

بچپن سے ہی ماں انہیں ایک کہانی سنایا کرتی تھیں، ''چاند نگر کی شہزادی'' کی کہانی اور بڑی عجیب بات تھی، دو چیزیں لازم و ملزوم تھیں ان کا بچپن اور شہزادی جب ماں انہیں شہزادی پر ہونے والے ظلم کی داستان سناتیں تو ان کا خون کھول جاتا، بس نہ چلتا کہ ابھی جائیں اور شہزادی کو اس ظالم دیو کی قید سے آزاد کرا لائیں، اس معصوم شہزادی کا صرف یہی تو قصور تھا کہ وہ اس خوبصورت دنیا کو دیکھنا چاہتی تھی۔

اتنی معصوم سی خواہش کی کیسی دردناک سزا ملی تھی شہزادی کو، وہ تو پھولوں اور کلیوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ ظالم دیو اسے اٹھا کر لے گیا اور پھر، ہر گزرتے دن اس کے پڑھتے ہوئے مظالم، وہ اکثر رات کو سوچتا کہ وہ بھاگ کر جائے اور اس دیو کو مار ڈالے مگر پھر سوچ میں پڑ جاتا کہ بھلا یہ ''چاند نگر'' کہاں تھا؟

اور بہت دن لگانے کے بعد بہت بے تابی سے اس کہانی کے اختتام کا انتظار کرتے جب اسے یہ پتہ چلا کہ شہزادی مر گئی تو اسے جیسے یقین ہی نہ آیا، اسے تو ساری کہانی میں یہ لگتا رہا تھا کہ کبھی نہ کبھی ضرور کوئی مسیحا آئے گا اور شہزادی کو بچا لے گا، شہزادی کے لئے ضرور کوئی شہزادہ آئے گا تو سنہرے چمکدار رنگ والا مشکی گھوڑے پر سوار اور جس کی تلوار لشک رہی ہو گی، وہ یقیناً آئے گا اور شہزادی کو اس دیو کی قید سے آزاد کرا لے جائے گا، مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور شہزادی اس ظالم کے دیئے زخم سہتی سہتی اس دنیا سے چلی گئی، شاید اسے اب یہ یقین نہ رہا تھا کہ کوئی اسے بچانے آئے گا اور جب اس کی امید ہی مر گئی تو اس نے زندہ رہنا مناسب نہ سمجھا، وہ بھی مر گئی۔

اس رات وہ سو نہ سکا، بس کمبل میں منہ چھپا کر روتا رہا، اتنا دکھ تھا کہ بیان سے باہر تھا۔

اس کے بعد اس نے ماں سے کہانی سننا چھوڑ دی، بھلا کیا فائدہ ایسی کہانیوں کا جن کا انجام اتنا برا ہو۔

جس کے آخر میں بھی شہزادی کے دکھ کم نہ ہوں اور نہ ہی اس کی زندگی میں، میں کوئی خوشگوار موڑ آئے، ماں کو حیرانی ہوئی جب ان کے کہنے پر حیدر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے کوئی کہانی نہیں سننی اور اس کی روح میں چاند نگر کی شہزادی کا غم اتر گیا، اس نے سوچا وہ زندگی کے کسی بھی موڑ

پر شہزادی کو بچا سکا تو ضرور بچائے گا۔

☆☆☆

انہوں نے ایسا کب چاہا تھا، بھلا یہ کب سوچا تھا وہ تو دارین کو ماں کے لئے لے کر آئے تھے، انہیں بڑا اطمینان ہو گیا تھا، دارین ماں کا خیال ہی اتنا رکھتی تھی کہ مطمئن ہو گئے، کچھ اس میں دخل ان کے مزاج کا بھی تھا، وہ اسے کسی صورت رعایت نہیں دیتے تھے اور ان کی اس عادت نے دارین کو کس طرح نقصان پہنچایا اس کا اندازہ انہیں بعد میں ہوا۔

جب انہوں نے ماں کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ اسے خود کلامی کرتے دیکھا تو انہیں یقین نہ آیا، وہ حیران و پریشان سے واپس پلٹے اور اس کے گھر رابطہ کیا مگر وہاں سے جو پتہ چلا وہ پہلے سے بڑھ کر ناقابل یقین تھا۔

''دارین بھی ماں کی طرح نفسیاتی عارضے کا شکار تھی۔'' ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی، یہ کیسا جوتا مارا تھا تقدیر نے انہیں۔

وہ جس لڑکی کو ماں کے لئے لے کر آئے تھے وہ لڑکی جسے انہوں نے اس قابل نہ جانا تھا وہی لڑکی اب خود اسی مرض کا شکار تھی۔

یہ کیسا مکافات عمل تھا؟

انہیں وہ دن یاد آیا جب وہ اس کمرے میں گئے اور وہاں تاریکی تھی اور دارین کی سسکیاں، انہیں دیکھ کر وہ کیسے لپکتی ہوئی آئی اور ان کی ٹانگ سے لپٹ گئی اور اس رات جب وہ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لائے تو یوں تھے جیسے ان کے بازو لکڑی کے بن گئے ہوں اور دل جلتا شعلہ، ایک آگ تھی جس سے سینہ ہر پل پل جل رہا تھا۔

وہ جس سے ماں کو بچانا چاہتے تھے اسی بھنور میں دارین کو دھکیل بیٹھے تھے، اس رات اس کے کمزور چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اندر سے انتہائی دکھی تھے، ساری بازی الٹ گئی تھی، انسان کس قدر بے بس و مجبور ہے، جس سے بھاگتے ہیں اسی سے جا ٹکراتے ہیں۔

وہ جو بڑے بااختیار آفیسر تھے، یہاں ان کے اختیارات ختم ہو گئے، وہ جو بڑے ایماندار آفیسر تھے، اپنی ذاتی زندگی میں اتنی بڑی بے ایمانی کر گئے، بات پھر وہیں آ کر ختم تھی، انسان ٹھوکر کھا کر ہی کیوں سنبھلتا ہے، پھر انہوں نے اپنی زندگی کے مشکل ترین قدم اٹھائے تھے، اسے پنچائیت میں بے گناہ ثابت کیا، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اسے اپنے ساتھ اسلام آباد لے کر آئے اور سب سے بڑی ذلت، اس کا ٹریٹمنٹ شروع کروایا، ہر راز، ہر بھرم، ہر انداز عیاں ہو گیا۔

ایک سائیکاٹرسٹ کے سامنے شاید ان کی عزت رہی یا نہیں مگر خود کی اپنی نظروں میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

اتنا آسان کب تھا اتنے بڑے فیصلے کرنا، وہ انگاروں پر چلتے تھے اور تپش سے ان کا دل جلتا تھا، خاندان سب سے بڑی بلیک میلنگ، ان کی انا کو کس قدر ٹھیس پہنچی تھی، ان کی عزت نفس، مگر سب کے طعنے تشنے، ملامت اور نفرت اور سب سے بڑی چیز باپ کی مخالفت وہ سب سہار گئے، جس چیز سے بچنے کے لئے انہوں نے شبینہ سے شادی سے انکار کیا تھا، وہی چیز دارین کے حصے میں آ گئی تھی، اس کی اذیت کیا کم تھی، وہ جتنا سوچتے ان کا دماغ اتنا ہی کھولتا، یہ کیا ہو گیا تھا، انہیں کبھی بھی خود پر ہنسی آتی، بڑی صدماتی سی ہنسی۔

یہ ''تقدیر'' تھی ان کی تقدیر جس سے وہ ''تدبیر'' سے بھی نہ لڑ سکے، کہ بعض چیزیں اس طرح سے نوشتہ تقدیر ہوتی ہیں کہ انہیں بدلنا ممکن نہیں ہوتا، ان کی قسمت میں وہ آیا تھا جس سے

وہ بھاگتے تھے اور پھر انہوں نے سوچا، اگر وہ ماں کو خوش اور تندرست نہ دیکھ سکے تو شاید اللہ نے انہیں آزمانے کے لئے دارین کا دکھ دے دیا کہ اگر وہ اپنے وعدے میں اپنے عہد میں اتنے ہی سچے تھے تو کیوں نہ وہ دارین کو تندرست دیکھیں۔

اگر انہیں اتنا ہی دکھ تھا ماں کا علاج نہ ہو سکنے کا تو کیوں نہ وہ دارین کا علاج کروائیں اب؟ اور جب آزمائش پڑ ہی گئی تو انہوں نے پورا اترنے کے لئے ہر چیز کی قربانی دے دی۔

اپنے نام کی ''حیدر چوہدری'' وہ انسان جس سے اس کے ہائی آفشیلو بھی سنبھل کر بات کرتے تھے کیونکہ وہ خود دوٹوک اور سرد مہر تھے، اب اتنے ڈاؤن ٹو ارتھ ہو گئے کہ دارین کی چیخم چنگھاڑ پر بھی چپ رہتے تھے اور جب وہ روتی تھی تو ان کے دل پر خنجر چلتے اور وہ لہولہو ہو جاتے، تنہائی یوں مار مارتی ہے انہیں پتہ ہی کب تھا؟ اس کی ٹریٹمنٹ میں لمحہ لمحہ اس کا خیال رکھا تھا انہوں نے، ہر قدم اس کا ساتھ دیا۔

وہ ٹھیک نہیں تھی اور اسے ٹھیک کرنا اتنا آسان نہیں تھا، وہ شک کرتی تھی اور ڈرتی تھی اور اس کی بے یقینی اور خوف کم کرتے کرتے وہ لاشعوری طور پر اس کے قریب آتے گئے۔

اور تب انہیں پتا چلا وہ تو بڑی پیاری اور حساس سی لڑکی تھی، جو کہ رنگوں اور خوشبوؤں سے پیار کرتی تھی جسے کھلکھلاہٹیں بھاتی تھیں اور جو بڑی شوخ تھی۔

تو آہستہ آہستہ انہیں وہ پسند آنے لگی، جب وہ فون پر بات کرتے تو اس کا دلربا نظروں سے خود کو دیکھنا انہیں بھاتا تھا اور جب ہنستی تو وہ اس کے گالوں کے گڑھے انہیں مسحور کر دیتے اور جب وہ فون پر اپنی ماں سے بات کرتی تو ان کے اندر ڈھیروں اطمینان اتر آتا۔

وہ اسے بدل رہے تھے، وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے، اسے لوگوں سے متعارف کرواتے تھے، اس کی دنیا کا دائرہ وسیع کر رہے تھے، اسے سنورتا دیکھنا چاہتے تھے اور پھر وہ دن آ گیا، جب وہ مکمل طور پر تندرست ہو گئی، اس کے وجود سے لپٹی بیڑیاں اتر گئیں، اس کی روح سے چمٹے آسیب دور ہو گئے اور وہ صرف ''دارین'' رہ گئی، حیدر کی دارین!!!

☆☆☆

گاڑی روش پر ہموار انداز میں پھسلتی ہوئی رک گئی، آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ باہر آ گئے، یہ ان کے گھر آنے کا وقت نہیں تھا مگر اس کے باوجود آج کچھ ایسا خاص ہوا تھا کہ ان کے معمول میں تبدیلی آ گئی تھی۔

وہ سیدھے چلتے ہوئے لاؤنج میں آئے تو پہلی نظر میں ہی وہ ان کو نظر آ گئی۔

بالوں کو کیچر میں سمیٹے صوفے پر نیم دراز، ہاتھ میں اسٹرابیری شیک کا گلاس تھامے وہ بڑی فرصت سے ٹی وی کے چینلز سرچ کر رہی تھی، انہیں دیکھ کر پہلے اس کے چہرے پر حیرت پھیلی اور پھر بے ساختہ خوشی، پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس ٹیبل پر رکھا اور کھڑی ہو گئی تب تک وہ اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

''پلیزنٹ سرپرائز۔'' وہ کھلکھلا کر بولی تھی، وہ ہلکا سے مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''کچھ لیں گے آپ؟'' اس نے پوچھا۔

انہوں نے ہلکا سا مسکرا کر نفی میں سر ہلایا اور اسے پاس آنے کا اشارہ کیا، وہ ان کے ساتھ بیٹھ گئی، کچھ الجھن سی بھی محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ

کچھ چھپا رہے تھے۔
انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دیکھا اور پھر بے ساختہ ہنس پڑے۔
''آئم سو ہیپی، یو ہیو سرپرائزڈ می سویٹ ہارٹ۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا کر چھوڑ دیا۔
اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا، انہوں نے وہ فائل فولڈر اس کی طرف بڑھا دیا جس میں ایک امید تھی۔
اور اس پیپر کو پڑھتے ہوئے دارین کے گالوں پر شفق پھیل گئی، اس نے سرخ چہرے کے ساتھ خود کو چھپانا چاہا، لرزتے ہاتھوں سے اس فائل کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اس بے حد شرم آ رہی تھی۔
وہ ایک بار پھر بے ساختہ ہنسے اور آگے جھک کر اس کے چہرے پر ڈھکے ہاتھوں کو لبوں سے چھوا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سوچا زندگی آسان ہو گئی تھی۔
وہ جو دل پر بڑا بوجھ رکھتے تھے آج اس بوجھ سے خود کو قدرے آزاد محسوس کرتے تھے، اس کی یہی ادائیں تو انہیں پاگل بناتی تھیں اور جب وہ رات سونے کے لئے کمرے میں آئی تو وہاں بہت سے پھول تھے اور ایک دلکش رنگوں سے سجا ایک کارڈ تا جس میں انہوں نے اپنی خوبصورت ہینڈ رائیٹنگ میں کچھ سطریں لکھیں تھیں۔
''اس خوبصورت لڑکی کی ہمت کے لئے
جس نے اپنے ٹوٹے وجود سے دوسروں کو جوڑا، اپنے حوصلے سے دوسروں کو سہارا دیا اور اپنے ریزہ ریزہ دل سے میرا دل جیتا۔''

(حیدر چوہدری)
ہو سکتا ہے ہمارے اردگرد بہت سی دارین اور زبیدہ خانم ہوں جو تنہائی کی ماری، اپنے احساسات و جذبات کو کسی سے شیئر نہ کر سکنے پر خودکلامی میں مبتلا ہوں۔
بہت سی خواتین کو ساری زندگی یہ ہی سمجھ نہیں آتی کہ یہ مرض ہے کیوں کہ ہم لوگ اسے عادت سمجھتے ہیں ہم اسے بیماری سمجھنے کو تیار ہی نہیں۔
زندگی میں ہر لڑکی کو حیدر چوہدری بھی نہیں ملتا اور ایسے ہی کسی مسیحا کی تلاش میں زبیدہ خانم جیسی بہت سی خواتین دنیا سے چلی جاتی ہیں۔
یہی سچ ہے اور یہی زندگی ہے اور اسے ایسے ہی رہنا ہے، مگر ایک بات بھی پیش نظر رہے کہ نرم رویے، شیئرنگ اور باہمی احترام سے بہت کچھ بدلا جا سکتا ہے، بس ذرا سا حوصلہ اور ہمت دکھانے کی بات ہے۔

☆☆☆

''چاندنگر کی شہزادی''
کے وجود میں گڑے کیل نکال دیئے گئے،
اس کا مسیحا لوٹ آیا تھا، جس نے اپنی محبت سے سب بدل دیا تھا، اسے اس ظالم دیو کی قید سے آزاد کرایا تھا، اسے واپس اس کی رنگوں بھری دنیا میں لے آیا تھا۔
اس بار شہزادی کا سنہرا شہزادہ لوٹ آیا تھا، اسے بچانے کے لئے ہاتھ میں چمکتی تلوار لئے اپنے مشکی گھوڑے پر سوار ساری رکاوٹیں عبور کر کے آیا تھا اور اسے لے گیا تھا، شہزادے نے اس بار اپنی شہزادی کو بچا لیا تھا اور پھر وہ اپنی خوشیوں بھری، رنگوں سے سجی اور دھنک سے چمکتی دنیا میں آ گئے، جہاں اب صرف ہنسی تھی، خوشی تھی اور سکون۔

☆☆☆

معصومہ منصور

سورج اپنی نرم و گرم کرنیں سمیٹتا مغربی افق کی جانب بڑھنے لگا، درختوں کے سائے گہرے ہونے لگے اور دوپہر ڈھل کر شام میں تبدیل ہونے لگی، سیاہ تارکول کی سڑک پر چند گاڑیاں تیزی سے اپنی منزل کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں ان میں سے دوسرے نمبر پر ایک سفید کرولا تھی، جس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ثوبیہ نے اپنے ساتھ بیٹھی زارا کو دوسری بار کہنی مارتے ہوئے کچھ سمجھانے کی کوشش کی، پہلی بار کی طرح

اس بار بھی زارا نے ہاتھ اور آنکھوں سے ناسمجھی کا اشارہ کرتے ہوئے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، مارکیٹ میں مسلسل پانچ گھنٹے خواری کے بعد اب وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اسے ثوبیہ کے اشارے مطمئن سمجھ نہیں آرہے تھے۔

''کیا؟'' بالآخر ثوبیہ اس کے کان میں گھس کر منمنائی، جسے سن کر اسے چھ سو واٹ کا کرنٹ لگا تھا، اس کی چیخ اس قدر بلند تھی کہ ڈرائیو کرتے فواد کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا پڑا۔

ناولٹ

''کیا ہوا؟'' وہ تیزی اور پریشانی سے زارا کی جانب مڑا۔

''وہ بھیا...... ثوبیہ اپنا والٹ؟'' اس نے ڈرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور مرے مرے لہجے میں بولی، وہ جانتی تھی فواد کو جتنی چڑ لیڈیز شاپنگ کروانے سے تھی اس سے کہیں زیادہ ثوبیہ کے بھلکڑ پن سے تھی۔

''اب والٹ کو کیا ہوا؟'' وہ ثوبیہ کی جانب مڑا۔

''وہ جیولری شاپ پر رہ گیا۔'' سیاہ نقاب سے جھانکتیں بڑی بڑی آنکھیں فواد رخ موڑ گیا۔

''کوئی بات نہیں ایک والٹ ہی تھا ناں۔'' اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔

''مجھے وہ چاہیے۔'' وہ ضدی بچی کی مانند

بولی، گاڑی پھر رک گئی۔
''کوئی چیز سنبھال کر بھی رکھ سکتی ہو کبھی، پہلے ہی ایک ایک دکان پر تم لوگوں نے گھنٹہ گھنٹہ ضائع کیا اور اب جب آدھے سے زیادہ راستہ طے کر آتے تو یہ والٹ۔'' غصہ سے دانت کچکچاتے ہوئے اس نے گاڑی سٹارٹ کرکے موڑی۔
''ہم کون سا خوشی سے تمہارے ساتھ آئے ہیں، بی جی نے بھیجا ہے تایا فرقان کی فیملی کے لئے گفٹس اور رمضان کی تیاری کے حوالے سے سب سامان لینے کے لئے۔'' وہ بولنا چاہتی تھی مگر خاموشی سے لب بھینچے سیاہ چادر سے سکارف درست کرتی باہر دیکھتی رہی، وہ والٹ لینے جا رہا تھا اس کے لے اتنا ہی کافی تھا۔
والٹ میں چند ہزار روپوں کے علاوہ گولڈ کی چین بھی تھی جو دادا جانی نے اسے میٹرک میں کامیابی پر دی تھی اور وہ دادا جانی کی دی اس آخری نشانی کو بھی کھونا نہیں چاہتی تھی، زارا نے گہرا سانس لے کر ایک بار پھر سیٹ سے بیک ٹکا دی تھی، جیولری شاپ سے والٹ اٹھانے کے بعد جب گاڑی دھول اڑاتی گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔
فواد نے گاڑی حویلی کے بڑے سے لکڑی کے گیٹ سے اندر لے جا کر سرخ بڑی بڑی اینٹوں پر روکی تو وہ دونوں سیٹوں اور ڈیش بورڈ پر رکھے شاپنگ بیگز اٹھا کر اندرونی حصہ میں داخل ہو گئیں، فواد بھی گاڑی لاکڈ کرنے کے بعد ڈگی میں سے سامان نکال کر ان کے پیچھے چلا آیا، گاؤں کی یہ حویلی شہری اور دیہی زندگی دونوں کا مجموعہ تھی کمرے ہر طرح کی شہری آرائش سے سجے تھے تو برآمدہ اور صحن بڑے بڑے سرخ پائیوں والے پلنگوں سے مزین، صحن کا آدھا حصہ سرخ اینٹوں سے بنا تھا تو بڑے شہتوت اور جامن کے درختوں کے نیچے کا حصہ کچا تھا۔
اس وقت بڑے سے صحن پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے ایک تخت اور تین پلنگ بچھائے گئے تھے، کچی مٹی کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، اگرچہ گرمیوں کے دن تھے مگر شام ہوتے ہی گاؤں کی خالص خوشگوار ہوا ہر طرف زندگی کی مانند لہرانے لگتی تو حبس سے بھری دو پہر دم توڑ جاتی، تخت پر بی جی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے تسبیح کر رہی تھیں اور رفعت تائی ان کے پاؤں دبا رہی تھیں، کچن کی جانب سے آتیں خوشبوئیں وہاں شاہین چچی کے ہونے کی گواہی تھیں۔
''لیجئے آ گیا آپ کا سب سامان، لسٹ سے چیک کر لیجئے۔'' انہوں نے سلام کرنے کے بعد شاپر پلنگ پر ڈالے اور دوسرے پلنگ پر بیٹھ کر پاؤں سنڈلز سے آزاد کرنے لگیں، تائی مسکراتی ہوئی اٹھیں تو زارا نے لسٹ نکالی اور انہیں رمضان کے لئے لائے گئیں سب اشیاء چیک کروانے لگی، فواد نے بھی سامان لا کر وہیں رکھ دیا۔
''آج تو بہت دیر کر دی بیٹا۔'' شاہین چچی شربت کا جگ گلاس اٹھائے چلی آئیں۔
''پہنچ تو جلدی ہی جاتے اگر آپ کی لاڈلی اپنے بھولنے والی عادت پوری نہ کرتی۔'' وہ منہ بناتا بالائی کمرے کی جانب جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
''پانی تو پیتے جاؤ بیٹا۔'' چچی نے شربت گلاس میں ڈالا۔
''ابھی فریش ہو کر آتا ہوں چچی۔'' وہ کہتا ہوا اوپر چلا گیا، زارا تائی جی کو لسٹ تھما کر پلنگ پر ڈھیر ہو گئی اور ثوبیہ چچی سے شربت کا گلاس تھام کر بی جی کو مہمانوں کے لئے لائے گئے کپڑے اور دوسری چیزیں دکھانے لگی۔

☆☆☆

''آخر تم لوگ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں، یہ کوٹھی، سارا کاروبار، گروی رکھا ہوا ہے اور کون ہے جو اس وقت مجھے اتنا قرض دے گا، سوائے میرے بھائیوں کے۔'' فرقان تایا اپنے بڑے سے لاؤنج کے خوبصورت سرمئی قالین پر چکر کاٹ کاٹ کر سامنے صوفے پر بیٹھیں نجمہ سلطانہ اور کنول کو گاؤں جانے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آپ نے آخر بی جی کو فون کیا ہی کیوں، کس کی اجازت سے، انہیں فون کرتے وقت آپ نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا، ہم گاؤں کے اس گندے ماحول میں کیسے رہیں گے۔'' نجمہ سلطانہ جن کا بچپن جوانی اسی گاؤں کی گلیوں میں کھیلتے گزرا تھا پچھلے دس سال شہر کی پر آرائش زندگی گزارنے کے بعد آج وہی ماحول انہیں گندہ دکھائی دے رہا تھا۔

''آخر تم لوگ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔'' وہ تھک کر صوفے پر جا بیٹھے۔

''میں آپ کی پوزیشن بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں اور اگر میں آپ کی خاطر یہ سب برداشت کر بھی لوں تو بچیاں کیسے گزارا کریں گی۔'' انہوں نے اپنے ساتھ بیٹھی کنول اور نیچے قالین پر بیٹھ کر آئی پیڈ پر ویڈیو گیم کھیلتیں جڑواں سات سالہ نرمل اور کومل کی جانب اشارہ کیا۔

''یس پاپا، مما از رائٹ، آئی ڈونٹ لائیک دیلیج، میں بھلا وہاں کیسے رہوں گی۔'' نازک کنول کی آنکھوں کے سامنے دس سال پہلے دیکھے گئے گاؤں کی تصویر لہرا کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں ڈال رہی تھی۔

''رہنے کو کون کہہ رہا ہے بیٹا، صرف ایک

ڈیڑھ مہینے کی بات ہے، تمہارا نکاح فواد سے کر کے ہم واپس......"

"واٹ بابا، نکاح۔" کنول غصے سے کھڑی ہوگئی۔

"ہاں بیٹا میں نے فیصلہ کیا ہے، کسی بھی طرح تمہاری شادی فواد سے کردی جائے۔"

"وہ ان ایجوکیٹڈ پور مین، اس قابل ہے بھلا۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"وہ نہ تو جاہل ہے اور نہ ہی غریب، ایم اے زراعت کیا ہوا ہے دس مربعوں کا اکلوتا وارث بھی ہے۔" فرقان تایا اس کے برابر کھڑے ہوئے تھے اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا کر اسے سمجھانے لگے، قائل کرنے لگے۔

"جو بھی ہے پاپا۔" اس نے بازو جھٹکے۔

"پلیز بیٹا اگر دو ماہ تک میں نے لون ادا نہ کیا تو بینک سب پراپرٹی ضبط کر لے گا اور ہم سب فٹ پاتھ پر آ جائیں گے۔" انہوں نے مجبوری بتائی۔

"تو...... تو اس کے لئے آپ اپنی بیٹی کا سودا کریں گے؟"

"سودا کون کررہا ہے بیٹا، بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے، پھر جو تم کہو گی وہی ہوگا۔"

"اور اگر مجھے وہ پسند نہ آیا۔" اس نے بے بسی سے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑے۔

"کہا ہے ناں بیٹا، جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔" انہوں نے بہلایا۔

"پرامس پاپا؟" وہ نیم رضامندی سے بولی۔

"بالکل پرامس پاپا کی جان۔" کنول کی نیم رضامندی پر انہوں نے سکون کا سانس بھرا، نجمہ سلطانہ خاموشی سے دونوں باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتیں تھیں فرقان خان کوئی بھی فیصلہ بغیر کسی منافع کے نہیں کرتے۔

"کیا ہم ان لوگوں سے قرض نہیں لے سکتے؟" وہ پہلی بار گویا ہوئیں۔

"دس سال پہلے جس طرح میں اپنا حصہ لے کر وہاں سے آیا تھا، اس کے بعد تو ناممکن ہے، میرا تو خیال ہے وہ مجھے وہاں آنے بھی صرف بی جی کی وجہ سے ہی دے رہے ہیں اور تم لوگ اتنا پریشان نہ ہو، پانچ سال بعد جب میں وہاں گیا تھا تو بہت سی تبدیلیاں کروائیں تھیں بھائی جان نے، اب حالات وہ نہیں رہے۔" وہ مطمئن سے کوٹ کی جیب سے ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی تین گڈیاں نکالنے لگے۔

"تیاری پکڑو، ایک ہفتہ ہے ہم سب کے پاس اور تیاری ایسی ہو کہ کہیں سے بھی اندازہ نہ ہو کہ آج کل ہم کس بحران کا شکار ہیں۔" انہوں نے نوٹوں کی گڈیاں نجمہ سلطانہ کی جانب بڑھائیں مگر ان کے پکڑنے سے پہلے کنول نے تھام لیں۔

"واؤ شاپنگ، گریٹ پاپا۔" ماڈرن سوسائٹی کی پروردہ کنول شاپنگ کی شوقین تھی۔

"مما اب تو میں وہ ڈریس بھی خریدوں کی جو کل کے شو میں ماڈل نے پہنا ہوا تھا۔" وہ پرجوش ہوئی۔

"ہاں بیٹا، کیوں نہیں۔" اس کے انداز پر فرقان خان نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے لگا لیا۔

☆☆☆

"اتنے سالوں بعد آخر یہ فرقان یہاں کیا لینے آ رہا ہے؟" ریحان خان نے جھنجلاتے ہوئے شبیر خان سے پوچھا، وہ دونوں اس وقت ڈیرے کی وسیع بلند مچان پر بیٹھے زمینوں کا حساب

کتاب چیک کر رہے تھے، دور کسان تیز تیز درانتی چلاتے گندم کی کٹائی کر رہے تھے۔
''کیا مطلب وہ کیا لینے آرہا ہے، ہم بھائی ہیں اس کے، وہ جب چاہے ہم سے ملنے آسکتا ہے، ویسے بھی اس نے بتایا ہے کہ بی جی بہت یاد آرہی ہیں۔'' شبیر خان اپنے سامنے پھیلے بڑے سے رجسٹر میں بال پوائنٹ رکھ کر رجسٹر بند کرتے ہوئے تیکھے انداز میں پوچھا۔
''بی جی کی یاد۔'' ریحان خان ہولے سے ہنسے تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔
''بی جی کی یہ یاد، اس وقت کہاں تھی، جب وہ روتا بلکتا چھوڑ کر شہر چلا گیا، پچھلے پانچ برسوں میں اسے بی جی کی یاد نہ آئی۔''
''چلو دیر سے ہی صحیح مگر آئی تو۔'' انہوں نے ایک بار پھر رجسٹر کھول لیا۔
''آپ بہت سادہ ہیں بھائی صاحب، آپ نہیں جانتے کہ فرقان کوئی کام بلاوجہ نہیں کرتا۔''
''تحمل سے کام لو ریحان، اگر میری ذات سے میرے چھوٹے بھائی کی کوئی وجہ پوری ہوتی ہے، اسے کوئی نفع ملتا ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔''
سمجھتے تو وہ بھی خوب تھے، دس سال پہلے فرقان اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ کراچی جا بسا تھا، جب تک والد صاحب زندہ تھے وہ سال میں تنہا ایک آدھ چکر لگا جاتا تھا، مگر پانچ سال سے والد صاحب کی وفات پر آیا تو اپنے حصہ کے کاغذات لے کر گیا تب سے وہ اب لوٹ رہا تھا۔
''اور کبھی تم نے بی جی کے ضعیف چہرے کو دیکھا ہے، جب سے اس کے آنے کا سنا ہے کتنا روشن ہے، کتنی خوش ہیں وہ، ہر وقت دروازے دیکھتیں رہتی ہیں، اولاد جیسی بھی ہو والدین کے لئے تو اولاد ہی ہوتی ہے ناں، ان کے جگر کا ٹکڑا۔''
''بی جی کا ہی خیال ہے ورنہ۔'' انہوں نے سر جھٹکا۔
''مجھے یقین ہے، فرقان کی واپسی ایسے ہی نہیں ہے، یقیناً کوئی نہ کوئی راز ضرور ہے۔''
''اللہ خیر کرے گا یار، تم پریشان مت ہو۔'' انہوں نے ریحان خان کے کندھے پر تھپکی دی، ٹریکٹر کی آواز پر وہ دونوں اٹھ کر ڈیرے سے باہر نکل آئے جہاں فواد ٹریکٹر روک رہا تھا۔
''السلام علیکم!'' اس نے بیک وقت دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے سلام کیا۔
''بیٹے یہاں کیوں لے آئے، اتنی گرمی ہے، گھر ہی لے جاتے ناں۔'' دونوں نے باری باری اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر شبیر خان بولے۔
''جی بابا میں گھر ہی جا رہا تھا، پھر سوچا کھاد وغیرہ پہلے چاچا جی کو چیک کروا دوں۔'' اس کا فیروزی کاٹن کا سوٹ اور کندھے پر پڑا سفید رومال ملگجا ہوا اور سانولا چہرہ گرمی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔
''تم بھی سب چیک کر کے اچھا مال ہی لائے ہو گے، آخر دو سال ہو گئے ہیں تمہیں یہ کرتے کرتے، اب تو خوب سمجھنے لگے ہو۔'' ریحان نے ٹریکٹر پر چڑھ کر باری باری بند بوریوں کے منہ کھول کر مال چیک کیا اور نیچے اتر آئے۔
''سب اے ون ہے، شاباش بیٹا، بس کوشش کرو کہ رمضان سے پہلے ہی سب سامان لے آؤ، پھر روزے کے ساتھ کہاں منڈیوں کا چکر لگاتے پھرو گے۔''
''جی چاچا، بس ایک چکر اور لگے گا شہر کا۔'' وہ ٹریکٹر سٹارٹ کر کے واپس موڑنے لگا۔

''اوکے بیٹا جاؤ اب گھر جا کر ریسٹ کرو۔'' فواد ٹریکٹر چلاتا حویلی کی جانب بڑھنے لگا تو وہ دونوں ڈیرے میں واپس لوٹ آئے۔

☆☆☆

سورج کی تیز دھوپ پورے صحن میں پھیلی ہوئی تھی، بڑ کے درخت پر بیٹھیں چڑیاں اور کوے شور مچاتے اِدھر اُدھر پھدکتے پتے چونچ سے کتر کتر کر نیچے گرا رہے تھے اور ان سے بچنے کے لئے بڑ کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے بی جی کا تخت بچھا کر ڈائجسٹ پڑھتی ثوبیہ نے سرخ اور پیلی چھتری تانی ہوئی تھی، کبھی کبھار آنے والا جھونکا اس کے چہرے کے گرد لپٹیں لٹوں کو جھولا سا جھولا جاتا۔

کندھے پر بوری لاد کر لاتے فواد نے ایک نظر اس پر ڈالی اور تمام بوریاں سٹور روم میں پہنچانے کے بعد اور فریش ہونے چلا آیا، پریس کیے کپڑوں پر ایک اطمینان بھری نظر ڈالتا وہ شاور لینے چلا گیا۔

مگر یہ کیا، شاور لینے کے بعد کپڑے چینج کرنے کے لئے اس نے کپڑے استری اسٹینڈ سے اٹھائے اس کا سارا سکون غارت ہو گیا، سر سے پاؤں تک سلگتے ہوئے اس نے شلوار قمیض کو دیکھا جو مختلف رنگوں کا تھا وہ سمجھ گیا یہ کس کا کام ہے۔

''یہ لڑکی کوئی بھی کام سیدھا نہیں کر سکتی۔'' جلتے ہوئے اس نے دوسرے کپڑے استری کر کے پہنے اور پھر چھت سے نیچے جھانکا، لکڑی کا تخت خالی تھا۔

''زارا!'' اس نے بہن کو آواز لگائی، برآمدے سے ثوبیہ نکل کر اوپر دیکھنے لگی۔

سرخ کلر میں اس کی سانولی رنگت دمک رہی تھی، سورج کی روشنی سے بچنے کے لئے اس نے پیشانی پر دائیں ہاتھ سے چھجا سا بنا رکھا تھا، ایک لمحہ کے لئے تو وہ بھول ہی گیا کہ اسے کیا کہنا تھا۔

''کیا بات ہے، بولو بھی۔'' دھوپ کی تپش سے جھنجھلاتے ہوئے آنکھوں میں سوالیہ نشان لئے اس نے پوچھا تھا، وہ چونکا، سر جھٹکتے ہوئے کمرے میں گیا۔

''آج کے بعد میرے کپڑوں کو ہاتھ مت لگانا۔'' اس نے کپڑے گول مول کر کے اس کی جانب پھینکے اور پلٹ گیا۔

''جب پریس کیے تھے، تب تو ٹھیک تھے، اب کلر کیسے چینج ہو گیا۔'' وہ ہاتھ میں پکڑی قمیض شلوار کو الجھی نظروں سے دیکھنے لگی جو دو مختلف رنگوں کی تھیں۔

فواد ہیئر برش کرنے کے بعد نیچے اتر کر کچن میں آیا، شاہین چچی پیاز براؤن کر رہی تھیں اور ان کے ساتھ کھڑی ثوبیہ پیسے ہوئے لہسن میں ٹماٹر چھیل چھیل کر ڈال رہی تھی۔

''چچی کھانا ملے گا۔'' اس نے ثوبیہ کو مکمل نظر انداز کر دیا۔

''جی بیٹا بیٹھو۔'' چچی کے کہنے پر وہ وہیں رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

ثوبیہ نے خاموشی سے کھانا اس کے سامنے رکھا، تبھی زارا کچن میں داخل ہوئی اور فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

''بیٹا ذرا فریج سے ٹینڈے بھی پکڑانا۔''

''جی اچھا امی۔'' اس نے فریج کا دروازہ کھولا۔

''ٹینڈا تو ایک ہی پڑا ہے۔'' وہ فریج کا دروازہ بند کر کے پلٹی۔

''یہ ٹینڈا ہے۔'' مصالحہ بھونتی چچی نے اسے گھورا۔

"یہ کدو ہے پاگل۔" زارا ہنستے ہوئے بولی۔

فواد نے دیکھا وہ بڑی معصومیت سے بڑے سے کدو کو ڈنڈی سے پکڑے ہلا رہی تھی، بے اختیار وہ بھی مسکرا دیا۔

"پتا نہیں کیا بنے گا اس لڑکی کا جس ٹینڈے اور کدو کا فرق معلوم نہیں۔" شاہین چچی بھی ہنسنے لگیں۔

ان کی بات پر فواد کی ہنسی کو بریک لگ گئے، وہ ہاتھ میں پکڑا نوالا چھوڑ کر اٹھا اور کچن سے نکل کر دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں آ گیا، پنکھا فل سپیڈ سے چلاتے ہوئے وہ بیڈ پر گر گیا، اس کی نظروں میں اپنے مستقبل کے حوالے سے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔

☆☆☆

"ہو گئی تمام پیکنگ؟" بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے فرقان خان نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں ابھرتے عکس کو دیکھ کر نائٹ کریم کا مساج کرتیں نجمہ سلطانہ سے پوچھا، کمرے میں لیمپ کی مدھم دودھیا روشنی بکھری ہوئی تھی۔

"جی پیکنگ تو سب مکمل ہے، مگر یہ جو آپ نے کنول اور فواد کے حوالے سے بات کی، اس کی مجھے بالکل سمجھ نہیں آئی، کہ بھلا اس سے ہمیں کیا مالی فائدہ حاصل ہو گا۔"

"فائدہ تو تمہاری سوچ سے بھی بڑھ کر حاصل ہو گا، بس ایک بار فواد کا نکاح کنول سے ہو جائے۔" وہ دونوں بازوؤں کی قینچی بنا کر سر کے نیچے رکھتے ہوئے نیم دراز ہوئے۔

"پھر بھی، کچھ خبر تو ہو، کہ آخر ایسی کون سی وجہ ہے کہ جس گاؤں کو آج سے دس سال پہلے آپ نے اپنے لئے ناپسند کیا تھا، وہ آج اپنی بیٹی کے لئے منتخب کر رہے ہیں۔" انہوں نے نرمی کے ساتھ ٹشو سے چہرہ صاف کیا۔

"وقت بڑا استاد ہے نجمہ بیگم، اچھے اچھوں کو اپنا غلام بنا لیتا ہے اور اس وقت۔" وہ بڑے ملال سے بولتے ہوئے بات چھوڑ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"آپ بہت پریشان ہیں، کون کی وجہ ہے؟" نجمہ سلطانہ نے ٹشو ڈسٹ بن میں ڈال کر شیشے میں ان کا عکس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بات ہی پریشانی کی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولے۔

"کسی بھی طرح اگر ہم فواد اور کنول کا نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو نکاح کے وقت میں بہت کچھ کنول کے نام کروا لوں گا، پانچ نہیں تو چار مربعہ تو لازمی، پھر انہیں بیچ کر یہ کوٹھی اپنا کاروبار آسانی سے چھڑوا سکتا ہوں۔" فرقان خان نے انہیں اپنی پلاننگ کا حصہ بنایا۔

"اور اگر کنول کو وہ پسند نہ آیا تو۔" وہ ان کی جانب گھومیں۔

"تو کیا نکاح ہی تو کرنا ہے، وہ بھی مکمل خاموشی کے ساتھ، کنول میری اچھی بیٹی ہے، وہ میری مدد ضرور کرے گی، بس ایک بار قرض کی ادائیگی ہو جائے پھر جو ہماری بیٹی چاہے گی وہی ہو گا۔"

"اور اگر فواد نے اسے پسند نہ کیا تب؟"

"کیوں کس بات کی کمی ہے، ہماری بیٹی میں۔" وہ ایک دم تپ کر بولے۔

"او...... ہو...... میں کمی کی بات نہیں کر رہی، آپ نے ہی ایک بار بتایا تھا کہ آپ کے بابا جان مرنے سے پہلے فواد اور ثوبیہ کا رشتہ طے کر گئے تھے، تو کہیں وہ۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب بیڈ پر آ بیٹھیں اور راز درانہ انداز میں بولیں۔

"شہری لڑکیاں ان گاؤں دیہات کے

لڑکوں کے لیے رنگین تتلیوں کی مانند ہوتی ہیں، بس ایک بار کوئی تتلی ان کی آنکھوں میں سما جائے، یہ خود اس کے پیچھے دوڑتے ہیں، بس ایک بار کنول اور فواد کے درمیان انڈرسٹینڈنگ ہو جائے تو کون سا رشتہ اور کہاں کا رشتہ۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے دھیرے سے ہنسے۔

''اور...... وہ بی جی، وہ یہ سب ہونے دیں گیں۔''

''تم نے وہ محاورہ نہیں سنا، جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی، بس تم پچھلی تمام عداوتیں بھول کر ماننا۔''

''لیکن، اگر۔''

''تم اگر مگر چھوڑو اور فضول وہم مت پالو، رمضان کا مہینہ چٹکیوں میں گزرے گا، عید پر نکاح کروانا ہے اور واپسی دیکھنا سب کچھ کیسے ہوگا، اب آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو، کل صبح جلدی نکلنا ہے۔'' فرقان خان نے کروٹ لے کر آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی خاموشی سے اٹھیں، لیمپ آف کیا اور بیڈ کی دوسری جانب لیٹ گئیں، ان کا ذہن اب بھی بہت سی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔

دس سال پہلے فرقان احمد نے اپنے والدین کو استعمال کرتے ہوئے گویا اپنی جڑیں کاٹتے ہوئے دولت کے بل بوتے پر کامیابی کا اونچا محل تعمیر کیا، دولت ایسی محبوبہ ہے جو کبھی کسی کی نہیں ہوتی اور آج ان کا محل ہوا کے دوش پر لہرانے لگا تھا، ذرا سی تیز ہوا سے زمین بوس کر سکتی تھی اور وہ آج اسے ایک بار پھر اپنی جڑیں کاٹتے ہوئے بچانا چاہتے تھے اپنی اولاد کا استعمال کرتے ہوئے۔

☆☆☆

شام کے چار بجے تھے، آج بادل صبح سے ہی اٹھکیلیاں کرتے گھوم رہے تھے کوئی بادل تھوڑا سا برسنے کی کوشش کرتا تو مستانی بل کھاتی ہوا اسے اپنے ہمراہ اڑا لے جاتی، موسم کی طرح فواد کا موڈ بھی آج بہت خوشگوار تھا، ٹریکٹر چلاتے، گنگناتے وہ شہر سے لوٹ رہا تھا، جبھی اس کی نظر قطار در قطار سجی پھولوں کی دکانوں پر پڑی تو آنکھوں کی پتلیوں پر توبیہ کا چہرہ جھلمل دیکھنے لگا، اس کا دل چاہا وہ بھی ایک کلی خریدے، توبیہ کے لئے، اپنی توبیہ کے لئے، وہ دھیرے سے مسکراتا ایک سرخ کلی خرید لایا۔

''آج وہ اس سے سب کہہ دے گا، اپنے دل کی ہر بات، وہ اسے بتائے گا پچھلے چھ سالوں سے وہ کیسے اسے چوری چوری دیکھا کرتا ہے، یہ سچ ہے کہ اس کا بچپنا اور لاپرائیاں پسند نہیں، پھر بھی وہ کس طرح اس کے طلسم میں جکڑا ہوا ہے، اس کی لمبی گھنی زلفوں نے کس طرح اسے اپنا اسیر کر رکھا ہے، مگر اس نے تو کبھی مجھ سے مسکرا کر بھی بات نہیں کی، میری باتوں کا جواب بھی مختصر ہی دیتی ہے، کیا وہ مجھے پسند نہیں کرتی، کیا اسے نہیں پتا ہمارے درمیان کتنا خالص اور نازک رشتہ جڑا ہے، کیا اس کے دل میں اس رشتہ کے حوالے سے کوئی خاص جذبہ نہیں ابھرتا، اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی تو مسکرا کر شرما کر میری جانب دیکھتی۔'' دل عجیب وہموں وسوسوں کا شکار ہونے لگا۔

''کوئی بات نہیں میں لڑکا ہوں، پہل بھی مجھے ہی کرنا چاہیے، آج جب میں خود سے اظہار محبت کروں گا تو وہ یقیناً گھبرا جائے گی، مسکرا جائے گی، شرما جائے گی۔'' وہ دل کو دلاسے دینے لگا۔

گودام میں سامان پہنچانے کے بعد وہ فریش ہو کر نیچے آیا، صحن میں بی جی رفعت تائی اور

شاہین چچی بیٹھیں تھیں، وہ کچن کی جانب چلا آیا۔
زارا پکوڑے تل رہی تھی اور ثوبیہ چائے کپوں میں ڈال رہی تھی، اس کا رخ چولہے کی جانب تھا، کچھ ہی دیر پہلے وہ نہا کر نکلی تھی، کمر پر پھیلی سیاہ زلفوں کی آبشار، دوپٹہ کے نیچے سے اپنی جھلک دیکھا رہی تھی، جن سے ٹپکتا قطرہ قطرہ پانی فواد کو اپنی جانب کھینچنے لگا۔

''کیا چاہیے بھیا؟'' سب سے پہلے زارا نے اسے دیکھا، وہ کچن کے دروازے میں ایستادہ یک ٹک ثوبیہ کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ...... میں...... چائے کا کہنے آیا تھا۔'' وہ بری طرح چونکا۔

''جی بھیا، ثوبیہ لا رہی ہے ابھی۔'' وہ ہولے سے مسکرا کر بولی۔

''ثوبیہ! میری چائے اوپر ہی دے جانا۔'' وہ کہتا ہوا اوپر چلا گیا، ثوبیہ نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''تم پاگل ہو فواد خان۔'' کوئی زور سے اس پر ہنسا تھا۔

''وہ تم سے بات کرنا، تمہاری جانب دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی، جب سے یہ رشتہ جڑا ہے وہ تم سے بھاگنے لگی ہے۔'' آواز پھر آئی تھی۔

''نہیں، نہیں، ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔'' دیوار پر کہنی ٹکائے صحن میں لگے بیری کے درخت کو دیکھتا وہ بڑبڑایا۔

''ایسا ہی ہے۔'' قہقہہ پھر گونجا تھا۔

''تم غلط کہتے ہو، بالکل غلط، ابھی آتی ہے، تو دیکھنا میں تمہارے سامنے اس سے بات کروں گا۔'' وہ الجھا الجھا سا خود کو تسلی دینے لگا۔

''بھیا...... چائے۔'' ثوبیہ کی جگہ زارا چائے لئے کھڑی تھی، اس نے خاموشی سے چائے کا کپ تھام کر دیوار پر رکھ دیا، زارا واپس چلی گئی، اس کی تمام سوچیں اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئیں۔

''پتا نہیں میں ہر بار کیوں اس ڈفر سے امید لگا لیتا ہوں، اس بیوقوف کو بھلا میرے احساسات کی کیا قدر، اسے کیا خبر چاہنا اور چاہے جانا کس قدر خوبصورت احساس ہے۔'' پچھلی ہر بار کی طرح اسے اس بار بھی خود پر افسوس ہونے لگا کہ آخر اس نے ایسا سوچا ہی کیوں، سیاہ پینٹ کی جیب سے کلی نکال کر اس نے بیری کے درخت میں پھینک دی، کلی درخت کی کانٹے دار شاخوں میں اٹک گئی جہاں پہلے بھی کچھ کلیاں اٹکی ہوئی تھیں جو خشک ہو کر سرخ سے زرد ہو گئیں تھیں، ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی الجھ گیا تھا، اسے بالکل سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے، ایک جانب تو وہ اس کی عادات سے نالاں تھا تو دوسری جانب اس کا منتظر بھی۔

☆☆☆

''اگر تم کل بھیا کو چائے دے آتیں تو بھلا کیا ہو جاتا۔'' کچن میں آٹا گوندتی زارا نے شربت بناتی ثوبیہ سے پوچھا۔

''مجھے لگا وہ تمہارا انتظار کر رہے تھے، شاید تم سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔'' اسے کل کا منظر یاد آنے لگا، کل کس طرح ثوبیہ کے بجائے اسے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور کتنی خاموشی کے ساتھ اس نے کپ تھاما تھا، وہ بھائی کے جذبات سے باخوبی باخبر تھی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' اس کی مسلسل خاموشی پر وہ چڑ کر بولی تھی، دونوں کزنز ہی نہیں بلکہ اچھی دوست بھی تھیں۔

''کیا؟'' ثوبیہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

''کل تم بھیا کو چائے دینے کیوں نہیں

نہیں؟ جبکہ وہ خود تمہارا نام لے کر تمہیں کہہ کر گئے تھے۔'' سب کو چائے دینے کے بعد اس نے فواد کی چائے اسے پکڑا دی، زارا نے اسے آنکھیں بھی دیکھائیں کہ وہ لے کر جائے مگر وہ نظر انداز کر گئی، بڑوں کی موجودگی کی وجہ سے زارا کھل کر بھی نہیں کہہ سکتی تھی، اس لئے مجبوراً خود ہی چائے اوپر لے گئی۔

''جب وقت آئے گا، تو لے جایا کروں گی۔'' آرام سے جواب آیا تھا۔

''کیا مطلب، جب وقت آئے گا، غیر تو نہیں ہیں وہ، تمہارے منگیتر ہیں، وہ بھی پورے چھ سال سے، یعنی بچپن سے کہہ لو۔''

''منگنی بچپن کی ہو یا ایک دن کی، اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ایسے کسی رشتہ کو جواز بنا کر مجھے میل ملاقات پسند ہے۔'' وہ جگ میں بڑا سا چمچ گھماتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''ایک ملاقات کی تو اجازت ہے۔'' وہ آٹا باؤل میں رکھ کر اس کی جانب مڑی۔

''ملاقات کی نہیں بلکہ صرف ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھنے کی، وہ بھی اس صورت میں جب لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لئے بالکل انجان ہوں، جبکہ یہاں تو ایسا کچھ نہیں۔''

''اچھا مولانی صاحبہ۔'' اس سے متفق ہوتے ہوئے اس نے مسکرا کر ہاتھ دھوئے اور باؤل ڈھانپ کر فریج میں رکھا۔

''یہ ایک گھنٹہ سے کیا ملا رہی ہو تم۔'' وہ جگ کے نچلے حصہ کو بغور دیکھنے لگی۔

ثوبیہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا پھر گلاس اٹھا کر تھوڑا سا شربت اس میں ڈال کر پیا اور ہنستی چلی گئی۔

''یعنی تم اتنی دیر سے خالی پانی میں چمچ چلائے جا رہی ہو۔'' اس کی ہنسی کے پیچھے چھپے مفہوم کو بھانپ کر زارا کی آنکھیں پھیلیں۔

''سچ، میں سمجھی میں نے چینی ڈالی ہوئی ہے۔'' منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرنے لگی۔

''یا اللہ، اس بھلکولڑکی کو تھوڑی سی عقل عطا کر دے، مجھے لگتا ہے تم اپنے ساتھ ساتھ میرے بھیا کی بھی زندگی بھی تباہ کرنے والی ہو۔'' زارا ہنستے ہوئے بولی۔

''اس سے تمہارے بھیا کی زندگی کیسے خراب ہونے لگی؟'' اب وہ سنجیدگی سے جگ میں اندازے سے چینی ڈالنے لگی۔

''ظاہر ہے، نمک والی چائے ملی تو لڑائی، پھیکا شربت ملا تب لڑائی، ٹینڈوں کی جگہ کدو پکائے پھر لڑائی اور ذرا خود سوچوں روزانہ رنگ برنگی قمیض، شلوار پہنے بھیا کیسے لگیں گے۔'' دونوں ہی تصور کر کے ہنسنے لگیں۔

''میری مانو، تو بدل لو خود کو، ورنہ شادی کے بعد مشکل ہو جائے گی۔''

''کیوں میں کیوں بدلوں خود کو، تمہارے بھیا ہی اپنی پسند کیوں نہیں بدل لیتے آخر۔''

''بھیا مرد ہیں ڈیئر اور یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے، یہاں شادی کے بعد عورت کو ہی بدلنا پڑتا ہے۔''

''شادی کے بعد عورت ہی قربانی کیوں دیتی ہے، اپنی پسند نہ پسند، خواہش خواب سب عورت ہی کیوں چھوڑے، آخر یہ مرد کیوں کوئی قربانی نہیں دیتا، جس نے مجھے پسند کرنا ہو گا وہ ایسے ہی کر لے گا۔''

''یعنی تمہیں بھیا کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں، چاہے وہ تمہاری جگہ کسی اور کو ہی دے دیں۔''

''ہاں مجھے پرواہ نہیں۔'' اس نے عادت

کے مطابق لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''واقعی اسے میری کوئی پرواہ نہیں۔'' باہر کھڑے فواد نے ان کی باتیں سن کر نچلا ہونٹ دانتوں سے کترا اور کچن کے دروازے سے ہی پلٹ گیا۔

☆☆☆

ثوبیہ لاابالی ضرور تھی مگر بدسلیقہ یا بیوقوف قطعی نہیں تھی، اسے اپنی غلطیوں کا بھی پورا احساس تھا اور وہ انہیں درست کرنے کی بھی کوشش کرتی تھی مگر کوئی بھی کام جتنی بھی ذمہ داری اور توجہ سے کرتی کہیں نہ کہیں کوئی کمی رہ ہی جاتی، یہ بات یا کمی اس کی فطرت کا حصہ تھی اور انسان جتنی بھی کوشش کرے اس کی فطرت کبھی تبدیل نہیں ہو سکتی، پہلے تو فواد بھی اس کے کاموں پر ہنسا کرتا تھا اور خاصا مذاق بھی بناتا تھا مگر جب سے دونوں ایک نئے رشتے میں جڑے تھے وہ ثوبیہ کو بھی نئے رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا، ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا جیون ساتھی، شریک زندگی اس کی پسند کا ہو، اس کے جذبات کو سمجھنے والا اس کے احساسات کی قدر کرنے والا اگر فواد بھی ایسا چاہتا تھا تو یہ اتنا غلط بھی نہ تھا، ثوبیہ بھی اپنی فطری حیا کے ہاتھوں مجبور تھے کہ حیا کا عنصر تو رب پاک کی طرف سے ہی تحفتہً عورت کی مٹی میں گوندھا ہے تو بھلا وہ اس سے کیسے بغاوت کر سکتی تھی اور اب ان دونوں کے درمیان آ رہی ہے کنول، ثوبیہ کا مکمل الٹ اور فواد کے تراشے گئے پیکر سے قریب تر، تو آیئے دیکھتے ہیں کہانی کیا موڑ اختیار کرتی ہے۔

☆☆☆

باہر ہائی روف رکنے کی آواز سنائی دی تو صحن میں بیٹھے ریحان خان، فواد خان، شبیر خان، رفعت تائی، شاہین چچی، زارا اور ثوبیہ بھی کھڑے ہو گئے۔

''لگتا ہے چچا لوگ آ گئے۔'' زارا دبے دبے جوش اور خوشی کے ساتھ بولی۔

ریحان خان، شبیر خان اور فواد باہر کی جانب لپکے، بی جی بھی الرٹ سی بیٹھیں اپنا سفید ململ کا دوپٹہ درست کرتے دروازے کو دیکھ رہی تھیں، جہاں سے فرقان تایا اپنی فیملی کے ہمراہ اندر داخل ہو رہے تھے۔

بی جی نے اپنی کمزور بانہیں پھیلا دیں، نجمہ سلطانہ اور فرقان لپک کر ان کی بانہوں میں سمائے، بی جی کی بوڑھی آنکھیں برسنے لگیں۔

''میری پیاری بی جی۔'' فرقان تایا نے انہی کے دوپٹے سے ان کی آنکھیں صاف کیں۔

''خوشی کے آنسو ہیں بیٹا، آخر اتنے برسوں بعد اپنے بچوں کو دیکھا ہے۔'' وہ نرمل، کومل کو پیار کرنے لگیں۔

سب سے ملنے کے بعد وہ سرخ پایوں والے بڑے سے پلنگوں پر بیٹھ گئے۔

''کنول نظر نہیں آ رہی بھائی صاحب، کیا وہ نہیں آئی؟'' رفعت تائی نے پوچھا۔

''کیوں نہیں بھابھی، آئی ہے وہ بھی گاڑی وغیرہ لاکڈ کر رہی تھی، ماشاءاللہ آدھے راستے تو وہی ڈرائیونگ کرتی رہی ہے، ورنہ کراچی سے یہاں تک کا سفر، یعنی چودہ پندرہ گھنٹے مسلسل ڈرائیو آسان تو نہیں ہے ناں، لیجئے وہ آ گئی۔'' فرقان تایا کے لہجے میں بیٹی کے لئے پیار اور فخر تھا، نیلی جینز کے ساتھ سلیولیس گلابی شرٹ پہنے سنہرے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے، چھوٹے سے خوبصورت چہرے پر گرتی لٹوں کو ہاتھ سے سنوارتی اور تین سیاہ کیری بیگ کو سنبھالتی کنول سب کی نگاہوں کا مرکز بنی تھی۔

فواد کے ذہن میں ثوبیہ کا خاکہ ابھرا جو چند

شاپنگ بیگز سنبھال کر ہی تھک جاتی تھی، سب سے پہلے اسی نے بڑھ کر کنول سے بیگز تھامے تھے اور انہیں اندر رکھنے گیا، زارا اور ثوبیہ کنول سے ملنے کے بعد کچن میں چلی گئیں، کنول باری باری باقی سب سے ملنے لگی۔

''یہ میری بیٹی ہے کنول اور کنول بیٹا یہ فواد خان، یاد تو ہوگا ہی بچپن میں اکٹھے ہی تو کھیلا کرتے تھے دونوں۔'' فواد آیا تو فرقان تایا نے بالخصوص کنول سے اس کا تعارف کروایا، کنول نے بہت گہری اور جانچتی نظروں سے اس کا جائزہ لیا، لمبا چوڑا سنہری رنگت اور کچی آنکھوں والا فواد اسے پہلی ہی نظر میں بھا گیا تھا پھر کیسی فکر مندی سے اس نے سب سے پہلے اس سے بیگز تھامے تھے، کنول نے دھیرے سے مسکرا کر ہیلو کیا، کنول کے ہیلو کا جوب دیتے ہوئے اس نے دائیں بائیں بیٹھنے کی جگہ تلاشی، کنول نے پلنگ پر ایک جانب ہو کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ جھجکتا ہوا بیٹھ گیا۔

''اور کیا ایکٹیویز ہیں آپ کی؟'' کنول نے اس کی جھجک صاف محسوس کر لی تھی۔

کچن سے زارا کے ہمراہ بڑا سا جگ اٹھائی لاتی ثوبیہ کی نظر اک ہی چارپائی پر بیٹھے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے ان دونوں پر پڑی تو نجانے کیوں اس کے دل کو پر لگ گئے، اسے لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر نکلا اور ان دونوں کے گرد منڈلانے لگا۔

زارا کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں کانچ کے نازک گلاس رکھے تھے، اس نے ٹرے ایک جانب رکھی میز پر رکھی اور گلاس اٹھا کر فرقان تایا کے سامنے کیا جو بی جی کے بائیں جانب بیٹھے تھے، ثوبیہ جھک کر شربت ڈالنے لگی مگر اس کا سارا دھیان فواد اور کنول کی جانب تھا، زارا نے اسے کہنی مار کر ہلایا تو وہ چونکی اور جب اس کی آنکھوں کا اشارہ سمجھتے ہوئے نیچے دیکھا تو دل بھر کر شرمندہ ہوئی، شربت گلاس میں گرنے کے بجائے زمین پر گر رہا تھا۔

''یہ ابھی بھی ویسی کی ویسی ہی ہے، ذرا نہیں بدلی۔'' نجمہ سلطانہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا اور خود سے لگا کر پیار کیا، سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے، زارا نے اس کے ہاتھ سے جگ لیا اور سب کو شربت دینے لگی۔

''یاد ہے بھابھی، ایک دن جب آپ کیاری میں گوڈی کر رہی تھیں اور میں پائپ سے صحن میں چھڑکاؤ، برآمدے کی سیڑھیاں رہ گئیں تو میں نے ثوبیہ سے کہا کہ وہ سیڑھیوں پر پانی ڈال آئے، تو اس نے بھری بالٹی اٹھائی اور یک دم اوپر جانے والی سیڑھیوں پر الٹ دی، میں اور آپ حق دق، کہا تو ان سیڑھیوں کا تھا۔'' نجمہ کے قہقہے میں سب کی ہنسی شامل تھی۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں چچی ایک دن پتا ہے، کیا ہوا۔'' زارا نے شربت کا گلاس نجمہ کو تھمایا، ثوبیہ نے آنکھیں دکھا کر اسے خاموش رہنے کا کہا مگر وہ اگنور کر گئی۔

''ثوبیہ نے روٹی بنائی اور ٹی وی دیکھنے بیٹھ گئی، ابو لوگ نماز پڑھ کر آئے تو میں دستر خوان لگانے لگی، اب جناب ہاٹ پاٹ لاپتا، کچن میں ہر جگہ ڈھونڈ لیا، مگر ہاٹ پاٹ کا کچھ پتا نہیں، ثوبیہ پریشان، ابھی تو روٹی بنائی تھی، کہاں گیا، پھر پتا ہے ہاٹ پاٹ کہاں سے برآمد ہوا۔'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے سب پر نظر ڈالی سب کی آنکھوں میں سوال تھا۔

''فریج سے، محترمہ نے آٹے کی جگہ ہاٹ پاٹ اور ہاٹ پاٹ کی جگہ آٹا رکھ دیا تھا۔''

"او مائی گاڈ۔" ہنسنے والوں میں سب سے تیز چیخ نما آواز کنول کی تھی۔
"آخر ثوبیہ نے روٹی بنائی تھی، کوئی عام بات تھوڑی تھی۔" فواد نے ٹکڑا لگایا اور ہنستے ہوئے اسے دیکھنے لگا، ثوبیہ نے چڑ کر منہ موڑ لیا۔
"اب بھی ہمیں کبھی کبھی نمک والی چائے اور پھیکا شربت پینے کو مل جاتا ہے، رنگ برنگے کپڑے تک پہنا ڈالتی ہیں محترمہ اور اگر کوئی ان کی استری شدہ آزار بن والی شلوار پہن لے تو جیب ہی ڈھونڈتا رہ جائے، شروع شروع میں تو مجھے سمجھ ہی نہیں آتا تھا کہ یہ جیب آخر پیچھے کی جانب کیسے چلی جاتی ہے، میں گھوم جاتا ہوں یا شلوار۔" فواد ہنستے ہوئے اس کی مزید کاریگریاں سب کو بتا رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کتنے عرصے بعد وہ اس طرح اس کے الٹے کاموں پر ہنس رہا تھا ورنہ تو اس کا منہ ہی بن جایا کرتا تھا، کیا یہ سب کنول کی وجہ سے تھا۔

☆☆☆

نجمہ سلطانہ اس وقت ٹی وی پر ٹاک شو دیکھ رہی تھیں، نزل، کومل قالین پر بیٹھیں لڈو کھیل رہی تھیں، زارا، ثوبیہ رمضان کی تیاری کے حوالے سے چاول صاف کر رہی تھیں، کنول فواد سے باتیں کر رہی تھی، دونوں کی بہت جلد ہی اچھی دوستی ہو گئی تھی، اس کا زیادہ تر وقت فواد کے ساتھ باتوں میں گزرتا تھا اور اگر وہ زمینوں پر چلا جاتا تو وہ ٹی وی کے سامنے جم کر بیٹھ جاتی، وہ فلموں، ڈراموں اور ناولز کی رسیاں تھی۔
"کنول بیٹا! آپ نے جو گفٹس خریدے تھے سب کے لئے وہ تو لا کر دیں۔" اچانک ہی نجمہ سلطانہ کو یاد آیا۔
"جی مما۔" کنول سعدت مندی سے اٹھی اور اندر کمرے سے ایک کیری بیگ گھسیٹ لائی، کیری کو زارا ثوبیہ کے قریب احتیاط سے رکھ کر کھولنے لگی۔
"ماشاء اللہ بہت ذمہ دار ہے میری بیٹی، کہنے لگی مما اتنے عرصے بعد ہم وہاں جا رہے ہیں میں تو سب کے لئے گفٹس لے کر جاؤں گی، سب خریداری اور پیکنگ اس نے خود کی ہے، بہت ذمہ داری اور محبت کے ساتھ۔" نجمہ سلطانہ مسکرا کر فواد کو بتانے لگیں۔
"دیکھئے زارا یہ میں آپ کے لئے لائی ہوں۔" اس نے لائٹ اینڈ ڈارک پرپل کی گھیر دار فراک زارا کے سامنے پھیلائی۔
"لیلیٰ جب پہلی بار حارث سے ملی تھی تب اس نے ایسا ہی فراک پہنا ہوا تھا ناں۔" اس نے ایک مشہور ٹی وی سیریل کا نام لیتے ہوئے فخر سے بتایا۔
"جی واقعی یہ بہت خوبصورت ڈریس ہے، شکریہ۔" زارا نے مسکراتے ہوئے اپنا گفٹ وصول کیا۔
"اور ثوبیہ یہ آپ کے لئے، یہ ڈریس بھی میں نے ایک ماڈل کو پہنے دیکھا تھا۔" اورنج اور گولڈن کنٹراس کی پٹیالا شلوار قمیض جس پر نفیس کڑھائی کی گئی تھی۔
"بہت اچھی چوائس ہے آپ کی۔" ثوبیہ نے بھی تعریفی اور شکریہ کے کلمات ادا کیے۔
"یہ تو ٹھیک کہا، تم نے ثوبیہ بیٹی، کنول کی چوائس تو لاجواب ہے اور دیکھو اس کا دل بھی کتنا بڑا ہے، جیسی شاپنگ اپنے لئے کی ویسی ہی اپنی بہنوں کے لئے، بہت کم لوگوں کا دل اتنا بڑا ہوتا ہے؟" نجمہ سلطانہ جب سے آئیں تھیں، وقتاً فوقتاً کنول کی تعریفیں کر رہی تھیں خصوصاً فواد کے سامنے مقصد فواد کو کنول کی جانب متوجہ کرنا مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ کنول کی گلابی چمکدار رنگت

کے سامنے ثوبیہ کی سنہرا رنگ ماند پڑ گیا تھا۔
اسٹیپ کٹنگ میں تراشیدہ خوبصورت سنہری بالوں نے سیاہ لمبے بالوں کو شکست دے دی تھی، سادہ سے حلیہ میں رہنے والی ثوبیہ کے کبھی کسی فنکشن میں بھی ایسے ملبوسات نہیں پہنے تھے جیسے کنول گھر میں پہنا کرتی تھی، وہ صرف خوبصورت تھی ہی نہیں بلکہ اسے خوبصورت لگنا بھی آتا تھا، بات کرنے کا انداز چال ڈھال میں جو نزاکت تھی اس پر کسی فلم، ڈرامہ یا ناول کی ہیروئن کا گمان ہوتا تھا، ایسے میں اگر فواد کی نظریں بار بار اس کا طواف کرنا چاہتیں تو، قصور کس کا تھا؟

☆☆☆

''اف کس قدر گرمی ہے، سردیوں کے دن ہی اچھے ہوتے ہیں۔'' سلطانہ نے پیشانی پر آئے پسینے کے قطروں کو نزاکت سے ٹشو میں جذب کیا۔

''سردیوں کے دن تو اچھے ہوتے ہیں، مگر یہ گھٹنوں کا درد بہت بڑھ جاتا ہے۔'' بی جی نے آہ بھری۔

''دو دن بعد رمضان آرہا ہے، جون کے لمبے دن گرم دن اور روضے ٹائم کیسے گزرے گا۔'' انہوں نے بی جی کے پاؤں سیدھے کیے اور آہستہ آہستہ دبانے لگیں۔

''شکر ہے اللہ کا، اس بار اتنی گرمی نہیں ہے ورنہ جون تو سخت گرمی کا مہینہ ہے۔'' بی جی بولیں۔

''شکر ہے مما، یہاں کیبل لگی ہوئی ہے، ورنہ میں تو بور ہی ہو جاتی۔'' زارا اور ثوبیہ کے ہمراہ کیرم کھیلتی کنول نے کہا۔

''سلطانہ تم بچیوں کو لے جا کر عید کی خریداری ہی کر آؤ، رمضان میں روزے کے ساتھ کہاں خوار ہو گے۔''

''نہیں بی جی، عید کی شاپنگ کا اصل مزہ تو چاندرات کو ہی ہوتا ہے۔'' کنول نے سٹریکر سے رانی کو نشانہ بنایا مگر رانی دو جگہ کیرم سے ٹکرانے کے بعد واپس اپنی جگہ پر پہنچ گئی، اس کی بات پر زارا اور ثوبیہ نے بی جی کے ساتھ بیٹھیں کر لیے چھپلتیں رفعت تائی کی جانب دیکھا۔

شاپنگ کے لئے فواد ہی لے کر جاتا تھا اور اسے چاندرات تو شاپنگ کرنا سخت ناپسند تھا، اس کے مطابق چاندرات کو ایک تو رش بہت ہوتا ہے اور دوسرا جو طوفان بدتمیزی اس رش کے درمیان اترتا ہے، وہ قطعی ناقابل برداشت ہے۔

''بیٹا چاندرات کو رش بہت ہوتا ہے، اگر آپ جانا ہی چاہتیں ہیں تو چوڑی مہندی کے لئے چلی جانا مگر باقی شاپنگ پہلے ہی کر لیں تو اچھا ہے۔'' رفعت تائی نے نرمی سے کہا، کنول مہمان تھی وہ اسے صاف منع بھی نہیں کر سکتیں تھیں۔

''جی ٹھیک ہے تائی جی، اگر آپ کہتیں ہیں تو کل ہی چلے جاتے ہیں شاپنگ کے لئے۔'' کنول کچھ سوچتے ہوئے فوراً مان گئی۔

''تم لوگوں نے کیا سوچا ہے، عید کا ڈریس کیسا لینا ہے۔'' اس نے زارا ثوبیہ سے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' ثوبیہ نے سادگی سے کہا۔

''کیا مطلب، عید کے لئے بھی کچھ خاص نہیں، کمال ہے، میں نے تو سوچ لیا ہے، کل کے ڈرامے میں پاروتی نے جو فیروزی ڈریس پہنا تھا، میں تو اس عید پر ویسا ڈریس ہی خریدوں گی، میری مانو تو آپ لوگ بھی کوئی میگزین یا ناول اٹھا لو، ہماری رائٹرز نے بھی تو اپنی کہانیوں میں اتنے اچھے اچھے ڈریس بتائے ہوتے ہیں۔'' اس کے مشورے پر زارا اور ثوبیہ ایک دوسرے کی جانب

دیکھ کر مسکرا دیں۔

اگلے دن وہ سب شاپنگ کے لئے گئے، سلطانہ چچی، نرمل، کومل، زارا، ثوبیہ سب نے ہی اپنی شاپنگ مکمل ہو گئی، مگر کنول کو کچھ پسند نہ آیا، فواد نے بھی اسے کئی ڈریس دیکھائے مگر وہ ایسے ہی لوٹ آئی، کہ عید کے نزدیک جب نیو ڈریس آئیں گے تب خرید لوں گی۔

☆☆☆

آج ہوا ساکت اور درختوں کے پتے جامد تھے، مغرب کے بعد سب گھر والے چھت پر جمع ہو گئے، بڑے سے پلنگوں پر بیٹھے تھے اور بچوں کی نظریں آسمان کی وسعتوں میں ہلال رمضان کو ڈھونڈ رہی تھیں، کچھ ہی دیر بعد سائرن ہونے لگے، مسجدوں سے چاند نظر آنے کا اعلان ہونے لگا، ہر طرف ایک خوشگوار مہک سی پھیل گئی، نرم ہوا کے جھونکے محو رقص ہوئے، درختوں کے پتے چھم چھم بجنے لگے، ماہ رمضان کی پرنور و بابرکت ساعتیں سب پر سایہ فگن ہوئیں، سب چاند دیکھنے کو بے قرار کھڑے ہو گئے۔

''وہ رہا چاند۔'' سب سے پہلے ثوبیہ کو چاند دکھائی دیا، اس نے ہاتھ بڑھا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے سب کو متوجہ کیا، سب نے چاند دیکھ کر دعا خیر کے لئے ہاتھ بلند کیے۔

''کہاں ہے، کہاں ہے چاند۔'' کنول کو ابھی تک چاند نظر نہیں آیا تھا۔

فواد اسے بازو سے پکڑ کر ثوبیہ کے برابر لے آیا اور چاند دیکھانے لگا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ثوبیہ نے ترچھی نظروں سے انہیں دیکھا، ماضی کے کتنے ہی منظر اس کی نظروں میں گھوم گئے، جب چاند نظر نہ آنے پر وہ اسے اور زارا کو اسی طرح چاند دیکھانے کی کوشش کرتا تھا، اس کی پلکوں پر دو ستارے خاموشی سے آ ٹھہرے۔

یادوں کی اوڑھنی جب بھی اوڑھتی ہوں میں
آنچل میں جھلملاتے ہیں ستارے تیرے نام کے

وہ نامحسوس طریقے سے وہاں سے کھسک کر رفعت تائی کے ساتھ نیچے آ گئی، جو سحری کا انتظام کرنے لگیں تھیں، سب گھر والے، بے حد ذوق و شوق سے ماہ رمضان کی رحمتیں سمیٹنے لگے، جون کے لمبے دنوں اور گرمی نے کنول اور نجمہ سلطانہ کا وہ حال کیا کہ چار روزوں کے بعد ہی انہوں نے معذرت کرتے ہوئے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

''اتنی سی گرمی تم سے برداشت نہیں ہو گی، میدان حشر کی جاں پگھلا دینے والی گرمی کیسے برداشت کرو گی۔'' بی جی نے سمجھایا، ثوبیہ کو حیرت ہوئی۔

''کیسے انسان ہیں ہم سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے صرف تیس دن اللہ پاک کی رضا کے حصول کے لئے نہیں گزار سکتے، مگر شاید یہ بھی اللہ کی خاص رحمت اور فضل ہوتا ہے جو ہر انسان پر نہیں برستا، صرف اللہ کے خاص بندے ہی اس نعمت سے مالا مال ہوتے ہیں۔''

☆☆☆

ظہر کی نماز کے بعد وہ برآمدے میں بیٹھی تلاوت کر رہی تھی جب زارا کچن سے نکلی۔

''ثوبیہ میں نے چائنیز رائس بنا لئے ہیں، تم پلیز بچوں کو بلا کر کھلا دینا۔'' وہ بار بار چہرے پر آیا پسینہ رومال میں جذب کر رہی تھی، اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلا دیا، کچھ دیر بعد تلاوت ختم کر کے وہ قرآن پاک جزدان میں لپیٹ کر اندر کمرے میں رکھ آئی، پھر بڑے بڑے قدم اٹھاتی حویلی کے گیٹ کی جانب بڑھنے لگی، گلی میں مریم راحیل کے ہمراہ دو تین اور بچے بھی کھیل رہے تھے، اس نے آوازیں دے کر انہیں بلایا اور اندر لے آئی۔

''پتا نہیں کیسی مائیں ہیں، اتنی دوپہر میں بچوں کو باہر نکالا ہوا ہے، پتا نہیں دوپہر میں کھانے کو بھی دیا ہے کچھ انہیں یا نہیں۔'' اس نے سوچا۔

''پہلے تم لوگ منہ ہاتھ دھولو، پھر میں تمہیں چائنیز رائس کھلاؤں گی۔'' بچے خوشی خوشی شور مچاتے ہاتھ منہ دھو دھو کر آنے لگے، کمرے میں لیٹی زارا کچھ دیر تو بچوں کی آوازیں سنتی رہی پھر اسے کچھ شک سا ہوا تو وہ تیر کی مانند باہر لپکی، ثوبیہ پلیٹیں بھر بھر کر بچوں کو چائنیز کھلانے میں مگن تھی۔

''ثو...... بیہ۔'' اس کے منہ سے روہانسی سی چیخ برآمد ہوئی۔

''کیا ہوا زارا؟'' وہ پریشانی سے اس کی جانب پلٹی۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم۔'' رفعت تائی، شاہین چچی، نجمہ سلطانہ، کنول، کومل، نرم سب ہی شور سن کر کمروں سے باہر نکل آئے۔

''کیا بات ہے زارا، کیوں شور کر رہی ہو۔'' رفعت تائی نے سختی سے پوچھا۔

''امی میں نے ثوبیہ کو کہا تھا، بچوں کو بلا کر کھانا کھلا دے۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''ہاں تو کھلا رہی ہوں ناں۔'' ثوبیہ پر حد درجہ معصومیت چھائی تھی۔

''میں نے گھر کے بچوں کا کہا تھا، کومل، نرمل، نہ کہ پورے گاؤں کے بچے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جھلستی گرم دوپہر میں روزے کی حالت میں اس نے اتنی محنت کی تھی، پوری بات سمجھنے کے بعد ہنسی فوارے کی مانند سب کے چہروں پر برسی تھی، آنسو برساتی زارا بھی ہنس دی۔

''سوری۔'' اس نے بڑھ کر زارا کو گلے لگایا۔

☆☆☆

کنول نے اپنے ہاتھ شیمپو اور ڈیٹول ملے پانی سے نکال کر پونچھے اور ساتھ ہی ایک نظر ٹی وی سکرین پر ڈالی، جہاں ریمپ پر تھرکتی ہوئی ماڈلز کسی مشہور ڈیزائنر کے ملبوسات کی نمائش کر رہی تھیں، وہ ہر ماڈل کے ڈریس کا گہری نظروں سے معائنہ کر رہی تھی، ہر ڈریس پر کوئی نہ کوئی ریمارکس پاس کرتے ہوئے اب وہ مہارت سے فائلر کے ساتھ ناخنوں کو شیپ دینے لگی۔

''یار تم لوگ بتاؤ کچھ؟'' اس نے نرمل، کومل کی پونیاں بناتیں زارا، ثوبیہ سے پوچھا۔

''ہم کیا بتائیں۔'' زارا نے پہلے کنول اور پھر ثوبیہ کی جانب دیکھا۔

''اتنے ڈرامے دیکھتی ہو، ناولز پڑھتی ہو، کوئی اچھا سا ڈیزائن یا کلر کمبینیشن ہی بتا دو۔'' موئسچرائزر لگانے کے بعد اس نے نیچرل نیل پالش کی شیشی اٹھالی۔

''کنول ایک بات کہوں تم سے۔'' ثوبیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی۔'' ناخنوں پر برش پھیرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اپنی زندگی کو ڈرامے، فلموں یا ناولوں کے مطابق مت گزارو کیونکہ یہ رائٹرز نے لکھے ہیں اور تمہاری زندگی اللہ پاک نے، اس لئے اسے قرآن وسنت اور احادیث کے مطابق گزارو۔'' اس کی بات پر کنول تو ''ہوں'' کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی، مگر کمرے میں داخل ہوتا فواد وہیں ساکت رہ گیا۔

انہوں نے نرمل، کومل کو پونیاں بنا کر چھوڑا تو وہ دونوں خوشی سے باہر بھاگ گئیں۔

''بھیا! کوئی کام تھا کیا؟'' سب سے پہلے

زارا کی نظر اس پر پڑی۔
''ہاں...... نہیں...... وہ میں کنول کو کہنے آیا تھا، میں شہر جا رہا ہوں، اگر شاپنگ کا ارادہ ہے تو چلو۔'' آخری بات اس نے کنول کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
''جی...... ابھی آئی۔'' کنول فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، ویسے بھی اس کا مینی کیور، پیڈی کیور مکمل ہو چکا تھا، دیوار میں نصب آئینہ میں اس نے اپنا جائزہ لیا۔
لپ اسٹک ڈارک کی، بالوں پر ہیئر برش پھیرا، سن گلاسز لگائے اور شیشے کے ساتھ رکھے فواد کے سن گلاسز اور کیپ اٹھا کر باہر نکل گئی، صحن میں نجمہ سلطانہ چچی فواد کے ساتھ کھڑی تھیں۔
''تم بھی سیکھو تو، کچھ اس سے۔'' زارا کی نظروں نے باہر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔
''یہ نجمہ چچی اور کنول کچھ زیادہ ہی بھیا پر مہربان نہیں ہو رہیں۔'' وہ دروازے کے پار باہر کا منظر دیکھ رہی تھی، کنول نے پہلے کیپ فواد کے سر پر رکھی تھی پھر سن گلاسز بھی خود ہی لگائے تھے اور نجمہ چچی نہایت شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا شانہ تھپک رہی تھیں، ثوبیہ نے ایک نظر اس منظر پر ڈالی پھر خاموشی سے تکیہ درست کر کے لیٹ گئی، اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک دعا نکلی اور نیلے آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرتی چلی گئی، اس نے رب سے اپنے حق میں بہتر فیصلہ کرنے اور سکون قلب مانگا تھا، بے شک سب کچھ رب ہی کرنے والا تھا۔

☆☆☆

روزے کی حالت میں کنول کی شاپنگ اسے حد درجہ بیزار کر رہی تھی، ایک تو وہ لیڈیز شاپنگ سے الرجک تھا، دوسرے کنول ایک دکان میں گھستی اور اپنے پسند کے ملبوسات ڈھونڈنے میں سیلز گرل یا بوائے کو عاجز کر ڈالتی، پھر کچھ بھی خریدے بغیر نکل آتی، بڑی دقتوں کے بعد اسے ایک شیفون کا ڈریس پسند آیا، پھر میچنگ جیولری اور جوتے کے لئے خواری اٹھانی پڑی، شاپنگ مکمل ہوئی تو اس نے بھوک کا شور مچا ڈالا۔
ناچار فواد اسے ایک رستوران میں لے گیا، جہاں اس نے فواد کے روزے کی پروا کئے بغیر مزے سے چکن پیزا کھایا، واپسی پر فواد بے حد تھک چکا تھا، جاتے ہی بستر پر گرا اور آنکھیں موند کر لیٹ گیا، جبکہ کنول سب کو اپنی شاپنگ دکھانے لگی، زارا اور ثوبیہ کھلے دل سے اس کی شاپنگ کی تعریف کی، نجمہ چچی بار بار کنول کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں، مگر آج فواد کے ذہن میں صرف ثوبیہ کے الفاظ گھوم رہے تھے۔
''تمہاری زندگی اللہ نے لکھی ہے۔'' اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر کبھی نیلی جینز پر گلابی شرٹ پہنے کنول کا گلابی چہرہ ابھرتا تو کبھی ثوبیہ کا عکس چھا جاتا، وہ عجیب کش مکش میں مبتلا ہو گیا تھا، پھر اچانک ایک بات اتنی شدت سے ابھر کر اس کے سامنے آئی کہ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔
''جو لڑکی تمہارے ذرا سے التفات پر لٹو ہو سکتی ہے، وہ کسی اور پر۔'' اس سے آگے وہ سوچ نہ سکا، تیزی سے اٹھا اور وضو کرنے چل دیا، کنول اپنی شاپنگ سمیٹ رہی تھی، ثوبیہ دستر خوان لگاتے ہوئے سب کو بلا رہی تھی، افطار کا ٹائم ہوا چاہتا تھا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا تیسرا عشرہ شروع ہوا ریحان خان اعتکاف کی نیت سے گاؤں کی اکلوتی مسجد میں جا بیٹھے، حویلی میں زارا اور ثوبیہ دیگر

عبادات کے ہمراہ اب طاق راتوں کا بھی اہتمام کرنے لگیں، جو کہ ان کی اپنی خواہش بھی تھی اور بی جی کا حکم بھی کہ رمضان کے پورے مہینے کی عبادت سونا ہوتی ہے اور طاق راتوں کا قیام اسے سونا بنا دیتا ہے، فواد بھی طاق راتیں مسجد میں عبادت کرتے گزارتا تھا، نجمہ سلطانہ اور کنول کے روزے چار سے چھ تک ہی پہنچ پائے۔

آج صبح سے ہی بادل ڈٹے کھڑے تھے، سورج کی تپش سے سلگتی زمین بڑی حسرت سے ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر گھومتے بادلوں کو تک رہی تھی، کب ابر رحمت برس کر اسے سیراب کرتا ہے۔

''کتنے دنوں بعد ایسی عید آئی ہے، جب اس حویلی کے سب مکین اکٹھے ہوئے تھے، اگر آج تمہارے والد حیات ہوتے تو۔'' بی جی کی خوشی سے لبریز آواز آنسوؤں سے بھیگ گئی، اس وقت کمرے میں فرقان خان اور ریحان خان کرسیوں پر بیٹھے تھے، نجمہ سلطانہ اور رفعت، بی جی کے دائیں بائیں بیٹھیں تھیں۔

''بی جی۔'' فرقان اٹھ کر ان کے قدموں میں آ بیٹھے، ایک ہاتھ ان کے گھٹنے پر رکھا اور گلو گیر آواز میں بولے۔

''جب سے آیا ہوں ابو جی کی خوشبو گھیرے ہوئے ہے، آنکھوں کے سامنے بار بار ان کے ہمراہ گزریں تمام عیدیں گھوم رہی ہیں۔''

''میرے بچے۔'' بی جی نے جذباتی ہو کر ان کی کمر پر ہاتھ رکھا اور انہیں اٹھا کر اپنے قریب بیٹھا لیا، نجمہ سلطانہ اٹھ کر کرسی پر جا بیٹھیں۔

''بی جی، میں نے سوچا ہے اب میں ہر عید یہیں کروں گا آپ کے ساتھ، اسی حویلی میں، ہر عید پر آیا کروں گا۔''

''جم جم آؤ میرے بچے۔'' انہوں نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں۔

''میں اس حویلی سے اپنا رشتہ مزید مضبوط کرنا چاہتا ہوں، بی جی۔'' اب کی بار نا صرف بی جی بلکہ شبیر خان اور رفعت بھی چونکے، نجمہ سلطانہ کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ پھیلی۔

''تم اس حویلی کے بیٹے ہو، خون کا رشتہ ہے تمہارا اور خون کا رشتہ ہمیشہ مضبوط ہی ہوا کرتا ہے۔'' شبیر خان بولے۔

''جی بھیا جی، مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر فواد اور کنول کو ایک رشتہ میں باندھ دیا جائے تو۔''

''فرقان خان۔'' بی جی کے بے لچک آواز انہیں خاموش کروا گئی۔

''کیا تم اپنے والد کا فیصلہ نہیں جانتے، کیا تمہیں ان کی خواہش نہیں یاد۔''

''ان کی خواہش سر آنکھوں پر، مگر ہمیں اپنے بچوں کی خواہش بھی تو دیکھنی چاہیے۔''

''ہم اپنے بچوں کی خواہش بخوبی جانتے ہیں۔''

''مگر بی جی، کنول اور فواد۔''

''شبیر خان، اس عید پر فرقان ہمارے ساتھ ہے، پھر معلوم نہیں ایسا موقع کب آئے، عید کے دن، فواد اور ثوبیہ کے نکاح کا انتظام کرو۔'' بی جی نے فرقان کی بات کاٹتے ہوئے دو ٹوک انداز میں حکم دیا، نجمہ سلطانہ اور فرقان خاموشی سے اٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

''بی جی اگر فواد واقعی کنول کو پسند کرتا ہوا تو۔'' شبیر خان اٹھ کر ان کے قریب آئے۔

''ہم حویلی کا ایک اور بیٹا نہیں کھو سکتے۔'' ان کی ایک ہی بات شبیر خان کو بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"میں ذرا فرقان کو دیکھ لوں، کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو۔" وہ بی جی کے کمرے سے نکلے اور فرقان کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا، بی جی نہیں مانیں گیں، مگر آپ نے ہی میری بات نہیں مانی۔" وہ بیڈ پر بیٹھیں تھیں اور فرقان کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

"آپ کی وجہ سے مہینے بھر سے یہاں حویلی میں پڑے سڑ رہے ہیں اور حاصل کیا ہوا، بچے الگ پریشان ہیں۔"

"تم چپ کرو تو میں کچھ سوچوں گا ناں۔" وہ جھنجھلائے۔

"اب مزید کیا سوچنا رہ گیا ہے، نکاح کا آرڈر تو جاری کر دیا ہے انہوں نے، اب مزید کیا بے عزتی کروانی رہ گئی ہے۔" وہ تنک کر بولیں۔

"بے عزتی تو ہو گئی ان کی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"اگر فواد ہی انکار کر دے تو۔" وہ کمرے کے وسط میں ٹھہر گئے۔

"فواد اور انکار۔" نجمہ کی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ فواد کی کنول میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔"

"ہاں...... ہاں...... بالکل اس کی ہر بات مانتا ہے، ابھی کچھ دن پہلے ہی تو میرے ایک بار کے کہنے پر اسے اپنے ہمراہ شاپنگ پر لے گیا تھا اور شاپنگ بھی بہت اچھی کروائی، کنول بتا رہی تھی کہ تمام مارکیٹ میں اس کے پیچھے پیچھے پھرتا رہا۔"

"بس پھر کنول سے کہو فواد پر زور ڈالے، وہ کسی بھی طرح بی جی کو منع کر دے۔"

"کیا فواد ایسا کر پائے گا۔"

"اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا، کنول سے کہو اسے ہر حال میں تیار کرے، ورنہ ایک ماہ بعد بینک تمام پراپرٹی ضبط کر لے گا اور ہمارے پاس کچھ باقی نہیں بچے گا، ہم ڈوب جائیں گے اور اگر ڈوبنے سے بچنا ہے تو ہمیں بھائی جان کی دولت کا سہارا لینا پڑے گا۔" دروازے پر دستک دیتے ہوئے شبیر خان نے اپنا ہاتھ غصے سے واپس موڑا۔

"ریحان بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا، یہ شخص یہاں بلا مقصد نہیں آیا تھا، پتا نہیں کس طرح کے والدین ہیں یہ۔" وہ تاسف سے لکڑی کے دروازے کو دیکھتے واپس پلٹے۔

"شبیر خان کیا فرق رہ جائے گا اس طرح تم میں اور ان میں، یہ سچ ہے کہ وہ برا کر رہے ہیں، مگر ان کی برائی کو سب کے سامنے لا کر تم بھی تو برا ہی کرو گے، ان کے ساتھ، جس بات کو خدا ڈھانپ رہا ہے، تمہیں کیا ضرورت ہے اس پر پردہ اٹھانے کی، کیا تم بڑے بھائی کا فرض نہیں نبھاؤ گے۔" اگلے ہی لمحے وہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہو گئے۔

"فرقان اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت تھی، تو تم ایک بار اپنے بڑے بھائی سے کہہ کر تو دیکھتے۔"

"بھیا آپ۔" دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"مجھے معاف کرنا کہ میں نے تم دونوں کی باتیں سن لیں۔" انہوں نے معذرت خواں نظروں سے انہیں دیکھا، دونوں سر جھکائے شرمندہ کھڑے تھے، یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ اگر ان کی پلاننگ کھل گئی تو کیا ہو گا۔

"میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے، بے شک تم ہمیں چھوڑ گئے تھے، مگر ہم نے تمہیں کبھی نہیں چھوڑا، تمہیں کبھی غیر

نہیں سمجھا، میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا، مگر یہ سب ہوا کیسے؟''

''بس بھیا، یوں سمجھ لیں، وقت برا آ گیا تھا، ایک نیو پراڈکٹ لانچ کی تھی، مگر کامیاب نہ ہو سکی اور سب کچھ داؤ پر لگ گیا۔''

''ہر کام میں اللہ پاک کی بہتری ہوتی ہے، میں خوش ہوں کہ اس طرح ہمیں ہمارا بھائی واپس مل گیا، تم کل ہی فواد کے ساتھ جا کر بینک والوں سے بات کر آنا۔'' انہوں نے قریب آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بھیا جی۔'' فرقان ان کے گلے لگ گئے، نجمہ سلطانہ کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

بالآخر دو دن سے گھر گھر کر آتے بادل برس ہی پڑے، فواد مغرب کی نماز ادا کر کے لوٹا تو بارش ہلکی پھوار کی مانند برسنا شروع ہو گئی، وہ بی جی کے کمرے میں آ گیا، ثوبیہ بی جی کی گود میں سر رکھے ساتھ رکھی طشتری سے پکوڑے اٹھا اٹھا کر کھا رہی تھی، اسے دیکھ کر اٹھی اور کمرے سے چلی گئی، اب وہ اس کی جگہ بی جی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، بی جی دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتیں اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگیں، طشتری سے پکوڑا اٹھا کر کترتا ہوا وہ پریشانی سے انہیں دیکھتا، کبھی جھنجھلاتا تو کبھی مسکرا دیتا، ایسی ہی سرگوشیاں کچھ دیر پہلے انہوں نے ثوبیہ سے بھی کی تھیں اور وہ ان دونوں کے جواب سے مطمئن ہو گئیں تھیں، فواد اٹھا اور پرسکون سا اپنے کمرے کی جانب جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا، مگر آخری سیڑھی پر ہی چوڑیوں کی کھنک سن کر ٹھٹکا، چھت پر بارش کی پھوار میں بھیگتے اس وجود کو وہ اندھیرے میں بھی پہچان گیا، وہ کنول تھی۔

''تم یہاں اس وقت۔'' وہ دو قدم آگے بڑھا۔

''ہاں دیکھو ناں فواد کتنی اچھی بارش ہو رہی ہے کتنے دنوں بعد ہوئی ہے ناں ایسی بارش۔'' وہ بولتی ہوئی آہستہ آہستہ اس کے قریب آ گئی، ساتھ والی چھت پر روشن بلب کی روشنی نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔

''تم نیچے جاؤ کنول، بارش مزید تیزی اختیار کرنے والی ہے۔'' اس کے بھیگے سراپے سے نظریں چراتے ہوئے اس نے بارش کی لحظہ لحظہ تیزی سے گرتی بوندوں کو دیکھا۔

''میں کب سے یہاں تمہارا انتظار کر رہی تھی اور تم مجھے جانے کا بول رہے ہو۔'' وہ روٹھے ہوئے انداز میں اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ ایک دم رخ موڑ گیا۔

''کیا ٹھیک نہیں، تم ڈرامے نہیں دیکھتے کیا، کل کی قسط میں ہی تو، لیلیٰ اور حارث سڑکوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھوم رہے تھے، آج میں بھی اس بارش میں تمہارے سنگ بھیگنا چاہتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی جانب کھینچا، فواد کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسا بھی کر سکتی ہے، اس نے بامشکل خود کو سنبھالا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ کنول کے نازک بھیگے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔

''اپنی زندگی کو فلم، ڈرامے یا ناولز کے مطابق مت گزارو کیونکہ وہ سب رائٹرز نے لکھے ہیں اور تمہاری زندگی اللہ نے لکھی ہے، اس لئے اسے ہمیشہ قرآن سنت اور احادیث کے مطابق گزارنے کی کوشش کرو۔'' کنول گال پر ہاتھ رکھے یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، فواد کے منہ

سے نکلنے والے ثوبیہ کے لفظوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا، اس کے سامنے اپنا عکس اپنا چہرہ بہت واضح تھا۔

''نواد میں تمہارے ساتھ اپنی زندگی......''

بامشکل اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

''مرد کی ذات سمندر کی تہہ میں پڑے سیپ کی سی ہوتی ہے اور عورت کو اس میں اترنے کے لئے موتی بننا پڑتا ہے، خوبصورت پتھر تو صرف سمندر کے کناروں پر ہی سجتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ پلٹا اور سیڑھیاں اتر گیا۔

''یہ کیا کہہ گیا تھا وہ۔'' بارش میں بھیگتی کنول نجانے کتنی ہی دیر تک اس کی بات پر غور کرتی رہ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن بھی بادل چھائے رہے اور گھرے بادلوں کی اوٹ سے چاند نظر آنا ناممکن لگا تو سب گھر والے چھت سے نیچے اتر آئے اور سحری کا انتظام کرنے لگے اور پھر اچانک رات دس بجے کے بعد ٹی وی پر عید کا چاند نظر آنے کا بتایا گیا، مسجدوں میں اعلان ہونے لگے، سائرن پر سائرن بجنے لگے، بچے بڑے سب ہی حیران کن مسرت کے گھیرے میں آ گئے۔

جہاں رحمت و برکات سے پرنور مہینے کے الوداع ہونے پر دل اداس تھا، وہیں عید کی خوشی سے سب کے چہرے چمکنے لگے تھے، نواد، فرقان اور شبیر خان، ریحان خان کو اعتکاف سے اٹھانے دوڑے، حویلی میں انہیں خوش آمدید کہنے کی تیاریاں ہونے لگیں، زارا، ثوبیہ نے نوٹ کیا کہ اتنے دنوں میں پہلی بار کنول نے قمیض شلوار پہنی تھی ورنہ جب سے آئی تھی اسے جینز، ٹاپس یا کیپری کے ساتھ شارٹ یا لونگ شرٹ ہی پہنے دیکھ رہے تھے، وہ بے حد خاموش اور اداس سی بھی

تھی اور اس کی یہ اداسی ثوبیہ کو دکھ دے رہی تھی، وہ خود کو اس کا ذمہ دار گردان رہی تھی، ریحان خان آئے تو وہ کتنی ہی دیر ان کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔

''میری پگلی بیٹی۔'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پر چپت رسید کی۔

گاؤں کے سب لوگ ان سے ملنے اور انہیں مبارکباد دینے آنے لگے، بی جی نے چپکے سے نواد اور ثوبیہ کے نکاح کا بتایا تو وہ۔

''جو حکم بی جی۔'' کہہ کر ان کے پاؤں دبانے لگے، بیٹوں کی اتنی فرمانبرداری پر بی جی کے نحیف وجود میں جان پڑ گئی تھی، بی جی نے سب کو ان کے لئے خریدے گئے گفٹس دیئے، ثوبیہ سب کے کپڑے استری کرنے لگی اور زارا سب کو مہندی لگانے لگی، ہنستے ہنساتے باتیں کرتے رات کے تین بج گئے تو سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے، زارا بھی اسے مہندی لگانے کے بعد بے سدھ ہو کر سو گئی اور وہ دونوں ہاتھوں میں لگی مہندی کے ڈیزائن کی لکیروں میں کنول کی اداسی کی وجہ تلاشتی رہی، کل بی جی کے چہرے پر اتنی امید تھی کہ وہ انہیں انکار نہ کر سکی اور فیصلہ اللہ کے سپرد کر دیا، فجر کی نماز کے بعد اس نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے برآمدے میں چلی آئی، اتنی بے چینی اور اضطراب تھا کہ کسی پل چین نہیں مل رہا تھا، وہ کتنی بھی لاپرواہ سہی مگر بے حد اداس تھی اور اب تو پھر معاملہ بہنوں جیسی کزن کا تھا، وہ کسی کی بھی اداسی کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی، جبھی نواد مسجد جا رہا تھا، واپسی تک اسے پندرہ بیس منٹ ضرور لگ جانے تھے، وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی آئی، بارش سے ہر چیز دھل کر نکھر گئی تھی، صبح کی پرکیف ٹھنڈی ہوا نے ہر چیز کو اپنے حصار میں

لے رکھا تھا اور درختوں پر بیٹھیں چڑیا تسبیح خدا میں مصروف تھیں، گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے اپنے سرد تازہ ہوا کو اپنے اندر اتارا تو رات بھر کی جاگتی آنکھوں اور بوجھل دماغ کو سکون ملا، نیم تاریکی میں آسمان بالکل شفاف دیکھائی دے رہا تھا، وہ مشرقی افق سے ابھرتی سرخی کو دیکھتی ایسی کھوئی کہ ٹائم گزرنے کا اندازہ ہی نہ ہوا۔

فلک پر نظر آتا ہے بڑی دیر کے بعد
عید کے چاند نے انداز تمہارے سیکھے

آواز پر وہ تیزی سے پلٹی فواد اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا، اس نے تیزی سے دائیں جانب سے نکلنا چاہا مگر وہ سامنے آ گیا، اس نے بائیں جانب سے کوشش کی مگر وہ وہاں گھوم گیا۔

''میری بات سنو۔''

''مجھے نیچے جانا ہے۔'' وہ گھبرا گئی۔

''چلی جانا پہلے میری بات سن لو۔'' وہ اس کی کلائی تھام کر اسے ایک جانب لے آیا۔

''اپنی بات سنانے کا یہ کوئی اچھا انداز نہیں۔'' اس نے کلائی چھڑوائی۔

''اچھا پھر تم کوئی طریقہ بتا دو۔'' وہ اسے وارفتگی سے دیکھنے لگا، اس کی نظروں سے گھبرا کر اس نے رخ موڑ لیا اور دونوں ہاتھوں سے دیوار کی منڈیر تھام لی۔

''جلدی کیجئے مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''کتنا عرصہ ہوا اس نے اوپر آنا چھوڑا تھا، بی جی نے ٹھیک کہا تھا، وہ موتی تھی۔'' وہ اس کے برابر آ کھڑا ہوا اور اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھ کر سوچنے لگا، ساتھ ہی جیب سے ایک سرخ کلی نکال کر اس کی جانب بڑھائی۔

''عید مبارک۔''

''اگر آپ یہ کنول کو دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔'' اس نے ایک ترچھی نظر کلی پر ڈالی۔

''کنول کو دوں، مگر کیوں اوہ جیلسی۔'' وہ ہنسا۔

''ایک بہن دوسری بہن سے کبھی جیلس نہیں ہو سکتی۔''

''پھر اس کی وجہ؟''

''مجھ سے اس کی اداسی دیکھی نہیں جاتی۔''

''اس کی اداسی کی وجہ تم نہیں ہو۔'' وہ اس کی بات سمجھ گیا، اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟''

''پھر وہ سب؟''

''مہمان ہے وہ، اور مہمان کا اتنا تو حق بنتا ہی ہے۔''

''اسے لے لو۔'' اس کی خاموشی پر اس نے کلی پھر اس کی جانب بڑھائی، ناچار اس نے تھام لی۔

''شاید تمہیں یقین نہیں آ رہا، میں نے نوٹ کیا ہے جب سے میرا نام تمہارے نام کے ساتھ جڑا ہے، تم مجھ سے کترانے لگی ہو، میں کمرے میں آتا ہوں، تم باہر چلی جاتی ہو، میں باہر جاتا ہوں تم اندر بھاگ جاتی ہو، میرا ساتھ تمہیں شاید کوفت زدہ کر دیتا ہے، تمہیں واقعی میری پروا نہیں، کتنی بار میں نے تمہیں بلایا، بات کرنے کے لئے اشارہ کیا، مگر تم سمجھتی ہی نہیں اور اگر سمجھ جاؤ، تو انجان بن جاتی ہو، آخر کیوں؟'' اس کی بات پر وہ سر جھکائے لب کترتی رہی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے، تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟''

''جب کسی لڑکی کا نام کسی شخص کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، تو وہ صرف نام کا رشتہ ہی نہیں بن جاتا بلکہ ایک خواب ہوتا ہے جو اس کی

آنکھوں میں اتار دیا جاتا ہے، ایک خواہش ہوتی ہے جو اس کے دل میں سما دی جاتی ہے، پھر اس کی پلکوں پر اسی شخص کے نام کے ستارے سجنے لگتے ہیں، پھر وہ لڑکی چاہے بھی تو خود کو اس ایک نام کے حوالے سے دھڑکنے سے نہیں روک سکتی، یہ ایک عام سی بات ہے اور میں ایک عام سی لڑکی ہی تو ہوں۔" وہ دیوار کے پار لگے بیری کے درخت کو دیکھتے ہوئے سانس لینے کو روکی پھر بولی۔

"آپ جانتے ہو، کوئی وہ چیز ہمیں کب نقصان پہنچاتی ہے؟" اس کے سوال پر فواد کا سر نفی میں ہل گیا۔

"جب وہ اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے۔" وہ بولی تو فواد کے سامنے کنول کا بھیگا سراپا یاد آیا۔

"اور محبت، محبت کا حق تو صرف رب پاک کا ہی ہے، پتا ہے، جب کوئی رب سے محبت کرتا ہے تو اس کی تخلیق کی ہر چیز سے محبت کرتا ہے، وہ کبھی انسانوں سے کوفت زدہ نہیں ہوتا۔" اتنا کہہ کر وہ سیڑھیوں کی جانب مڑ گئی۔

"اتنی بیوقوف نہیں، جتنا میں اسے سمجھتا تھا۔" اسے اپنے تمام سوالوں کے جواب اور تمام الجھنوں کے حل مل گئے تھے، وہ دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھ کر جھکا جہاں ابھی توبیہ کے ہاتھ دھرے تھے اور چونکا، منڈیر پر سرخ کلی رکھی تھی۔

"یہ پھر بھول گئی، پتا نہیں یہ ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہے۔"

"میں خود کہاں کرتی ہوں، بس ہو جاتی ہیں۔" وہ تیزی سے ایڑھی کے بل گھوما۔

توبیہ دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتر گئی، عید کا خوبصورت روشن سورج اپنی پوری تابنا کی کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مرد عید کی نماز ادا کرنے گئے تو سب خواتین اور بچے بھی تیار ہونے لگے، کچن کا چارج آج نجمہ سلطانہ نے سنبھالا ہوا تھا، حویلی میں چوڑی کی کھنک کے ساتھ مہندی کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی، کنول سفید سوٹ میں سلیقہ سے دوپٹہ اوڑھے گھوم رہی تھی، بی جی کو آج وہ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ بار بار بلائیں اتارتے ہوئے پیار کر رہی تھیں، اس نے مسکراتے ہوئے توبیہ کو گلے لگا کر عید اور نکاح کی مبارکباد دی تو اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔

"بیٹا! آپ نے اتنے شوق سے عید کا سوٹ خریدا تھا، وہ کیوں نہیں پہنا۔" رفعت تائی نے کنول کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"عید تو روزے داروں کے لئے اللہ کی جانب سے تحفہ ہوتی ہے اور جو لوگ روزے نہ رکھ سکیں انہیں عید بھی منانے کا کوئی حق نہیں۔"

"ایسے نہیں سوچتے بیٹا، اللہ پاک جب بارش برساتا ہے تو وہ عبادت گزار اور گناہ گار سب کے لئے یکساں ہوتی ہے، عید تو مسلمانوں کا مذہبی تہوار ہے، یہ دن تو سب کے لئے باعث خوشی ہے، بچوں کو دیکھوں ان پر تو روزے فرض بھی نہیں، پھر بھی سب سے زیادہ عید یہی مناتے ہیں۔" انہوں نے عیدی اپنے ننھے پرسوں میں عیدی گن گن کر رکھتی نرمل اور کومل کی جانب دیکھا، کچھ ہی دیر پہلے مرد نماز ادا کر کے آئے تھے تو بی جی نے سب کو عیدی دی تھی۔

"مگر تائی جو خوشی عبادت گزار کو ہوتی ہے، وہ عام آدمی کو نہیں۔"

"یہ تو سمجھنے کی بات ہے بیٹا اور اگر آپ کو اس بات کا احساس ہے تو وعدہ کریں اگلے سال آپ پورے روزے رکھیں گیں۔"

آنکھوں میں اتار دیا جاتا ہے، ایک خواہش ہوتی ہے جو اس کے دل میں سما دی جاتی ہے، پھر اس کی پلکوں پر اسی شخص کے نام کے ستارے سجنے لگتے ہیں، پھر وہ لڑکی چاہے بھی تو خود کو اس ایک نام کے حوالے سے دھڑکنے سے نہیں روک سکتی، یہ ایک عام سی بات ہے اور میں ایک عام سی لڑکی ہی تو ہوں۔'' وہ دیوار کے پار لگے بیری کے درخت کو دیکھتے ہوئے سانس لینے کو رکی پھر بولی۔

''آپ جانتے ہو، کوئی وہ چیز ہمیں کب نقصان پہنچاتی ہے؟'' اس کے سوال پر فواد کا سر نفی میں ہل گیا۔

''جب وہ اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے۔'' وہ بولی تو فواد کے سامنے کنول کا بھیگا سراپا یاد آیا۔

''اور محبت، محبت کا حق تو صرف رب پاک کا ہی ہے، پتا ہے، جب کوئی رب سے محبت کرتا ہے تو اس کی تخلیق کی ہر چیز سے محبت کرتا ہے، وہ کبھی انسانوں سے کوفت زدہ نہیں ہوتا۔'' اتنا کہہ کر وہ سیڑھیوں کی جانب مڑ گئی۔

''اتنی بیوقوف نہیں، جتنا میں اسے سمجھتا تھا۔'' اسے اپنے تمام سوالوں کے جواب اور تمام الجھنوں کے حل مل گئے تھے، وہ دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھ کر جھکا جہاں ابھی ثوبیہ کے ہاتھ دھرے تھے اور چونکا، منڈیر پر سرخ کلی رکھی تھی۔

''یہ پھر بھول گئی، پتا نہیں یہ ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہے۔''

''میں خود کہاں کرتی ہوں، بس ہو جاتی ہیں۔'' وہ تیزی سے ایڑھی کے بل گھوما۔

ثوبیہ دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتر گئی، عید کا خوبصورت روشن سورج اپنی پوری تابنا کی کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مرد عید کی نماز ادا کرنے گئے تو سب خواتین اور بچے بھی تیار ہونے لگے، کچن کا چارج آج نجمہ سلطانہ نے سنبھالا ہوا تھا، حویلی میں چوڑی کی کھنک کے ساتھ مہندی کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی، کنول سفید سوٹ میں سلیقہ سے دوپٹہ اوڑھے گھوم رہی تھی، بی جی کو آج وہ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ بار بار بلائیں اتارتے ہوئے پیار کر رہی تھیں، اس نے مسکراتے ہوئے ثوبیہ کو گلے لگا کر عید اور نکاح کی مبارکباد دی تو اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔

''بیٹا! آپ نے اتنے شوق سے عید کا سوٹ خریدا تھا، وہ کیوں نہیں پہنا۔'' رفعت تائی نے کنول کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''عید تو روزے داروں کے لئے اللہ کی جانب سے تحفہ ہوتی ہے اور جو لوگ روزے نہ رکھ سکیں انہیں عید بھی منانے کا کوئی حق نہیں۔''

''ایسے نہیں سوچتے بیٹا، اللہ پاک جب بارش برساتا ہے تو وہ عبادت گزار اور گناہ گار سب کے لئے یکساں ہوتی ہے، عید تو مسلمانوں کا مذہبی تہوار ہے، یہ دن تو سب کے لئے باعث خوشی ہے، بچوں کو دیکھوں ان پر تو روزے فرض بھی نہیں، پھر بھی سب سے زیادہ عید یہی مناتے ہیں۔'' انہوں نے عیدی اپنے ننھے ننھے پرسوں میں عیدی گن گن کر رکھتی نزل اور کول کی جانب دیکھا، کچھ ہی دیر پہلے مرد نماز ادا کر کے آئے تھے تو بی جی نے سب کو عیدی دی تھی۔

''مگر تائی جو خوشی عبادت گزار کو ہوتی ہے، وہ عام آدمی کو نہیں۔''

''یہ تو سمجھنے کی بات ہے بیٹا اور اگر آپ کو اس بات کا احساس ہے تو وعدہ کریں اگلے سال آپ پورے روزے رکھیں گیں۔''

"جی تائی۔" اس نے مسکراتے ہوئے وعدہ کیا۔

فواد کی نظر صبح سے جتنی بار بھی ثوبیہ سے ملتی وہ اشاروں میں ہر بار عید مبارک کہہ کر چھیڑتا، وہ دھیرے سے مسکرا کر سر جھکا جاتی، اب بھی وہ اسے عید مبارک کا اشارہ کرتا کنول کے قریب آ کھڑا ہوا جو کانچ کے نازک سفید گلدان میں پیلے پھول لگانے کے لئے پھولوں کی ڈنڈیاں اکٹھی کر رہی تھی۔

"اس رات کے لئے سوری۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ آہستہ سے بولی تو وہ مطمئن سا عید مبارک کہہ کر چلا گیا۔

اگر وہ تھپڑ نہ پڑا ہوتا تو شاید کبھی زندگی کی سمجھ نہ آتی، وہ جان گئی تھی، عورت کی اصل خوبصورتی اس کی حیا میں ہے اور اگر عورت خود کو سنبھال کر رکھے تو موتی ورنہ پتھر، پھول گلدان میں سجا کر وہ زارا کے قریب آ بیٹھی، زارا کے ساتھ فواد اور پھر رفعت تائی بیٹھیں تھیں، اس نے بی جی اور شاہین چچی کے درمیان سر جھکائے بیٹھی ثوبیہ کو دیکھا، جس نے لیمن سوٹ پر سرخ لمبے لمبے گوٹے والا دوپٹہ لے رکھا تھا جو رفعت تائی کی شادی کا تھا، اس کے چہرے پر اطمینان پھیلا تھا کہ جو لوگ اپنے فیصلے اللہ پاک اور پھر اپنے بڑوں پر چھوڑ دیتے ہیں، وہ زندگی میں ہمیشہ پرسکون ہی رہتے ہیں، کچھ دیر بعد مولوی صاحب آ گئے اور نکاح کی رسم ادا کی جانے لگی۔

"ثوبیہ بنت ریحان خان حق مہر دس لاکھ قبول ہے۔" انہوں نے تین بار فواد سے پوچھا۔

"قبول ہے۔" اس نے تینوں بار رضا مندی دے دی تو وہ ثوبیہ کی جانب مڑ گئے۔

"فواد خان ولد شبیر خان حق مہر دس لاکھ قبول ہے۔" ثوبیہ خاموش رہی، مولوی صاحب نے پھر پوچھا، اس بار بھی وہ خاموش و بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

"چیک کرو آج یہ کہیں بولنا ہی تو نہیں بھول گئی۔" فواد نے پریشانی سے زارا کے کان میں سرگوشی کی، جو سب تک پہنچی، مگر سب مولوی صاحب کا خیال کر کے بامشکل اپنی ہنسی ضبط کر گئے۔

مولوی صاحب نے تیسری بار اپنے الفاظ دہرائے تو بی جی اور شاہین چچی نے پریشانی سے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کان میں سرگوشی کی، تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور گھبراتے شرماتے مسکراتے ہوئے بولی۔

"قبول ہے۔" پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا، مولوی صاحب بھی مسکرا دیئے، انہوں نے اب تک جتنے بھی نکاح پڑھوائے تھے ان میں سے یہ واحد دلہن تھی جو اپنے نکاح کے وقت سوئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

ھالار کیفیت کی شدت سے گھبرا کر گھر لوٹ آتا ہے تو عمارہ کے ساتھ امرت اور لاھوت کو دیکھ کر کچھ حیران ہوتا ہے۔

امر کلہ کھیتوں میں کام کے دوران تھک جاتی ہے، وہ ایک پرانے محلے میں ہے جہاں مختلف ذات پات اور حیثیت کے لوگ رہتے ہیں، چھوٹی بچی سادھنا کو بچاتے ہوئے اس میں امرت کی جھلک نظر آتی ہے اسے۔

حنان کی شادی کے انکار پر صنوبر اور امرت کی بحث کے دوران رات اندھیرے میں وہ سکون کے لئے گھر سے باہر نکل جاتی ہے۔

صبح عمارہ، ھالار اور لاھوت اس کے گھر پہنچ جاتے ہیں پریشانی میں فنکار اپنی کہانی سناتے ہوئے اپنی بیوی صدیقہ کے بارے میں بتاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

انیسویں قسط

''حیرانی کی اک وہ شام تھی، فرق صرف اتنا پڑا کہ غفور میرا سامان صدیقہ کے فلیٹ میں پہنچا گیا، میں معذور اور مجبور کی طرح چپ رہا، شرمندگی اتنی تھی کہ کہہ نہیں سکتا تھا، اس سے بہتر تھا کہ کسی مزار پہ پڑا رہتا لنگر کھاتا رہتا۔''

''اس دن صدیقہ سے میں نے دوٹوک بات کی یہ بات میں خود سے دوٹوک کر چکا تھا، میں نے اسے کہا آج سے آدھا کرایہ، آدھا بل میں دوں گا، اخراجات ہم نے حصہ حصہ کر کے بانٹ لئے۔'' اخراجات اور وسائل پر بات کرتے ہوئے ایک دم کاروباری دکھتے تھے۔

''ہمارے تعلق ان دو اجنبیوں جیسے ہو گئے جو مجبوری میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک گھر تو شیئر کرتے ہیں مگر ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے، ہم دوست سے اجنبی بن گئے۔''

''مجھے پتہ تھا صدیقہ کے ذہن نے اس رشتے کو قبول نہیں کیا اور میرے دل نے نہیں کیا، مرد کا دل نہ چاہے تو وہ رشتہ نہیں چلا سکتا، عورت کے دل کی مرضی کم کم ہی چلتی ہے، ہاں ذہن بس آمادہ ہو تو دل کی مرضی کے خلاف بھی فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔''

''سر کیا دل اور ذہن کی مرضی میں فرق ہوتا ہے؟'' نواز نے پہلی بار یہ نئی منطق سنی تھی۔

''ہاں نواز حسین بہت تھوڑا مگر بہت واضح فرق ہوتا ہے، یہ دونوں لڑاکا دوستوں کی طرح اپنے وژن بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح جیسے مجھ میں اور صدیقہ میں کوئی دشمنی نہیں مگر دوستی بھی نہ تھی۔''

''دشمنی اس لئے نہیں کہ کبھی نہ اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کا سوچا نہ ہی میں نے کبھی اسے تکلیف دینے کی کوشش کی، ہم ایک دوسرے کے محتاج ضرور تھے، مگر دل نہیں ملتے تھے، عجیب سا ٹھہراؤ آ گیا تھا زندگی میں۔''

''صبح سویرے دونوں نکل جاتے کام پر کبھی وہ جلدی آ جاتی تو کبھی میں، جو آتا وہ اپنے لئے کھانا بناتا یا پھر کچھ کھا کر آتا، وہ تھکی ہوئی ہوتی تھی جب آتی تو ایک انڈہ بنا کر کھا لیتی یا کچھ ہلکا سا، میرے اوقات بھی مختلف تھے کھانے اور گھر لوٹنے کے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ اس نے روایتی بیویوں کی طرح کہا ہو کہ آ جاؤ کھانے پر انتظار کر رہی ہوں یا پھر یہ کہ آج جلدی گھر لوٹ آنا، میں انتظار کروں گی، کبھی یہ نہیں کہا کہ تم گھر کے سامان کے لئے کم پیسے دیتے ہو، کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا، میں نے دو تین بار اپنا بستر کھلا چھوڑ دیا، وہ اس جگہ ویسے ہی پڑا رہا، اس نے نہ سمیٹا کہ میں غیر ذمہ دار ہوں نہ مجھ پر بگڑی، نہ برسی۔''

''جب شوہر باہر دھکے کھاتا ہے اور بیوی گھر کے کاموں میں پستی رہتی ہے۔''

''دونوں اپنے اپنے حصے کا کام کرتے ہیں، رشتے کا حسن معدوم ہو گیا، اگر دونوں کماتے تھے اور دونوں گھر کا کام بھی کرتے تھے تو دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لئے گنجائش ہونی چاہیے تھی، جب ایک عورت ایک ہی وقت میں عورت بھی ہو جسے گھر کا کام کرنا ہو، مرد بھی ہو جسے کمانا ہو اور فکر کرنی ہو، ماں بھی ہو جسے بچہ پالنا ہو اور اس کی تربیت کرنا ہو اور طلاق یافتہ بھی ہو جس کے ساتھ پرانے زخم ہوں اور پھر ایک مرد سر پہ مسلط بھی ہو تو وہ اندر سے بہت بے بس ہوتی ہے، اگر

یہ ظاہر میں بھی بے بس بن جاتی تو مرد بن کر بچے کے لئے کون کماتا۔"

"ماں بن کر اسے کھانا کون کھلاتا، کون سلاتا، تھکی ہوئی تھی اور ایک ایسا مرد جو پہلے ایک ناکام محبت کا شکار ہو چکا ہو جس کے ساتھ بیوی کے تعلق کی تلخی اور محبوبہ کی بیوفائی کا زہر ہو، جو گھر سے بے دخل کر دیا گیا ہو۔"

"اس سے اس کا ٹھکانہ اور ذریعہ چھینا گیا ہو، وہ بے بس ہو پھر کمانے کے بعد اسے گھر آ کر اپنے لئے خود انڈہ تلنا ہو مچھلی فرائی کرنی ہو، بستر لگانا ہو اور سمیٹنا ہو۔"

"ہم فارغ وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ اخراجات، حالار کی شرارتوں اور دیگر معمولات، سیاست حالات پر بات کر لیتے تھے مگر بات کبھی محبت پر نہ آئی، نواز حسین ٹھہراؤ تھا کہ کوئی لہر نہ تھی کوئی ہل چل نہ تھی۔"

"بس جیسے خاموشی بچھ گئی تھی، حالار ایک زندگی تھا جس میں ہلچل تھی، بے قراری تھی، میں اس کی طرف متوجہ ہوتا تھا، میں اسے ماؤں کی طرح پیار کرتا وہ کبھی حالار کے معاملے میں بھی سخت اور بے تاثر ہو جاتی تھی۔"

"اس نے ایک دن اپنی ڈائری کے پہلے صفحے پر لکھا تھا کہ محبت کو میں نے اپنے اندر مار دیا ہے، جس دن اس نے مجھے مارا تھا، اسی دن میں نے محبت کو مار دیا تھا، میرے دل میں کسی مرد کے لئے گنجائش نہیں ہے۔"

"سر اسے کھونے کی تمنا کبھی نہ جاگی، اس کا دل کھولنے کی کم از کم آپ تو محبت دیتے۔"

"نواز حسین میرا کٹورہ بھی ان دنوں خالی تھا یار۔"

"سچ تو یہ ہے کہ نہ اس نے بیوی بننے کی کوشش کی نہ میں نے شوہر، کبھی کبھار اس زندگی میں حسن ہوتا ہے نواز حسین، اس کے ساتھ اس کی کئی محرومیاں رہتی ہیں، اٹھتی ہیں، سوتی ہیں، جنم لیتی ہیں، بہرحال نواز حسین دونوں اپنے اپنے حصے کا درد کاٹتے تھے۔"

"بس کاٹتے ہی رہے بانٹ نہ سکے اور جب بانٹنے کا وقت آیا تو وقت تیز رفتار پنچھی بننے لگا تھا۔"

علی نواز نے زمین سے اٹھتی بارش کے بعد کی مہک کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی تھی، دو لمحوں کی چپ فضا میں گھل گئی تھی۔

☆☆☆

بہت دن بعد وہ بورڈ کے دفتر آئی تھی اور ماحول میں خاصی ہلچل لگ رہی تھی، سیکرٹری کے دفتر سے ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ بھری ملی جلی آوازیں، لائبریری کے روم سے کتابوں کی صفائی اور سامنے سے گزرتے ہوئے کمپوزر کے کمپیوٹر کی ٹک ٹک، وہ سیدھی نظر گھماتی اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

جہاں ہمیشہ کی طرح بوکھلائی ہوئی مس یاسمین جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھی اور امرت کی میز پر خاصی بے ترتیبی تھی ابھی کاغذوں کی حسب توقع سیٹ خالی۔

"یہ یہ نہیں آئی۔" بغیر کوئی سلام جواب خیر خیریت پوچھے اس کی نظر کی طرح پہلا لفظ بے ساختہ اسی کے لئے منہ سے نکلا۔

''آئی ہے، سیدھی سادھی آتی تھی، اچانک خدا جانے کیا ہو جاتا ہے اسے، ٹون ہی بدل جاتی ہے اس کی۔''
''کیوں کیا ہوا؟ اب کیا کیا؟'' دوسرا سوال بے ساختہ پوچھا تھا۔
''کیا بتاؤں تمہیں سب تو پتہ ہے۔'' مس یاسمین کی بیزاری دیکھنے لائق تھی مگر بات کی تمہید عمارہ کو بے زار کر دیتی تھی ان کی۔
''وہی فضول احتجاج اور کیا، لکھاریوں کو پرچے نہیں گئے، وی پی آرڈرز کیوں لئے جاتے ہیں، مصنفین کو بے منت کی منظوری کیوں نہیں ہوتی وغیرہ، اس نے تو اچھی بھلی رائٹرز جو خود چل کر کہانی دینے آتی تھیں۔''
''اور صرف پرچے میں کہانی لکھنا ہی اعزاز سمجھتی تھیں، ان کے ذہن میں بھی نئی تجویز ہی بھر دی ہیں اس نے اب وہ بھی احتجاج کرنے لگی ہیں۔''
''رہی بات اردو پرچوں کی تو بھئی وہ تو کماتے ہیں ان کو تو اشتہارات ملتے ہیں، ہمارے سندھی پرچے تو خدا کے رحم وکرم پہ ہی چلتے ہیں۔''
''خدا کے رحم وکرم پر چلنے والی چیز سب سے اعلیٰ ہوتی ہے، فی الحال تو ہمارے پرچے سیکرٹری کے رحم وکرم پہ چل رہے ہیں، خیر خدا کا حکم تو ہے...... مگر۔'' عمارہ نے ان کی ساری بات سنتے ہوئے کاغذ چیک کرتے ہوئے کہا تھا۔
''تو وہ پھر سیکرٹری سے لڑنے گئی ہے؟ اس میں کچھ نیا تو نہیں ہے۔''
''لڑنے کہاں بات صاف کرنے گئی ہے۔''
''بات صاف کرنے؟''
''ہاں...... اس سے پوچھو تمہارا کام ہے، اپنی جاب، وہ تم سنبھالو کیوں دوسروں کی ہمدردی میں پتلی ہوتی ہو، کچھ نہیں ملے گا اسے اس فضول کی جھک سے۔''
''جو آتی ہیں وہ تو ہنسی مذاق کر جاتی ہیں مگر یہ اپنا مزاج خراب کرتی ہے اور دوسروں کا بھی۔''
''ویسے شروع سے ایسی ہے؟''
''کیا بات صاف کرنے گئی ہے؟'' وہ سیٹ دھکیل کر اٹھی تھی۔
''کہہ رہی تھی بہت ہو گیا آج نوکری چھوڑ کر جا رہی ہوں آج میرا آخری دن ہوگا یہاں پر۔''
''ہیں...... یہ کہا اس نے۔'' اپنی حیرت کو وہیں چھوڑے وہ جواب سنے بغیر باہر آئی کمرے سے۔
''کچھ شک نہیں کہ امرت تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی سیکرٹری کے روم کی طرف بڑھ گئی، جہاں سے بھنبھناہٹ اب اچھی خاصی واضح آوازوں میں بدل گئی تھی۔

☆☆☆

میلے سے کاغذ پر ٹیڑھا سا اسکیچ ادھورا تھا۔
اس نے کاغذ کو اٹھایا اور اس کی بے ترتیبی نوٹ کی، عموماً بچے خوبصورت محل، جنگلات، پھول

پودے، رنگین باغات اور مچھلیاں پرندے بنانے کے شوقین ہوتے ہیں، وہ اپنے تخیل کی چاہ کو پینٹ کررہے ہوتے ہیں، ان کی توجہ رنگینی پر جاتی ہے، جو خوبصورتی اور اپنی زندگی میں چاہتے ہیں وہی پینٹ کرتے ہیں۔

پر کوئی جنت کا جہاں مانگتا ہے، زندگی کا سکون مانگتا ہے، سکون کے نام پر جنت کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے اور خوبصورتی پر بھی جنت کا لیبل لگا ہوتا ہے اور ہر ذہن کم سن اس خوبصورتی کو پینٹ کرنے کے لئے زمین کی جنت سے خوبصورتیاں اٹھاتا ہے نقش کرتا ہے۔

مگر سادھنا کے آرٹ میں تلخی تھی، حقیقت تھی، بے ترتیبی وہی جو اس کی زندگی میں نمایاں تھی، یہ بے ترتیب جھونپڑے، ادھورے رستے، ٹیڑھے میڑھے جس پر کچرا بچھا ہوا تھا اور اڑتی قمیض کے دامن والے کھیلتے میدان میں میلے کچیلے حلیے والے بچے جو بے قرار سے بھاگ رہے ہیں، اس کے کچھ نقش ادھورے تھے جیسے پینٹ کرتے کرتے وہ تھک گئی ہو۔

یا پھر خیال تھک گیا ہو، اس کا ننھا سا ذہن تھک گیا ہو، اسکیچ کے اوپر رف انداز میں کئی لکیریں کھینچی گئی تھیں، جیسے زندگی پر کالی لکیروں کا رقص ناچتا ہو، تھرکتا ہو، امر کلہ نے تصویر کے ہر زاویے، لکیر، نقش کو بغور دیکھا، دیکھنے کی کوشش کی تھی اور بہت کچھ سمجھ گئی اس کی تخلیقی حساسیت کی اپروچ پہ اسے بجائے خوشی کے دکھ ہوا تھا، وہ اس لئے ہوا تھا کہ عمر کے اس حصے سے وہ دکھ اٹھانے لگی تھی، محرومی کے دکھ، احساس کمتری کی گھٹن اور تلخی حقیقت کی، ابھی سے آشنائی کا دور شروع ہوگا تو وہ جوانی میں بڑھی اور بڑھاپے میں ضعیف اور موت سے پہلے مرحوم نہ ہو جائے، تلخی کا دکھ اندر سے کھا جاتا ہے، کچھ چیزوں سے ناآگہی اچھی، لاپرواہی اچھی۔

اسے فوری طور پر سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے، وہ دروازے کے اندر جھانکتے ہوئے امر کلہ کی طرف دیکھنے لگی، آگے بڑھی وہ اسکیچ اس سے لیا اور باہر نکل گئی تیزی سے۔

''تو کیا اسے رائے کا انتظار نہیں تھا، وہ کچھ سننا کیوں نہیں چاہ رہی تھی۔'' امر کلہ کو اس کا رویہ سمجھ نہیں آیا تھا۔

وہ بہت تیزی سے نکل گئی تھی کہ امر کلہ نے اس کے چہرے کو غور سے نہ دیکھا تھا اس لئے اس کے تاثر کیا تھے وہ سمجھ نہ پائی، البتہ اسے دیکھنے کے لئے کمرے سے باہر نکل کر لکڑی کی ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

سادھنا اپنے صحن کے کونے میں سوکھے گملے کے پاس کھڑی تصویر کو جلا رہی تھی، اسے شدید افسوس ہوا، وہ ایسا کیوں کر رہی ہے، اسے سمجھ نہیں آیا مگر وہ ایسا کر رہی ہے اس کی کوئی وجہ ضرور ہو گی، اسے حیرت ہوئی۔

''کوئی تخلیق کار اپنی تخلیق کو نہیں جلاتا امر کلہ، اگر جلاتا ہے تو اس کی کوئی مجبوری ہوتی ہے، تمہیں پتہ ہے امر کلہ اسے جلانے کے لئے پہلے وہ خود جل چکا ہوتا ہے۔'' اسے امرت کی بات یاد آ گئی۔

''امرت مگر سنا ہے تمہارا خدا قیامت سے پہلے یا اس کے بعد اپنے برے بندوں کو دوزخ میں جلائے گا، وہ بھی تو اس کی تخلیق ہیں نا، وہ کیسے جلائے گا۔'' یہ اس کا جملہ تھا۔

''وہ کیسے جلائیگا یہ اسے پتہ ہوگا، مگر مجھے یہ اندازہ ہے کہ وہ جلانا نہیں چاہے گا، یہ دوزخ صرف اس نے ڈرانے کے لئے ایک سمبل بنا کر رکھا ہوا ہے۔''

''نہیں امرت اس بارے میں تمہیں کوئی تصدیق نہیں ہے، وہ جلائے گا، میں صرف یہ سوچتی ہوں اسے گھر جلانا تھا تو پیدا کیوں کیا؟''

''تمہیں اس سے کتنی شکایتیں ہیں امر کلہ؟''

''ہاں ہیں اور ہونی چاہئیں، کیا تمہیں نہیں ہیں؟''

''مجھے بھی ہیں مگر مجھے یہ اندازہ ہے کہ مجھے ان سوالوں کے جواب ضرور ملیں گے۔'' یہ امرت نے کہا تھا۔

''ایک بات بتاؤ تم مسلمان اپنے خدا پر اندھا یقین کیوں رکھتے ہو؟''

''ہم صرف یقین رکھتے ہیں اب وہ اندھا ہے یا بہرہ یہ نہیں پتہ، البتہ اتنا پتہ ہے کہ یقین کبھی اندھا نہیں ہوتا بس وہ یقین ہوتا ہے اور جو یقین خدا پر ہوتا ہے وہ تو کبھی بھی اندھا نہیں ہوتا، نہ گونگا نہ بہرہ، نہ لولا، نہ لنگڑا، نہ معذور نہ محتاج، نہ سست نہ بیچارہ، نہ یتیم نہ لاوارث۔'' اس کے پہلے جملے کے منافی اس کے لہجے میں فوراً جو یقین اترا تھا، وہ اتنا گہرا کیوں تھا۔

امر کلہ نے اسے تب بے یقینی سے دیکھا تھا اور ابھی بھی وہ بے تاثر کھڑی تھی، اس کی آنکھیں دھندلی تھیں، دل یکدم سے بے چین ہوا۔

''تو میرا کوئی خدا بھی ہے یا نہیں، کوئی مذہب بھی ہے یا نہیں، کوئی پہچان بھی ہے یا نہیں۔''

''میں بے مذہب، بے نام ونشان، میں آزاد ہوں، میں ہر طرح کی روایت سے آزاد ہوں، اصول سے آزاد ہوں۔'' یہ ایک کھوکھلی تسلی تھی، جو سالوں سے وہ خود کو دے رہی تھی، دل ایکدم خالی تھا، وہ بے حواس سی اسی جگہ کھڑی تھی۔

سادھنا نے آنسو بھری آنکھوں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور اندر کی طرف بھاگ گئی تھی، کمرے کے کونے میں جا کر اس نے قمیض کے پھٹے ہوئے کف سے اپنے آنسو پونچھے تھے اور بے رحم چہرے کے تاثر والی سخت لہجے کی کڑواہٹ گھولتی ہوئی سوتی ماں کو دیکھا، اس کے دل میں ایک بار پھر شکایتوں کا ڈھیر جمع ہونے لگا اور نفرت کی لہر جاگی وہ نفرت کی لہر جو اس کرخت لہجے والی عورت کی تھوڑی سی مٹھاس اور نرمی پر بھی موم ہو کر محبت میں بدل جاتی تھی، اسے لگتا کچھ زندگی آسان ہے، اس میں جینے کے لئے آکسیجن ضرور ہے، اس دن وہ سوکھی روٹی بھی چبا لیتی تھی۔

اور سوتے وقت ایک بازو ماں کے کندھے پر یا سینے پر رکھ کر سو جاتی اور وہ دن سال میں کوئی دو تین بار مشکل سے آتا تھا۔

ایک غربت، اس پر تنگی، تنگی کے اوپر تنگ نظری، اس پر عدم برداشت اور تلخی، جھڑکیاں مار دھاڑ، ڈانٹ ڈپٹ، چیخ و پکار، چلچلاتی دھوپ میں جیسے بے آسرا ننگے پاؤں تپتی ریت پر جھلتے پیروں دوڑتی بھاگتی زندگی سے بچاتی بچتی ایک ننھی ہی ہوتی معصوم بچی اور اس کا بے آسرا بچپنا۔

کوئی امرت، کوئی امر کلہ، کوئی سادھنا جو مستقبل کی امر کلہ تھی یا امرت تھی، یا سادھنا بھی نہ رہتی تھی اسے یہ خود طے کرنا تھا، میلے سے کاغذ پر ادھورے بے ترتیب اسکیچ بناتی ہوئی حساس سادھنا

کو عمر کے ساتھ آگے نکلتے ہوئے اپنی تاریخ خود لکھنی تھی، یہ سوچ کر امر کلہ پریشان تھی۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آئی تو خاصہ گرم ماحول تھا، سیکرٹری نے بہت بد مزاجی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

اسے دیکھ کر امرت نے کوئی نوٹس نہیں لیا بلکہ وہاں بیٹھے بیٹھے ایک درخواست لکھی اور وہ کلرک کو کمرے سے باہر نکلتے ہوئے یہ کہہ کر تھما دی کہ چیرمین تک یہ نوٹس پہنچ جانا چاہیے اور پھر رخ سیدھا اپنے کمرے کی طرف تھا۔

''یہ کیا احمقانہ پن ہے امرت۔'' اسے کاغذات کو تیزی سے سمیٹتے دیکھ کر جھلائی۔

''یہ پورے پرچے کا کام مکمل ہے، کہانیوں کی نشست کمپوز ہو کر آ گئی ہے، اس کے پروف میں نے کل ہی چیک کیے تھے، سب ٹھیک ہے کام پورا ہے، ان کو کہہ دیجئے گا کہ مہینے کی دس تک سیلری میرے اکاؤنٹ میں پہنچ جانی چاہیے، جبکہ کم میں اس پوری سہ ماہی کا کر کے جا رہی ہوں جس کے لئے ان کو شکریے کا ایک لفظ بھی مہنگا پڑ سکتا ہے اور نہ مجھے کوئی ایسی توقع ہے۔'' وہ مس یاسمین سے مخاطب تھی، اس نے پوری فائل ان کے سامنے رکھی میز پر، اپنا بیگ اٹھایا اس میں موبائل فون چیک کیا اور بغیر مزید کچھ کہے سنے باہر نکل گئی تھی۔

''یہ شروع سے ایسی ہے یا اب ہو گئی ہے؟'' مس یاسمین عمارہ سے مخاطب تھی پھر سے۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ تیزی سے کہتے ہوئے اس کے پیچھے گئی تھی۔

''ارے تم تو رکو، تم کہاں جا رہی ہو؟''

''کام فی الحال پورا ہے، کل آ کر دیکھ لوں گی میں نہیں چھوڑ رہی جاب۔'' وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے باہر آئی، شکر ہے کہ امرت کو ابھی کوئی سواری نہیں ملی تھی وہ گیٹ سے باہر درخت کی اوٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

''اف امرت کتنا پاگل کرتی ہو بندے کو۔'' وہ بڑبڑاتی اس تک آئی۔

''تمہیں ہو کیا گیا ہے، کیا سارے فیصلے کرنے کا ایک یہی وقت ہے، پاگل ہو گئی ہو؟'' وہ اسی طرح خاموش کھڑی تھی۔

''مجھ سے بات کرو تم۔'' وہ تقریباً دھاڑی۔

''تھک گئی ہوں، ہر کسی سے بات کر کر کے، وضاحتیں دے دے کر فی الحال ہمت نہیں دو دن بعد تم بھی آ جانا کلاس لینے کے لئے۔''

''مجھے تم سے ابھی اور اسی وقت بات کرنی ہے۔''

''بس تمہاری ہی کسر رہتی ہے وہ بھی کر لو پوری، سب نے اپنے اپنے حصے کے زخم دیئے ہیں، تمہارا ہی تو حصہ رہتا ہے۔'' دھوپ میں کھڑے ہو کر پسینے سے برا حال تھا۔

''ذرا اوٹ میں ہو کر بات کریں، یا اس درخت کی اوٹ میں اس لئے نہیں کھڑی ہو رہی کہ وہ بورڈ کے دفتر کے حدود میں آتا ہے۔'' عمارہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

''کر لو طنز ہر طرح سے کی پوری کر لو، پھر شاید موقع نہ مل سکے۔''

''کیوں میرے ساتھ بھی ریلیشن توڑ رہی ہو کیا، حنان صاحب فارغ ہوئے، بورڈ والے فارغ ہوئے، اب مجھے فارغ کرنے کا ارادہ ہے، اتنے عرصے بعد تمہیں اندازہ ہوا کہ کچرہ بڑھ گیا ہے چھانٹی ضروری ہے۔''

''مگر دیکھو کچرہ ہر کوئی نکالتا ہے، مگر گھر سے میز کرسیاں چارپائی بستر چادر کوئی نہیں نکال پھینکتا۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' ایک تو اس کا دماغ گھوما ہوا تھا اس پر عمارہ کے منہ سے آج اس نے انوکھی سی تھی، وہ غصہ کرتی یا سوچتی۔

غصہ سوچنے کہاں دیتا ہے، بلکہ سوچ کو چھین لیتا ہے، ہاں البتہ بزدلی بھگا دیتا ہے، کبھی کبھار اگر یہ صرف بات کی حد تک ہو، یا کام کی حد تک تو ٹھیک ہے، ورنہ نقصان ہی نقصان، غصہ بھی اصول کا حامی ہوتا ہے، وہ تو ہم اسے بے وجہ استعمال کرتے رہتے ہیں، سو امرت کے نظریے میں وہ اصولی غصہ تھا اور تھا بھی، مگر عمارہ کے لئے غصہ صرف غصہ ہوتا ہے، وہ اس کی کیفیت پر سوچ نہیں سکتی تھی نا چاہتی تھی۔

اسے اس وقت امرت سراسر نقصان کرتی ہوئی نظر آئی تھی، اس بچے کی طرح جس سے ایک برتن تو غلطی سے ٹوٹ جاتا ہے ہاتھ سے پھسل کر اور دوسرا وہ خود دے مارتا ہے زمین پر اور تیسرا پٹخ دیتا ہے۔

تو پہلے کی معافی، دوسرے کی تلافی، تیسرے کی سزا ضروری ہے، اسے لگا حنان سے رشتہ ٹوٹنے میں واقعی وہ قصوروار نہیں بلکہ جو ہوا ٹھیک ہوا، مگر اس کی زد میں یہ نوکری اور اب وہ خود اس کی زد میں آ رہی تھی۔

''دیکھو فلسفہ جھاڑنا صرف تمہیں نہیں آتا، تمہارے علاوہ اور بھی انسان ہیں جو سوچ کی صلاحیت رکھتے ہیں، دیکھو امرت میں نے بہت سوچا کہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے میں نہ پڑوں بیچ میں مگر یقین کرو مجھے محسوس ہوا کہ تم بہت غصے میں ہو اور یہ فیصلہ عجلت میں کیا ہے، دیکھو سوچ لو اچھی طرح سے۔'' مس یاسمین اچانک اندر سے برآمد ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے کہ امرت عمارہ سے کچھ کہتی وہ نزدیک آئیں اور بول پڑیں۔

''میں خود بھی اس خیال کے تحت دھوپ میں سر تپا رہی ہوں اپنا۔'' عمارہ کو سہارا مل گیا۔

''چلو امرت اندر چل کر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔''

''یہ دفتر اگر آپ کا گھر ہوتا تو ضرور چلتی میں اور یہ فیصلہ میں نے بہت مہینے پہلے کیا تھا، مگر عمل آج کیا ہے، مجھے ویسے بھی جلد ہی چھوڑنا تھا کل نہ سہی آج سہی۔'' وہ خاصی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

''مگر امرت بات کو سمجھو میری جان، اتنی جلدی نہیں، دیکھو بہت مسائل ہوتے ہیں، جاب چھوڑ کر پھر نوکری ڈھونڈو گی، مسئلہ ہوگا۔''

''آپ کے لئے چھوڑنا مشکل ہے، آپ مجبوری میں رہ سکتی ہیں میں نہیں رہ سکتی، آپ کے بچے ہیں میرے کوئی بچے نہیں ہیں جو روتے پھریں۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

''بچے بھی ہو جائیں گے شادی ہو لینے دو۔'' مس یاسمین نے بڑی آس سے کہا تھا تو عمارہ کی

ہنسی چھوٹ گئی اور امرت کی ناگواری۔
''انشاء اللہ کیوں نہیں ہوں گے۔'' عمارہ کا کہنا بہت ضروری تھا جیسے۔
''چپ رہو۔'' امرت نے تیزی سے ٹوکا تھا۔
''چلو امرت۔'' مس یاسمین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''ابھی مت کہیں، دیکھیں میں نے مشکل سے ہمت کی ہے اب اگر اندر گئی تو میری زبان کی کوئی حیثیت نہ رہے گی اور ان لوگوں کو بھی کسی کی معمولی قدر تک نہیں ہوگی، آج نہیں جاسکتی، ایک آدھ بار ہو سکے چیئر مین سے ملنے آنا پڑے کام کے لئے، مگر ابھی نہیں، ابھی گئی تو سب غلط ہو جائے گا۔''
''امرت میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی، ہم نے بہت عرصہ کام کیا ہے ساتھ۔'' وہ آب دیدہ ہوگئیں۔
''میں بھی آپ کو نہیں چھوڑ رہی، نوکری چھوڑ رہی ہوں، ہم آتے جاتے رہیں گے، ایک دوسرے کے پاس۔''
''اسے اب فورس نہ کریں میں جانتی ہوں یہ نہیں مانے گی اب۔'' مس یاسمین پھر کچھ کہنے کو تھیں کہ عمارہ نے روک دیا، وہ چپ ہوگئیں۔
''مجھے بہت افسوس ہے مس یاسمین مگر، امرت کل میرے گھر آؤ گی نا؟ چائے پر۔''
''آپ ابھی چلیں، کل کا وعدہ نہیں کرتی، کل کس نے دیکھا ہے، کل جانے کون سے کام سر لگیں ابھی چلتے ہیں۔'' وہ دوسرے لمحے ایسے آرام سے بولی جیسے وہ گھر سے نکلی ہی اسی مقصد کے تحت ہو۔
''ارے واہ، میں ابھی بیگ لے کر آئی۔''
''ٹھیک ہے، ہم ذرا آگے ہو کر گاڑی دیکھتے ہیں آپ آجائیں۔'' امرت نے مین روڈ کی طرف نگاہ کرتے ہوئے کہا، وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگیں۔
''اندر سیکرٹری تھا، اب آپ کو کیا ہے، مس عمارہ بھی چلی گئیں، آپ کے بھی کچھ ایسے ہی ارادے ہیں کیا؟'' اسے عجلت میں نکلتے دیکھ کر وہ بولے۔
''ہمارے ارادے مس امرت جتنے مضبوط کہاں سر، بہرحال کام مکمل ہے پرچہ ریڈی ہے، مجھے گھر جانا ہے کل جلدی آجاؤں گی اللہ حافظ۔'' وہ کہتے ہوئے بغیر اس کا جواب سننے کا انتظار کیے آگے بڑھ گئی، جہاں وہ دونوں ٹیکسی لئے کھڑی تھیں۔
''کرایہ آج میں دوں گی۔'' عمارہ نے اعلان کیا تھا۔
''اور میں راستے سے کیک لے لیتی ہوں۔''
''ارے نہیں یار میں لے لوں گی۔'' مس یاسمین کے دماغ پر امرت کے جاب چھوڑنے کا کچھ زیادہ ہی اثر ہوا تھا کہ وہ بدحواسی میں ایسے ایسے فیصلے لے رہی تھیں۔
''ارے نہیں مس یاسمین آپ نے چائے کا کہا تھا وہ آپ کی طرف سے اور آپ کے لاؤنج میں بیٹھ کر پئیں گے، کافی ہے۔'' امرت نے انہیں سنبھالا۔

لاؤنج کے نام پہ لاؤنج کا نقشہ ان کی نگاہ میں گھوم گیا اس وقت بچے اسکول سے لوٹ رہے ہوتے ہیں اور بستر ایک طرف ٹائی دوسری طرف شرٹ اتار کر بنیان میں ڈبلیو ڈبلیو ریسلنگ کھیل رہے ہوتے ہیں اور میاں صاب ہارنے والے پر ملامت جیتنے والے کو شاباشی دیتے ہیں، خود انہوں نے کتنی چیزیں پھیلائی ہوئی ہیں مس یاسمین کسی خوف کے تحت کچھ سنبھل کر کہنے ہی لگی تھیں کہ عمارہ بول پڑی۔

''ارے نہیں مس یاسمین ہم آپ کے گھر ہی جارہے ہیں پروگرام کیسے کینسل ہوگا، آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اپنا سامنہ لے کر بیٹھ گئیں، پیشکش گلے پڑ گئی، مزے کی بات اتنی گرمی میں کچن میں کھڑے ہوکر چائے بنائے گا کون۔

''اور بن گئی تو جیسی بنے گی وہ پیئے گا کون؟'' دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔

امرت تو کیک لینے کے لئے اتر گئی اور عمارہ ان کے چہرے کے بدلتے بے چارے تاثرات کو دیکھتے ہوئے مسکراہٹ نہ دبا سکی، ڈرائیور مرر سے اردگرد تانکا جھانکی کررہا تھا ہر کوئی اپنے خیال میں مگن تھا۔

☆☆☆

لمحے نے سکہ پھینکا اور پل جمع ہونے لگے، چھکا چھوڑا لمحے نے، پل نے اپنی گوٹ پھینکی، کھیل کا میدان سج گیا، میدان سج گیا۔

گوہر نے کروٹ بدلی اور اٹھ بیٹھا، جیسے کوئی دل کو آرا پھیر کر چیر رہا تھا، اس کے دل کو بے چینی کا درد بھرا احساس جاگا، میدان دھمال کے لئے سجنے لگا تھا، لوگوں کا مجمع تھا اس نے لمحے کو سوچا دھمال کیوں ہوتا ہے، روز ہوتا ہے اور ہر روز لوگ دیوانہ وار جھومتے ہیں، ناچتے ہیں، روز یہ شدت کہاں سے آتی ہے، وہ گھنٹوں بیٹھ کر یہ ضرور سوچتا اور اگر ایک گھنٹہ بھی اک یہی بات سوچتا تو اسے اس سوال کا جواب مل ہی جاتا تھا، مگر گھنٹوں بیٹھ کر تب سوچتا جب سوچنے کا لمحہ ملتا مل کر ٹھہر جاتا۔

جب کیفیات گھنگھرو نا باندھیں، جب دل پر وجد نہ پڑتا، ڈھول کی تھاپ پر جا بک پڑتا۔

اور سروں نے سرگم کھیلنے کی شروعات کی، دل نے گھنگھرو باندھ لئے تھے، دل ناچی دیوی بنا ہوا تھا۔

''علی گوہر تجھے کون پہچانتا، تو مست بنا ہوا ہے، بے چارہ ہے۔'' خود سے ہمدردی جاگی تھی، وہ بے اختیاری سے اٹھا، دل پر گھونسہ پڑا تھا عشق نے قدم رکھا تھا۔

اور اس کا دل ڈوبنے، پھر تیرنے، پھر ناچنے لگا، دل دھمال کررہا تھا اور وہ بت بنا ہوا کھڑا تھا، وہ طاقت کوئی قینچی تھی، جو فریب کے جال کو کاٹ رہی تھی، اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

جیسے بجلی کی لہر، وہ کانپنے لگا، وہ ہجوم چیرتا ہوا اندر آیا اور قلندر کے قدموں میں ڈھیر ہوگیا، وہاں جہاں حالی کو پنچا تھا۔

اب خود کو پنخ دیا، بری طرح سے، پوری طرح سے، پوری طاقت سے، وہ ڈھیر ہوگیا، نہ رونا آیا نہ بولنا، نہ چیخنا، لوگ دھمال کی طرف راغب تھے، دھمال عشق کی طرف راغب تھی۔

عشق علی گوہر کی طرف راغب ہوا، تو لمحے کا کھیل بدل گیا اور اسے لگا دل کسی کبوتر کی طرح

پھڑ کتا ہوا، سینہ چیر کر نکل کر ہوا میں اڑ گیا ہو اور وہ کھوکھلا جسم لئے ڈھیر ہو گیا، ذہن اور جسم میں عجیب سنسناہٹ تھی، وہ ایک ڈھیر تھا، وہ علی گوہر نہ تھا۔

وہ عشق تھا، سو کھیل رہا تھا، ابھی عشق نے قدم رکھا تھا ابھی معاملہ بہت پیچھے تھا، ابھی وقت پڑا تھا اور وہ ابھی سے ڈھیر تھا، دل...... وہ کہاں تھا؟ اس کا جواب کسی کے پاس کہاں تھا۔

☆☆☆

''زندگی نے جتنے دکھ مجھے دیئے ہیں، اس حساب سے مجھے اس سے نفرت ہو جانی چاہیے تھی، مگر نہیں ہوئی، خدا جانے کیوں ہم زندگی سے نفرت کیوں نہیں کر سکتے، پتہ نہیں جینے کی طلب مر کیوں نہیں جاتی حادی، ہم مر جاتے ہیں مگر طلب نہیں مرتی، پہلی بار اس نے لمحے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا، میں حیران تھا بہت، اس کا لہجہ عجیب سا کھوکھلا تھا۔''

''دوسرے لمحے اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا، اب کی بار میں نے تھمانے کی کوشش کی مگر میرے اندر شدت نہ تھی، اس کا ہاتھ بہت گرم تھا اور میرا سرد، میں نے تیسرے لمحے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اس نے ایک جاندار قہقہہ لگایا، مجھے لگا جیسے لمحے بھر کے لئے اس نے مجھے چیلنج کیا ہو کہ تم میں اتنی ہمت نہیں نہ طلب مجھ میں، میں اس کی ہنسی میں اس کے آنسو دیکھنے لگا، مجھے لگا اس نے میرا انداق اڑایا ہے یا پھر کچھ اپنا۔''

''ہم دو الگ کنارے ہیں، شادی ہماری بنیادی غلطی تھی، کاش ہم شادی نہ کرتے تو کم از کم اچھے دوست تو رہ سکتے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو، شادی ہماری بہت بڑی غلطی ہے۔''

''اس وقت میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اب کبھی میں تیسری شادی کی غلطی نہیں کروں گا اور شاید اس نے بھی خود سے یہی عہد کیا ہو گا۔''

''اس نے کہا حادی، میرا یہاں دم گھٹتا ہے، میں یہاں سے کہیں اور جانا چاہتی ہوں، مجھے چھوڑ دو تاکہ میرے سر سے بوجھ اتر جائے، مجھے یہ احساس کھا جائے گا کہ تم میرے شوہر ہو اور تمہاری ذمہ داری مجھ پر لاگو ہے، یہ احساس مجھے رسہ ڈالتا ہے میں خود کو مجرم محسوس کرتی ہوں، مجھے اس رشتے کی کمزور کڑی سے آزاد کر دو میرے دوست، میرے ساتھی۔''

''اتنے وقت میں پہلی بار اس نے مجھے دوست کہہ کر بلایا تھا مجھ پر اس کی خوشی لاگو ہو گئی تھی۔''

''جب کوئی کسی کو اپنا ساتھی یا دوست کہہ دے تو سمجھو وہ اپنی ذمہ داری آپ پر ڈال گیا اور آپ کی لے گیا، فی الحال اس بار کے نیچے میں نے خود کو محسوس کیا تھا، مجھ کو ہمت نہ تھی کہ میں اسے اپنا دوست کہہ کر اپنی ذمہ داری اس پر ڈال دوں، اسے اپنے دکھ کا ساتھی بناؤں۔''

''جب کوئی آپ کا ہاتھ تھامے تو وہ آپ سے اپنا دکھ سکھ بانٹنا چاہتا ہے، اسے اپنا غم شریک اور خوشی کی شرکت دیتا ہے۔''

''وہ مجھے شریک کر رہی تھی، مجھے افسوس ہوا، میں اس وقت اس کا شوہر ہوں مگر دوست نہیں۔''

''میں نے کہا صدیقہ میں حالی سے بہت نزدیک آ گیا ہوں، ہماری علیحدگی سے وہ مجھ سے چھن جائے گا، زندگی میں پہلی بار میں نے خواہش کی کہ کاش میں اس کا باپ ہوتا میں اس کا سگا باپ ہوتا، یہ احساس مجھے کاٹ رہا تھا۔''

''وہ تمہارے پاس رہے گا، میں اس کے بغیر رہ سکتی ہوں، وہ تم سے بہت نزدیک ہے، اس وقت مجھے اس کی ماں ہونے پر شک ہوا کہ وہ حالی کی ماں ہے تو اس کے بغیر کیسے رہے گی۔''

''اس نے کہا حادی تم بہت سچے ہو، بہت کھرے ہو، بہت ٹوٹ کر چاہتے ہو، تم سچے ہو اور یہ سچائی تمہیں وراثت میں ملی ہے، یہ شدت، یہ ایکسٹریم، یہ اپنائیت، یہ ہمدردی، تم انسان کو بیچ بھنور میں نہیں چھوڑتے، تم آخری دم تک ساتھ نبھانے والے ہو، مگر میں تھک گئی ہوں۔''

''میں تھک گئی ہوں، اس رشتے کے بوجھ سے، تم نے کبھی مجھ پر دباؤ نہ ڈالا، تم دنیا کے بہترین شوہر ہو حادی، بہترین انسان ہو، میں مگر تمہارے قابل نہیں، تمہارے احسانوں کے بوجھ میں دب گئی ہوں، جتنا اسپیس تم مجھے دیتے جا رہے ہو، اتنی بے بس ہوتی جا رہی ہوں، بس میں یہاں سے دور ہونا چاہتی ہوں، یہاں سے بہت دور علونیہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے بلوانے کا۔'' وہ اپنے خشک آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

اور مجھے چپ کے دکھ نے آلیا، واقعی اس رشتے کی کوئی تک نہیں بنتی تھی، ہمیں اتنا بھی حالار کے معصوم وجود نے باندھ کر رکھا ہوا تھا۔

''اس نے کہا حادی، جلدی کر دو، میں دوسری بار تمہیں نہیں کہنا چاہتی نہ اتنی ہمت ہے، حادی مجھ پر جتنے احسانات اپنی ہمدردیوں سے کیے ہیں، ان میں ایک بڑے احسان کا اضافہ کر دو، وہ احسان جو میں کبھی نہ بھلا سکوں، جو مجھے ہمیشہ یاد رہے۔''

''بقیہ رات ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، بلکہ وہ باتیں کرتی رہی، میں سن رہا تھا، میرے اندر کوئی کیفیت نہ تھی، کچھ دن بعد کاغذات بن کر آ گئے، میرا اور اس کے رشتے کا جو لیبل تھا وہ اتر گیا۔''

''کسی بات کا دکھ نہ تھا، دکھ صرف یہ تھا کہ ایک ماں ڈھائی سال کے بچے کو چھوڑ کر جا رہی تھی، میں نے اسے کہا کہ بچے کو لے جاتے، اسے بہت کہا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے اسے لے جاؤ اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔''

''مگر اس نے کہا، ڈیڑھ سال تم نے اس پر مشقت کاٹی ہے، اس پر تمہارا ہی حق ہے، میں اس کے بغیر رہ لوں گی تمہارے پاس کوئی آسرا نہیں تم نہیں رہ پاؤ گے، اسے یتیم سمجھ کر رکھ لو حادی اور کوشش کرنا اسے میری یاد نہ آئے، اسے میری ضرورت نہ پڑے، تم اس کی ساری محرومیاں مٹا دینا اور تم مٹا دو گے ابھی اسے اپنی محرومیاں کا نہیں پتہ تم پتہ چلنے نہ دینا۔'' کتنی بار اس نے حالی کو لپٹا کر پیار کیا۔

''جس دن اس کی فلائٹ تھی، اس دن اس نے حالی کو سارا دن نظر انداز کر دیا، اس کی کیفیت مجھے اندر سے دکھ دے رہی تھی۔''

''وہ چلی گئی، یقین کرو نواز حسین میں گھلتا رہا اندر ہی اندر، حالی اسے مس کر رہا تھا، حالی روتا

تھا، میرا کلیجہ پھٹ جاتا تھا، مجھے لگ رہا تھا میں کوئی جرم کر رہا ہوں۔''

''ڈیڑھ مہینہ بہت مشکل سے گزرا، میں نے فیصلہ کیا کہ میں حالی کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ دوں گا، میرے پاس ویزہ کے پیسے نہ تھے، مگر میں اپنی طور پہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کہیں سے پیسے مل جائیں تا کہ میں اس قرض سے رہا ہو جاؤں۔''

''پتہ ہے نواز حسین اس میں اور صنوبر میں کیا فرق تھا، وہ یہ فرق تھا کہ صنوبر اپنی بیٹی مجھ سے لے گئی جس پہ میرا حق تھا، مگر صدیقہ اپنا بیٹا مجھے دے گئی جس پر میرا کوئی حق نہ تھا، میں احسان فراموش کیسے ہو سکتا تھا۔''

''صدیقہ اچھی بیوی نہ سہی، اچھی ماں نہ سہی، اچھی انسان ضرور تھی۔''

''تمہیں پتہ ہے نواز حسین انسانیت کا حصول کس قدر مشکل ہے، اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ہم لوگ بھی کبھار انسانیت کے لئے کتنا ترستے ہیں نا، ایک انسانیت کے لئے ذات کے اندر کتنی صفائی کرنی پڑتی ہے، کتنا ظرف پیدا کرنا پڑتا ہے، کتنی مشقت کاٹنی پڑتی ہے، کیوں کہ برائی کا رستہ آپ تک چل کر خود آتا ہے اور اچھائی تک آپ کو خود سفر کرنا پڑتا ہے، اس کی ٹکٹ آپ کو کٹانی ہوتی ہے، پھر انتظار کرنا پڑتا ہے اور پھر سفر میں کبھی بھی گاڑی خراب ہو سکتی ہے، کبھی بھی انجن رک سکتا ہے، کبھی بھی انسان تھک سکتا ہے، جو یہ ٹکٹ کٹالیں وا یکسٹریم کی طرح مضبوط ہوتے ہیں اور صدیقہ نے یہ ٹکٹ کٹادی تھی، وہ شدت کی طرح سچی کھری اور مضبوط تھی، وہ کسی انسان کے لئے بہت عرصہ بعد روئے تھے، ورنہ اپنے لئے تو ہر کوئی روتا ہے۔''

''کیا میں پوچھوں آپ نے اپنا وعدہ وفا کیا؟'' نواز حسین کو ان آنسوؤں نے نرم کر دیا مزید، حالانکہ وہ پہلے سے تھا مگر ساری حقیقت کی پٹاری اس کا تجسس ابھی کھول کر دیکھنا چاہ رہا تھا۔

''تیری بھی بس نواز حسین ٹرین چھوٹ رہی ہے۔'' وہ روتے ہوئے ہنس دیئے، یہ ہی ہنسی بجھنے والی نہ تھی بجھا دینے والی تھی۔

''ہم سب کی ٹرین چھوٹ رہی ہے، ٹرین تو سب کی چھوٹ رہی ہے۔'' وہ گم ہو گئے، کہیں سے کہیں۔

''مجھ سے بھی کئی بار ٹرین چھوٹی ہے، ایک بار نہیں کئی بار۔''

☆☆☆

وہ کیک لئے گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ فون بجا تھا، اس نے دیکھا فون گھر سے تھا، اس نے ریسو کر لیا، عمارہ پوچھنا چاہتی تھی کہ گھر والوں سے صلح ہو گئی، وہ کب گھر آئی تھی، کیونکہ یہ لوگ کچھ دیر کے انتظار کے بعد لوٹ آئے تھے، عمارہ کو لگا بلاوجہ ان کو یہاں بٹھانے رکھنا مناسب نہیں ہے، حالار اور لاھوت کو جانے کا کہا ساتھ اس کی بھی کال آگئی کہ ایاں ابا گھر پہنچ گئے تھے وہ بھی نکلی اور رات کے کسی وقت خالہ کا ٹیکسٹ آیا کہ وہ آگئی ہے، سو اسے تسلی ہو گئی کہ چلو صبح وہ دفتر نہ آئی، تو واپسی پر اس کے گھر جا کر خبر لے لے گی اور یہاں ایک اور فلم چلنے لگی، ایک نیا مسئلہ، اس کی جاب چھوڑنے کا، عمارہ بڑی مشکل سے ضبط کیے بیٹھی تھی کہ پھر سے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر جی بھر کر بیزار ہوئی اب کیا ہو گا۔

''مس یاسمین آپ گھر جائیں اور یہ کیک اپنے بچوں کو میری طرف سے دیجئے گا، ہم چائے پینے بہت جلدی آئیں گے، ایک مسئلہ ہو گیا ہے، بہت جلدی میں جانا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے ڈرائیور کو رک جانے کا کہا۔

''ارے نہیں امرت ایسے کیسے، پھر تم دونوں کیسے گھر جاؤ گی، چلو میں ساتھ چلتی ہوں۔'' ان کی تو جیسے خدا نے سن لی مگر امرت کا یوں اچانک پریشان ہونے پر ان کو تجسس ضرور تھا۔

''ارے نہیں آپ اکیلی کہاں پھرتی رہیں گی، ہم دو ہیں ہمیں قریب سے رکشہ مل جائے گا، آپ کو گھر چھوڑ کر پھر جائیں گے تو دیر ہو جائے گی۔'' وہ عجلت میں کہتی نکلی عمارہ کو نکلنے کا اشارہ کر کے۔

''چلو اپنا خیال رکھنا، پھر ملیں گے، بات کرتی رہنا۔'' مس یاسمین نے پیچھے سے آواز دی، وہ بغیر توجہ کیے آگے نکلی اور رکشہ روکا۔

''اب تمہیں کیا تکلیف ہوئی۔'' عمارہ جھلائی جی بھر کر۔

''یار حنان کی فیملی گھر آئی ہوئی ہے، ایک تماشہ لگا ہوا ہے۔''

''تم مت جاؤ امرت پلیز۔''

''میں نہ جاؤں تو وہاں کون میرا باپ بھائی ہے جو میری طرف سے بات کریں گے، تم گھر جانا چاہو تو چلی جاؤ۔''

''پاگل ہو گیا، میں تمہارے ساتھ چلوں گی، میں ویسے بھی اماں کو کہہ آئی تھی کہ واپسی پر تمہارے پاس رہوں گی دیر ہو جائے گی۔''

رکشہ جلدی مل گیا تھا، امرت کو پسینہ آ گیا تھا۔

''دیکھو فکر مت کرو، میں ہوں نا تمہارے ساتھ، بھائی نہیں تو کیا ہوا بہن تو ہے نا۔'' عمارہ کبھی کبھی عقل سے کام لے لیتی تھی۔

امرت کو بہر حال اس کے ہونے سے کچھ ڈھارس تو تھی، اسے پتہ تھا وہ بہت ضبط کیے بیٹھی ہے خود پر، اس لئے عمارہ اسے بیچ رستے میں کچھ کہہ کر رلانا نہیں چاہتی تھی اس نے امرت کا ہاتھ بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، باہر دھوپ بہت تیز تھی اور اندر گھٹن بھرا حبس تھا۔

☆☆☆

''اس نے کہا تھا نا نواز حسین کہ میں تھک گئی ہوں۔''

''وہ واقعی تھک گئی تھی، تھکی ہوئی تھی، میں ہالار کو اس کے پاس لے کر پہنچا تو میں نے ایک بہت سی کمزور تھکی ہوئی عورت کو بستر مرگ پہ پایا، بالکل آخری سانسوں میں، آخری دنوں میں، اس کا کینسر آخری اسٹیج تک تھا، وہ کچھ دنوں کی مہمان تھی۔''

''اس کی حالت دیکھ کر میں خدا سے بے شک شکوہ کر لیتا مگر کچھ شکایت اس سے بھی تھی۔''

''پہلی بار میں اس سے لڑا، بہت لڑا، بہت جھگڑے کیے۔''

''اصولاً تو نواز حسین مجھے اسے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، مجھے طلاق نہیں دینا چاہیے تھی۔''

''کوئی بھی عورت اتنی آسانی سے طلاق نہیں مانگ لیتی اس کے پیچھے کئی وجوہات ہوتی ہیں،

کئی چھوٹی بڑی وجوہات مرد ذہنی طور پر ٹارچر کرتے ہیں، جسمانی طور پہ کرتے ہیں دلی طور پہ کرتے ہیں، ان کو مسلط ہونے کا شوق ہے، نواز حسین یہ بات میں کسی عورت کے سامنے نہیں کہوں گا مگر تمہارے سامنے کہتا ہوں دنیا کے ننانوے فیصد مرد ایسے ہوتے ہیں، جو حاکمانہ اصولوں پہ زندگی گزارتے ہیں، خصوصاً ہمارے خطے کی دنیاؤں کے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''اگر جو کچھ مختلف ہوتے ہیں، سو میں سے کوئی ایک تو وہ مجھ جیسا گدھا نکلتا ہے، نواز حسین مسلط نہیں ہونا، مگر تحفظ ضرور دینا ہر اس عورت کو جو تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''بہن، ماں، بیٹی، بیوی، اسے چھوڑنا مت، معاشرے میں جگہ جگہ پر کھڈے ہیں، گڑھے ہیں، کھائیاں ہیں، کنویں ہیں، جس کی طرف دھکا دے کر گرایا جاتا ہے۔''

''یا وہ اپنی آخری جائے اماں سمجھ کر اس میں چھلانگ لگاتی ہے کوئی بھی بھیانک زندگی نہیں گزارنا چاہتا ہوگا، مگر زندگی سے ایسی بھی کیا دشمنی نواز حسین کہ انسان کے پاس ایک چھوٹا سا سرا بھی نہ رہے امید کا، اس نے خود سے بھی کوشش کیوں نہ کی، بہت سوال ہیں نواز حسین ایسے کئی سوال اور جواب ابھی تک تشنہ ہیں، آوارہ ہیں۔''

☆☆☆

''زندگی کو آسان بنانے کے لئے کتنی مشکلیں جھیلنا پڑتی ہیں یہ ہر وہ انسان جانتا ہے جو زندگی کو آسان بنانے کی خواہش رکھتا ہے۔'' یہ کوئی چھ سات بچیوں کی قطار اس کے سامنے کھڑی تھی، جس سے وہ مخاطب تھی، اسے پتہ تھا ان میں سے مشکل بات کوئی نہیں سمجھے گا، مگر بات کا مفہوم کیفیت سے اور لہجے سے سمجھ ضرور جائے گا، بعض اوقات لفاظی نہیں پلے پڑتی مگر کانسیپٹ کلیئر ہو جاتیں، کیونکہ لفاظی سمجھ آنے کے بعد بھی اگر کانسیپٹ کلیئر نہ ہوئے تو مشکل پڑ جاتی ہے، جو پہلی ساری مشکلوں میں اضافے کا باعث بن کر الجھن کو مزید بڑھا دیتی ہے۔

وہ ساری بچیاں بہت شوق سے اسے سن رہی تھیں، ان سب میں وہ اپنا بچپن دیکھ رہی تھی، احساس محرومی میں گھرا ہوا، جہاں آکسیجن ہی بڑی مشکل سے فراہم ہوتی ہے سانس لے لیا، سو لیا، کھیل لیا، دو وقت کی روٹی کھالی سمجھو جنت نہ سہی زندگی مل گئی۔

یہ زندگی کی بے حد ضروری اور بنیادی ضروریات تھیں، اگر ان کا حصول بھی بہت مشکل ہو، ناممکن کے قریب تر ہو آسانی سمیٹنا اس کا خیال بھی خواب لگتا ہے، اسے پتہ تھا وہ کیا خواب دکھانے جا رہی ہے ان کو، جوان پر بھاری پڑ سکتا ہے، مگر اسے یہ بھی پتہ تھا کہ کسی بھی خواب کے بغیر زندگی خشک اور تلخ بن جاتی ہے، خواب پالنے کے بعد اس کے حصول کی تگ و دو انسان کو سونا نہ سہی چاندی ضرور پہناتی ہے، خوشیاں نہ سہی خوشی ضرور کر دیتی ہے۔

سکون نہ سہی ضروریات پوری ہو جاتی ہے، مستقبل کے خطرے کچھ کم ہونے لگتے ہیں، گمان اچھا ہونے لگتا ہے، کچھ وقت آسانی سے گزارا جا سکتا ہے۔

وہ ان کی آنکھوں میں وہی خواب بھرنا چاہتی تھی، جو اس عمر میں اس کی آنکھوں سے نوچ لیا گیا تھا، اسے ہی پتہ تھا کہ اس نے خواب اور خواہش کے بغیر زندگی کیسے گزاری۔

اسی لئے لگتا تھا وہ بے کار گئی، بچپن بے کار گیا، جوانی بے کار گئی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ زندگی

نے اسے بڑے بڑے سبق دیے تھے۔

زندگی ہر کسی کو سکھاتی ہے، مگر کسی کسی کو بہت زیادہ لیسن دے دیتی ہے، مشکلیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور گہرائیاں بھی، مصیبت بھی دگنی اور رزلٹ بھی گولڈن ملتا ہے، اگر بھٹی سے کندن بن کر نکلا تو سونا اگر جل کر راکھ ہوا چاندی بھی گئی، سونا تو پہلے ہی گیا یہ امتحان کڑا ہوتا ہے۔

وہ ایسے کئی امتحانوں سے گزری تھی، وہ بچ تو گئی مگر آج تک خود اس نے نہیں طے کیا کہ کیا کچھ تھوڑا سا اس کے پلو میں رہ گیا ہے یا وہ بہت کچھ کھو کر آئی ہے۔

آیا کہ کچھ پایا بھی تھا یا نہیں، اس پہ اسے سوچنا تھا، مگر ابھی نہیں، ابھی وہ ان بچیوں کے سامنے ایک تختی لئے اگر کھڑی تھی تو ان کو سبق بھی پڑھانا تھا، ایسے کہ نہ صرف سبق ملے، بلکہ سبق یاد بھی رہ جائے۔

یہ دہرا پریشر تھا، استاد پر صرف یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ سبق پڑھا دے، سبق یاد کرنا یا دہرانا شاگرد کا کام ہوتا ہے، مگر کہیں کہیں بہت بدقسمت استاد وہ ہوتے ہیں جن کو آدمی شاگردی اپنے ذمے لینی پڑتی ہے۔

سبق نہ صرف پڑھانا ہوتا ہے بلکہ اس کو شاگرد کے ذہن میں فیڈ کروا دینا ہوتا ہے، اسے گھول کر پلا دینا ہوتا ہے اور ساتھ میں ہاضمے کی گولی بھی دینی ہوتی ہے، پھر اگر شاگرد کو کھانا ہضم تو سب ٹھیک، اگر بدہضمی ہو تو ڈاکٹر بھی اسے ہی بننا پڑتا ہے۔

ایک وقت میں کئی ذمہ داری لینے کا مقصد خسارے کا سودہ بھی ہو سکتا ہے، اس سے یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کامیاب ہوئے تو نہ صرف آپ استاد بلکہ ڈاکٹر بھی بن جائیں گے، رہنما بھی، اگر تو آپ ناکام ہوئے تو آپ استاد بھی نہیں رہیں گے، تختی آپ کے ہاتھ سے لے لی جائے گی اور اس ایک لمحے میں آپ اتنی پستی محسوس کریں گے کہ آپ کو خود کے انسان ہونے پر شک ہوگا۔

آپ خود کو کنویں کا مینڈک بھی سمجھ سکتے ہیں، اگر بالفرض آپ نے انسان ہونے کا خود سے اعتراف کر لیا تو کنویں کا مینڈک نہ سہی مگر جیل کا قیدی ضرور مان لیں گے، جہاں آپ کے تحفظات قیدی ہونگے۔

وہ سوچ رہی تھی اگر وہ کامیاب نہ ہو سکی تو ان کے خوابوں کا ملبہ کون اٹھائے گا اور زندگی میں پھر کوئی خواب دیکھنا ان کے لئے دوبھر ہو جائے گا، عذاب ہو جائے گا، پھر کوئی مشکل سر پہ نہ اٹھائے گا۔

اسے نہ ان کو احساس زندگی پڑھانا تھا بلکہ ان کا کانسیپٹ کلیئر کروانا تھا، فی الحال یہ طے ضرور کرنا تھا کہ ان کا رستہ کدھر کو جا رہا ہے، کیونکہ وہ جو مختلف راستوں پر بے سوچے سمجھے اور متعین کیے چلی تھی تو کسی راستے کو وہ منزل نہ بنا سکی، وہ کم از کم ان کا انجام ایسا نہیں چاہتی تھی کہ زمین اور آسمان کے درمیان انسان ڈولتا رہے، بلندی اور پستی کے درمیان گرتا چڑھتا، پھر گرتا رہے۔

بار بار پیچھے مڑتا رہے، پیچھے انسان ضرور دیکھنا چاہتا ہے مگر احساس زندہ رکھنے کے لئے کہ کل کیسا تھا آج کیا ہے، آنے والا کل کیسا ہوگا اور کیسا ہونا چاہیے آپشن ضرور ہونا چاہیے، انسان اپنا ماضی حال مستقبل کو لے کر چلتا ہے، مگر جب صرف ماضی کا ہو کر رہ جائے تو اندھیرے سے نہیں نکل

پاتا، اگر صرف حال کا ہو تو کل وہ بے چارہ ہو سکتا ہے، اگر تھوڑا تھوڑا حصہ سب ہی کو دے تو بات بن سکتی ہے، کچھ یادداشتیں ماضی سے بھی لے لیتا ہے، کچھ اچھے برے دن، کچھ حال کی ذمہ داری اور کچھ مستقبل کی فکر ملا جلا کر کچھ نہ کچھ تو بن ہی جاتا ہے۔

اور وہ بس ایک درمیانی سی کوشش کر کے دیکھ لینا چاہتی تھی کہ وہ اگر ڈاکٹر نہ سہی پر وہ استاد رہ جائے، وہ کسی ایک کرسی پر بیٹھنے کا حق تو ضرور رکھے اس نے سب کچھ بے سمجھے کیا تھا اپنے لئے، اپنے لئے ابھی تک وہ بے سمجھی کا شکار تھی، خود کے ساتھ اس نے جی بھر کر کھیلا تھا۔

اور جب کھیل سے تھک گئی تو آج پھر سے ایک چوراہے پر کھڑی تھی۔

وہ خود کی زندگی سے نہ سیکھ پائی، جتنا چاہیے تھا سیکھنا، مگر وہ ان سب کی آنکھوں کی ویرانیوں سے ہراساں تھی، ان سب میں کئی امر کلہ رہتی تھیں، وہ کوئی امرت چاہتی تھی، وہ کوئی رستہ چاہتی تھی۔

اس کے آدھے گھنٹے کا انتظار ختم ہوا، دروازے میں سے پھول جیسی سادھنا آتی دکھائی دی، کملایا ہوا پھول، وہ پھول جس کو توڑنے کی کوشش میں کھینچا جاتا ہے اور وہ نہ بھی ٹوٹے مگر کچلنے کے سبب کملا ضرور جاتا ہے، مرجھا ضرور جاتا ہے، سہایا ہوا لگتا ہے۔

امر کلہ اور امرت کا مکسچر، آنکھیں ایسی روشن جیسی امرت، چہرہ اتنا پیارا جیسے امر کلہ، وہ چپ ہوئی، وہ دیکھنے لگی، سادھنا آکر قطار میں شامل ہو گئی، اس کے چہرے پر میل ایسے جما ہوا تھا جیسے پرانے برتن پر کائی جم جاتی ہے۔

اس نے بائیں ہاتھ پر ٹھہرے پھٹے ہوئے کف سے بے دردی سے ناک کو رگڑا حالانکہ ناک صاف تھی۔

''تم نے کچھ نیا بنایا ہے سادھنا؟ کوئی نئی تصویر؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں محبت سے جھانکا تھا۔

مگر سادھنا کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔

''میں تصویر نہیں بناؤں گی۔'' لہجہ سپاٹ تھا۔

''مگر کیوں بچے؟ تم تو بہت اچھی تصویریں بناتی ہو۔'' بچی نے غیر یقینی سے اسے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو کہ تم دوزخ کو اچھا کہتی ہو، اس زندگی کو، اس کا انداز ویسا ہی تھا مگر لفظ نہ تھے۔

یہ بھی کیا بے بسی ہوتی ہے جب انسان جو کہنا چاہے وہ کہہ نہ سکے، قوت گویائی ہونے کے باوجود طاقت لفظ نہ ہو مگر لہجے اور بی ہیویئرز شاید انہیں لمحوں کے لئے بنے ہوتے ہیں۔

اس نے ایک اداس مسکراہٹ سے سادھنا کی طرف دیکھا اور اپنے حساب سے اپنی کلاس کا آغاز کیا، یہ امتحان استاد کی استادی کا تھا۔

☆☆☆

روتے روتے بچے سو جاتے ہیں اور ماں آجاتی ہے۔

سورت نے علی گوہر کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، پیشانی گرم تھی، اس نے آنکھ کھولی تھی اور ناسمجھی سے دیکھنے لگا۔

''یہاں سے چلا جا بچے یہاں سے چلے جانا، اس سے پہلے کہ میلا موج پکڑے، یہاں سے چلا جا۔'' کوئی مہربانی عورت گھٹنے سے گھٹنہ ملائے آ بیٹھی، نامحرم کا خیال نہیں کیا، عمر نے احساس محترم رشتوں میں باندھا ہوا تھا، وہ ماں کی عمر کی تھی اور یہ بیٹے کی عمر کا تھا۔

''تو نے سنا ہے نا بچے کہ ایک لاکھ پر ایک کی قربانی ہوتی ہے، ارے تو تو لاکھوں میں ایک ہے، میرا دل ڈرنے لگا ہے تین دن سے آ رہی ہوں، تین دن سے تجھے دیکھا ہے یہاں، تین دن سے تجھے مختلف جگہوں پر دیکھا ہے، تجھے دیکھنے کی چاہ نہ تھی مگر دوسرے دن بھی تم نظر آئے، تیسرے دن بھی تجھے دیکھا، آج آخری دن ہے، آج بھی تجھے دیکھا، سوچا تھا اگر چوتھے دن بھی تو ملا تو سمجھوں گی تیرا آمنا سامنا ضروری تھا اور چوتھی جگہ سے بھی نظر تیری طرف گئی تو سوچا آگے بڑھ کر دیکھ لوں، جب آگے بڑھی تو تجھے سوتا ہوا پایا، سوتا ہوا پایا تو نزدیک آ گئی اور قریب آئی تو لگا تو بخار میں جل رہا ہے، پیشانی پر ہاتھ رکھا تو تجھے واقعی بخار تھا۔''

ہر عورت ماں کے روپ میں کتنی عظیم اور اہم لگتی ہے، چار دن سے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے، کسی کے نظر کی توجہ دھیان بھٹکا دیتی تھی۔

''کوئی چیز مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔'' علی گوہر نے خود سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کہہ دے، کہہ دے میرا بچہ، جو کہنا چاہتا ہے جو دل میں ہے، اسے نکال دے اسے، میرا شہزادہ، کہہ دے۔'' عورت نے پیشانی پر بکھرے بالوں کو ہٹایا تو علی گوہر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، آنکھیں بھر آئیں، کہنا چاہتا تھا، کیا تمہارے پاس میرے غم کا علاج ہے، مگر وہ اگر پوچھ لیتی کون سا غم تو وہ کیا کہتا، کون سا غم۔

☆☆☆

وہ تسبیح کر رہی تھیں جب اچانک آنسو بہنے لگے، حمید صاحب نے بے یقینی سے دیکھا ان کی طرف، وہ شور کرتی تھی، واویلا کرتی تھی، مگر روتی کم تھیں، وہ محسوس کر رہے تھے کئی دنوں سے انہوں نے شور نہیں کیا، واویلا نہیں کیا تو غبار جسم سا گیا تھا، ان کو پتہ تھا وہ بولیں گی، بلکہ گھر چل کر چلائیں گی، مگر وہ سارا دن چپ تھی اور اچانک ابھی تسبیح کرتے ہوئے رو دیں۔

''کیا ہوا گوہر کی ماں؟'' وہ بے چین تو ہوئے تھے، بے چین ہونا بنتا تھا، تیس سال ایک ساتھ گزارنے کے بعد بھی اگر کوئی کسی کی پریشانی پر بے چین نہ ہو تو سمجھو اس نے تیس سال ضائع ہی کیے، یا پھر اس کے ساتھ نہیں گزارے، خیال کہیں اور ہی رہا تھا۔

گوہر کی ماں کہہ کر بلاتے تھے تو ان کو گوہر شدت سے یاد آتا تھا، گوہر کی غیر موجودگی میں ان کو گوہر کی ماں کہہ کر بلانے کا یہ بھی تو مقصد ہو سکتا ہے کہ گوہر کی موجودگی کا کسی طور یقین چاہا گیا ہو۔

چھبیس ستائیس سال کسی بچے کو پال کر جوان جب کیا جاتا ہے، جب وہ جوانی کی باغی عمر کے دور تک ساتھ رہا ہو اور وہ ستائیس دن گھر سے باہر رہے تو وہ یاد تو آتا ہی ہے نا اور پھر اسے یاد کرنے کے بھی دل بہانے ڈھونڈتا ہے، انہیں جب جب گوہر یاد آتا تھا، وہ اپنی بیوی کو علی گوہر کی ماں کہہ کر پکارتے تھے، گوہر کی موجودگی میں دل بھرا ہوتا تھا۔

تب گوہر کی ماں کی محبت سے بیزار آ کر وہ اسے بیگم صاحبہ یا یہ وہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔
تب بیوی کی حیثیت اور اپنائیت کی چاہ ابھرتی، جب کوئی کسی حیثیت یا کسی رشتے سے تیس سال ایک گھر میں رہا ہو تو وہ اہمیت، حیثیت زندگی کا حصہ بن جاتی ہے، چاہ بن جاتی ہے، ضرورت بن جاتی ہے، کبھی بیوی کی بے چینی پر بھی دل اتنا بے چین شاید ہی ہوا ہو جتنا علی گوہر کی ماں کی تڑپ دیکھ کر ہوا تھا۔
''علی گوہر تجھ سے کون نہیں حسد کرے گا۔'' وہ دل میں مخاطب تھے۔
''میرا بچہ۔'' دوسرے لمحے باپ کی کیفیت نے پلٹا کھایا، مگر ماں کی آنکھیں جب بہنے لگیں تو سمجھو دنیا پانی پانی ہو رہی ہے۔
انہیں بھی لگا دنیا پانی پانی ہو رہی ہے، آ کر نزدیک بیٹھ گئے۔
''مت رو گوہر کی ماں، وہ آ جائے گا۔''
''گوہر کے ابا، وہ سیون میں تھا۔''
''سیون شریف میں تھا نا، ابھی تک وہیں ہے۔''
''وہاں میلے کا موسم شروع ہو گیا ہے گوہر کے ابا۔'' وہ ہچکی لے کر رکیں۔
''وہ بچہ نہیں کہ میلے میں کھو جائے گا گوہر کی ماں تسلی رکھو، گم نہیں ہو گا۔'' بات کرنے والا نہیں جانتا تھا کہ گوہر تو گم ہی ہو بیٹھا ہے۔
دل کھویا تو سمجھو سب کھو دیا، خالی دل گزارنا مشکل تھا، بہت مشکل تھا، مگر گزارا ہو رہا تھا اور مشکل ہو رہا تھا، یہ اسے پتہ تھا جس پہ مشکل کھڑی تھی، باقی سب تو مشکل کے نام سے ہی شناسائی رکھتے تھے۔
''مگر سنا ہے بہت پرانی بات ہے، بڑے کہتے ہیں جب کوئی ماں بے چین ہو تو سمجھو کہ کوئی مشکل ہے اولاد پر اور جب اولاد پر مشکل ہو تو سمجھو کہ ماں بے چین ہو جاتی ہے۔''
''تم کیوں پریشان ہوتی ہو گوہر کی ماں۔''
''وہاں میلا شروع ہو گیا ہے، ہر سال ایک لاکھ پہ ایک مرتا ہے اور گوہر کے ابا میرا گوہر تو لاکھوں میں ایک ہے۔''

''دعائے مغفرت''

ہماری ہر دلعزیز مصنفہ سمیرا گل عثمان کے تایا زاد بھائی ندیم یونس گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔
انا للہ وانا علیہ راجیون
ادارہ حنا سمیرا گل عثمان اور ان کے گھر والوں کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں، دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا کریں آمین۔

گوہر کے ابا کو شاید سانپ نے ڈس لیا، وہم کے سانپ نے، سانپ سونگھ گیا، وہ جیسے ٹھہر گئے۔

جیسے کسی نے کہا ہو نیچے دیکھو یہ گہرائی ہے، اور اتنی بلندی پہ کھڑے ہو یہاں سے نیچے دیکھو گے تو چکرا ؤ گے، چکراؤ گے تو گر جاؤ گے، گرو گے تو بچ نہیں پاؤ گے اور اگر بچ نہیں پائے تو۔

''گوہر کے ابا۔'' گوہر کی اماں نے جھنجھوڑ ڈالا ان کو۔

''عمارہ میری عینک دو، کپڑے رہنے دو، بس عینک اور گھڑی دے دو۔'' وہ اٹھے اور عمارہ کو پکارا۔

''تم کہاں چلے گوہر کے ابا۔'' ماں کے ساتھ ساتھ عورت بیوی بھی تو تھی، گوہر کی اماں، گوہر کے ابا کی ساتھی۔

''جا رہا ہوں جہاں لاکھ پہ ایک مرتا ہے، مگر فکر مت کرنا، گوہر کی ماں، گوہر لاکھوں میں ایک ہے، مگر گوہر کا ابا صفر ہے، مجھے کسی کی نظر نہیں لگنی۔''

''ابا جی، آپ بھی چلے جائیں گے ابا جان تو ہم پریشان ہو جائیں گے، گوہر صدا کا آوارہ ہے، آ جائے گا جب دل بھرے گا اس کا، آتو جاتا ہے نا، یہ تو اس کا وتیرہ ہے نا، آپ بھی چلنے لگے اس کے نقش قدم پہ۔'' وہ مسکرائے۔

''وہ لاکھوں میں ایک ہے اس کے نقش قدم پہ چلنے میں حرج نہیں۔''

''ابا جی، بچے مت بنیئے خدا کے لئے۔'' عمارہ کو اماں بننا ہی پڑا تھا۔

''عمارہ بچہ نہیں بن رہا، باپ بن کر دکھا رہا ہوں، بچہ پریشان ہے، باپ کو کیسے سکون آ سکتا ہے۔''

''ابا جی، عالار کو ساتھ لے جائیں، عینک کسی شرط پہ لا دی وہ بھگوڑا نہیں جائے گا، مرغا بن کر لوٹا ہے۔''

''ابا حالات اچھے نہیں ہیں، بہت رش ہے وہاں اور گرمی بھی۔''

''عمارہ گرمی اور رش سے مت ڈراؤ مجھے، بہت دفعہ چاہا وہاں جانا، کبھی ہمت نہ پڑی، آج نہ گیا تو کبھی نہ جا سکوں گا، عمر بھر نہیں جا سکوں گا۔''

''ابا جی۔'' وہ کہتے کہتے رہ گئی۔

''میں ساتھ چلوں؟''

''پھر تو ایسا کر ماں کو بھی ساتھ لے لے، بلکہ یہ کوٹھی بھی سر پہ اٹھا لے، اسے بہت رش ہوتا ہے، میں کیسے سنبھالتا پھروں گا تم لوگوں کو، گوہر کو لینے جا رہا ہوں دعا کرنا گوہر کی ماں خیر سے لوٹوں، اگر پہنچ گیا تو اسے ڈھونڈ لوں گا، اگر ڈھونڈ لیا تو کھینچ کر لے آؤں گا، تم دعا کرو، میں چلتا ہوں، تم اپنا کام کرو، میں اپنا کرتا ہوں۔'' عینک پہنی، بٹوہ دیکھا، گھڑی باندھی، جوتا پہنا، رومال لیا اور نکلنے سے پہلے بس اللہ حافظ ہی کہا تھا۔

(جاری ہے)

حیا بخاری

''روحیل اٹھ جائیں، دیکھیں تو کتنا ٹائم ہو گیا ہے۔'' سویرا نے کوئی تیسری بار آ کر اس کے اوپر سے چادر کھینچی تھی۔

''کیا ہے یار، نہ کرو تنگ اور نہیں تو روزے کا ہی خیال کر لو۔'' وہ چڑ کر بولا تھا۔

''جی ہاں، روزے کا خیال میں کروں، آپ کسی کا خیال نہ کریں۔'' وہ خفا ہو کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''مثلاً کس کا خیال کروں۔'' اس نے ایک آنکھ کھولی۔

''میرا ہی کر لیں، میرا بھی تو روزہ ہے، صبح سے کاموں میں جتی ہوئی ہوں، ابھی اماں بابا کا ناشتہ دے کر آئی ہوں۔'' وہ واقعی تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

''چھوٹا سا کام کر کے ایسے نہ بی ہیو کرو پلیز۔''

''چھوٹا سا کام پلیز روحیل ایسے تو نہ کہا کریں، سارے گھر کی صفائی بھی کی ہے، سحری کے برتن بھی دھوئے اور......''

''پلیز سویرا، یہ سب تمہارے فرائض ہیں، اب تم کیا چاہتی ہو، میں بھی اٹھ کر ان کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں۔'' کبھی کبھی وہ واقعی مدد کر دیتے تھے۔

''میں نے آپ سے کب تقاضا کیا، میں تو بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ کوئی سبزی یا دال ہی لے آئیں، وقت پہ امی بابا کو کھانا بنا کر دے دوں گی، پھر کچھ گھنٹے میں بھی آرام کر لوں گی، ورنہ تو مجھے بھی لیٹنے کا ٹائم نہیں ملے گا۔''

''امی بابا کی ہی ٹینشن کھا رہی ہے تمہیں، میں جانتا ہوں، تم مت بنانا کھانا، میں ان کے لئے کسی اچھے ہوٹل سے لے آؤں گا۔'' اس نے غصے سے کہہ کر چادر لپیٹ لی، وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''سویرا! بیٹا کھانا تیار ہے کیا؟'' اماں نے پوچھا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''اماں بس روحیل لاتے ہی ہوں گے، پلیز آج کچھ تھا ہی نہیں تو دیر ہو گئی۔''

''میرا تو مسئلہ نہیں ہے، تمہارے بابا کی طبیعت کا پتہ ہے تمہیں، وقت پہ میڈیسن نہ دی تو دوبارہ طبیعت بگڑ سکتی ہے، اوپر سے روحیل کی ست طبیعت، اللہ کرے لے آئے۔'' اماں پریشان ہو گئیں، تبھی روحیل گھر میں داخل ہوا۔

''اماں بابا کے لئے کھانے کو کچھ لے آئے۔'' وہ تیزی سے تھیلے چیک کرنے لگی۔

''نہ بابا، اتنی گرمی میں روزے کے ساتھ مجھ سے تو نہیں جایا جاتا، یہیں نیچے سے لے آیا ہوں چکن اور سبزی، جلدی جلدی خود ہی کچھ بنا لو۔'' وہ تیزی سے ائیر کنڈیشنڈ کمرے کی طرف بھاگا، وہ بے چاری تھیلے پکڑے کھڑی رہ گئی۔

''لاؤ بیٹا میں ہی جلدی کچھ بنا دوں۔'' اماں کو اس پہ ترس آیا۔

''نہیں اماں آپ کی طبیعت ویسے بھی نہیں ٹھیک رہتی، بس دو منٹ کا ہی تو کام ہے، میں ابھی کر لیتی ہوں۔'' اس نے محبت سے منع کر دیا اور کچن میں چلی آئی، اس نے تیزی سے آئل گرم کیا، چکن کی ننھی ننھی بوٹیاں بنا کر آئل میں خوب بھوننے کے بعد اس میں ایک چھوٹی سی پیاز اور ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیئے اور پھر سب مصالحے ڈال کر تیز آنچ پہ دو منٹ بھون کر آنچ ہلکی کر کے دم پہ رکھ دیا اور جلدی جلدی روٹیاں بنانے لگیں، صرف بیس منٹ میں وہ سب کچھ تیار کر کے ان کے پاس موجود تھی، دونوں اسے دعائیں دینے لگے، اس کا دل ہلکا ہو گیا، دونوں بچے ابھی تک سو

رہے تھے، سو وہ بھی آرام کی غرض سے لیٹ گئی، تھکن زدہ کمزور جسم جلد ہی نیند کی وادیوں میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

''یہ لسٹ ہے، سامان لے آئیں، امی آ رہی ہیں۔'' خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔

''رمضان میں۔'' نہ جانے کیوں اسے روحیل کا لہجہ اکتایا ہوا لگا۔

''امی بابا کی بیماری کی وجہ سے میں نے بتا دیا تھا کہ اس بار ہم عید پر چکر نہیں لگا سکیں گے۔'' وہ افسردہ ہوئی۔

''اور ان سے ایک عید صبر نہ ہوا، حد ہوتی ہے۔'' وہ واقعی جھنجھلا رہا تھا۔

''ہاں کیونکہ میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں روحیل، وہ مجھ سے ملنے نہیں آئیں گی تو کہاں عید منائیں گی۔''

''اف ایک تو تمہارے یہ اکلوتی ہونے والے چونچلے۔'' اس کے لب جیسے سل گئے۔

''اور میرے ماں باپ کی خدمت کرتے وقت تو تمہیں پسینے آ جاتے ہیں، اب اپنی ماں آ رہی ہے تو خوشی دیکھو۔'' وہ غصہ ہونے لگا تھا۔

بی اماں نے اپنے کمرے کے دروازے کی درز سے تاسف سے جھانکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' ابا بھی پریشان ہوئے شور سن کر۔

''وہی جو روز ہوتا ہے، آپ کے بیٹے کی تیرا میرا چل رہی ہے۔'' وہ واپس آ کر بیٹھ گئیں۔

''اور بہو۔'' وہ پریشان ہوئے۔

''نیک روح ہے، خاموش کھڑی اپنی ساری محنت اور محبت پہ پانی پھرتا دیکھ رہی ہے۔'' ان کے ہر انداز میں تاسف بھرا تھا۔

''نہ جانے روحیل کو کب عقل آئے گی۔'' ابا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' اماں خفا ہوئیں۔

''بد دعا نہ دو نیک بختے۔'' وہ گھبرائے۔

''بد دعا نہیں ہے، صرف سچ ہے، ایسے لوگوں کو جن کو اللہ کے نیک لوگوں کی قدر نہیں ہوتی اللہ سبق ضرور دیتا ہے، ان سے نیک لوگ چھین لیتا ہے۔'' ان کی بات میں وزن تھا۔

''اب تو مجھے ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔'' بی اماں نے عینک لگاتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو دیر کیسی، میں ہر معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' بابا نے ان کو یقین دلایا، وہ سر ہلا گئیں۔

☆☆☆

آخری عشرہ شروع ہونے والا تھا، عبادت اور تلاوت زور و شور سے جاری تھیں، وہ بھی ان دنوں گھر کے کاموں کو مختصر ترین کر لیتی، مگر پھر بھی کام تھا کہ بڑھ ہی جاتا، ابھی بھی وہ بچوں کو پڑھنے کے لئے بٹھا کر خود کپڑے دھونے لگی تھی، کہ اماں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''امی کب آ رہی ہیں تمہاری۔''

''پتہ نہیں اماں میں نے ان کو کہہ دیا تھا کہ وہ تکلیف نہ کریں میں خود آ جاؤں گی۔'' وہ پلکیں جھکائے آنسو چھپا گئی، اماں کے دل کو کچھ ہوا۔

''ماں سے ایسا تو کہتے نہیں بیٹا۔''

''مجبوری تھی اماں، روحیل ناراض ہو رہے تھے۔'' وہ بتانا نہیں چاہتی تھی مگر بتانا بھی ضروری تھا۔

''ہاں میں نے سن لی تھیں اس دن اس کی باتیں، مگر یہ تو حل نہ ہوا بیٹا، تم کب تک یونہی ہار مانتی رہو گی۔''

''پتہ ہے سویرا بیٹا، مرد جتنا بھی اچھا ہو، اسے اپنی کمائی کا گھمنڈ ہوتا ہے، عورت چاہے سارا دن کام کر چکی میں پس جائے، سر شام وہ جو صرف ایک پیار بھری مسکراہٹ سے اس کی ساری تھکن دور کر سکتا ہے، وہ اسے ''سارا دن کرتی ہی کیا ہو تم'' کہہ کر اس کی روح تک کو تکان بخش دیتا ہے، عورت کی ذرا سی شاپنگ اس کا موڈ چڑچڑا کر دیتی ہے اور خود وہ اچانک کئی کئی مہمانوں کی دعوت کا کہہ دیتا ہے بنا اپنی بیوی کی طبیعت یا حالت دیکھے، تو یقین جانو اس سب میں عورت کی بھی غلطی ہے، وہ مرد کو اس کے گھر کو اپنی مجبوری جان لیتی ہے، حق جان لے تو دیکھو دوسرا کیسے اپنے فرائض سمجھتا ہے۔'' اماں اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ حیران۔

''وہ کیسے اماں؟''

''دیکھو بیٹا، گھر بار اپنی جگہ مگر آپ کی اہمیت بھی اپنی جگہ ہے، آپ خود کو اجاگر نہیں کرو گی، کبھی کبھی ان مردوں کو اپنی اہمیت کا احساس نہ دلاؤ گی تو یونہی نظر انداز ہوتی رہو گی۔''

''اب میں اور تمہارے بابا تمہاری ذمہ داری بعد میں ہیں پہلے روحیل کی ذمہ داری ہیں، تمہاری اکیلی ماں کو بھی تمہاری توجہ اور محبت ضرورت ہے، ماں کبھی بددعا نہیں دیتی، مگر خدا نہ کرے کہ کبھی تمہاری بے توجہی اس کے لبوں کی آہ بن جائے، تو یقین کرو وہ آہ عرش کے باسیوں کے دل دہلا دیتی ہے، تم اس مرتبہ ضرور جاؤ، کل ہی کہہ دو روحیل سے کہ تم جا رہی ہو، پھر دیکھو کیسے روحیل کو تمہاری اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ہاں کوئی ضرورت نہیں تمہیں وہاں سے بار بار فون کر کے اپنا دل خراب کرنے کی، روحیل کی اس فون کال کا انتظار کرنا جب تمہاری تڑپ میں وہ خود کہے کہ یار کب آ رہی ہو۔'' وہ شریر ہوئیں، سویرا پلکیں جھکا گئی۔

☆☆☆

اور اس نے بالکل ویسا ہی کیا، رات تک وہ ساری پیکنگ مکمل کر چکی تھی، لیکن اس سب کی جو بڑی وجہ تھی وہ اس کی ماں تھی، وہ واقعی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں پریشان ہو یا کبھی اداس ہو کر ٹھنڈی آہ بھر بیٹھیں، تبھی اس نے فوراً جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' روحیل شام میں گھر آیا تو ایک طرف پڑے بڑے بڑے دو بیگ دیکھ کر چونک گیا۔

''امی کے آنے کی وجہ سے آپ کو پریشانی ہو رہی تھی، تو میں نے سوچا خود ہی چلی جاؤں، زیادہ بہتر ہے۔'' آج اس کے لہجے میں اعتماد سا تھا۔

''چلو یہ ٹھیک کیا تم نے، ایک دو دن رہ آؤ، ویسے بھی پشاور اور اسلام آباد کا فاصلہ ہی کتنا ہے۔'' اور اتنا بے نیاز جواب دیتے ہوئے وہ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ اس نے اپنے اور سویرا کے دل کا فاصلہ کتنا بڑھا دیا تھا، اسے تو پورا یقین تھا کہ روحیل ضرور روکے گا اور امی کو یہاں بلوانے پہ زور دے گا، مگر وہ تو کس قدر مطمئن لگا، وہ بے دلی سے کھانا بنانے کے لئے اٹھ گئی۔

''اماں میں چلی تو جاؤں مگر آپ لوگوں کی فکر رہے گی مجھے۔'' وہ ان کو کھانا دینے آئی تو پریشانی سے بولی۔

''میں نے سارا بندوبست کر دیا ہے، تم بالکل بھی فکر نہ کرو، بس آرام سے جاؤ اور اس بار صرف اپنے سکون کو یاد رکھو، کچھ دنوں کے لئے ذمہ داریوں کو بھول جاؤ، ساری عمر اس بڑھیا کو دعائیں دو گی، بس ایک بار میری بات تو مان کر دیکھو۔''

''ہاں بیٹا تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں، ویسا کرو جیسا یہ کہہ رہی ہیں، باقی اللہ کام بنانے والا ہے۔'' ابا نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

☆☆☆

''اٹھ جاؤ روحیل بیٹا۔'' دن کے دس بجے تھے اور ابھی تک وہ اے سی کی ٹھنڈک کے مزے لئے سو رہا تھا کہ دروازہ زور سے بجا، اماں کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

''کیا ہوا اماں؟'' اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

''بیٹا! کچھ لے آ بازار سے، اب تو آنتیں بھوک سے سکڑنے لگیں ہیں۔'' اماں نے پیٹ دباتے ہوئے کہا۔

''ارے اماں میں تو سمجھا آپ نے کچھ بنا لیا ہوگا۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''کہاں بیٹا، پہلے تو کام کی عادت تھی، اللہ خوش رکھے سویرا کو، جب سے آئی ہے پانی تک تو ہاتھ میں دے دیتی ہے، اب کہاں ہوتے ہیں مجھ سے کام۔''

''اچھا اچھا اماں، میں ابھی کچھ لے کر آتا ہوں۔'' وہ فوراً منہ ہاتھ دھونے بھاگا۔

اوپر سے نیچے جاتے اور آتے ہی وہ کافی تھک چکا تھا، تیزی سے آملیٹ بنا کر چائے تیار کی اور توسٹ گرم کر کے اماں بابا کے کمرے تک آتے آتے اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے، کام نبٹا کر جلدی سے اے سی والے کمرے کی طرف دوڑ لگائی تو جان میں جان آئی۔

مگر اس کے بعد بھی اماں بابا وقتاً فوقتاً اسے تنگ کرتے رہے، دوپہر کو ان کے لئے کھچڑی تیار کی تو الگ ہلکان ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ چار بجے تک اسے شدید بھوک اور پیاس نے آگھیرا تھا۔

''پتہ نہیں سویرا یہ سارے کام کیسے کر سکتی ہے، خیر وہ تو آرام سے گھر بیٹھی ہوتی ہے، ٹھیک ہے ابھی مجھے بھی کالج سے چھٹیاں ہیں، مگر پھر بھی کبھی کبھی تو جاتا ہوں۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''اور یہ عورت، کیسے اپنی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر ماں کے پاس بھاگ گئی ہے۔'' اسے غصہ آنے لگا تھا۔

☆☆☆

ماں کے کام کرتے، ان کی خدمت کرتے ان سے گھنٹوں باتیں کرتے، وہ واقعی اپنی ذمہ داریوں سے کچھ مدت کے لئے بری الذمہ ہو گئی تھی، بچے بھی بے حد خوش تھے، کیونکہ اسلام آباد کی نسبت پشاور میں موسم بے حد اچھا تھا، اسے آج یہ سمجھ آئی تھی کہ ماں باپ جس روپ میں بھی ہوں ماں باپ ہی ہوتے ہیں، تو جنہوں نے ہمیں جنم دیا ہماری پرورش میں رات دن جاگے، اور تربیت میں اپنے آپ کو گم کر دیا، ان کا حق کیوں کر ادا کیا جا سکتا ہے اور اس دفعہ سویرا نے اپنے آپ کو وہیں گم کر لیا تھا، پیچھے گھر پر اماں بابا تھے، اسے کوئی فکر نہ تھی، وہ اب اپنی جنت میں خوش تھی۔

☆☆☆

تین چار دن ہوئے تھے سویرا کو گئے مگر روحیل کو لگ رہا تھا جیسے سویرا اور بچے اس سے کہیں دور چلے گئے ہیں، اس نے ابھی تک سویرا کو فون نہیں کیا تھا، اماں بابا نے بتایا تھا کہ فون کرتی ہے، مگر گھر کے نمبر پہ، تمہارے نمبر پہ ڈر سے نہیں کرتی، کیونکہ تم غصہ ہی اتنا کرتے ہو، وہ اداس ہونے لگا اور سوچنے لگا کہ واقعی کیا وہ بے جا چلاتا غصہ کرتا تھا، جو سویرا اس سے دور ہو گئی تھی اور اپنا احتساب کیا تو پتہ چلا کہ واقعی جو تھکن، ذمہ داریاں اور کٹھنائیاں سویرا کا مقدر ہیں وہ کم از کم

اس کی برداشت سے تو باہر تھیں، وہ ہمیشہ اس کے ماں باپ کی دعا لیتی رہی اور وہ خود تیری ماں میری ماں کے چکر میں رہا، وہ سارا دن کاموں میں پستی اور وہ بڑے غرور سے کہتا جو اے سی کے کمرے میں مزے سے لیٹا رہتا کہ تم کام کیا کرتی ہو سارا دن۔

وہ خود مزے سے ٹی وی دیکھتا اور اسے کتنے رعب سے کہتا تمہاری پڑھائی کس کام جو بچوں کو نہیں پڑھا سکتی۔

صفائی صفائی کی رٹ لگاتا اور جب وہ بچاری سارا سارا دن ایک ایک کونہ چمکانے میں لگی رہتی تو کتنی نخوت سے کہتا کہ نہ جانے کون سی ماسی میرے نصیب میں لکھ دی اوپر والے نے۔

سوچتے سوچتے اپنا احتساب کرتے اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں، کس قدر غلط رویہ رکھا تھا اس نے اور اسے ہر پل روح پہ چوکے لگاتے ہوئے ذرا بھی احساس نہ ہوا تھا تبھی، اس نے پشاور جا کر سویرا اور بچوں کو لانے کا فوراً فیصلہ کیا اور اماں بابا کو شام تک آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا، نہ جانے کہیں اماں بابا اس کی عجلت دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

☆☆☆

''آج شاید چاند رات ہو جائے گی بیٹا، تم چاہو تو گھر چلی جاؤ، میٹھی عید ہے، اپنوں سے دور تھوڑی میٹھی لگے گی۔'' اماں نے اس کی پسند کی چھولے چاٹ بناتے ہوئے کہا۔

''آپ کے بغیر بھی تو ہر خوشی پھیکی لگتی ہے امی۔'' اس نے پیار سے امی کے گلے میں باہیں ڈالیں۔

''صرف امی کے بغیر نہیں، کسی بھی اپنے کے بغیر ہر خوشی پھیکی سی لگتی ہے۔'' وہ بری طرح چونکی، اسے لگا یہ خواب تھا، مگر وہ مجسم حقیقت اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''آپ کب آئے؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ابھی، گیٹ کھلا تھا تو اندر چلا آیا، غلط کیا۔''

''ارے نہیں بیٹا تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' اماں نے اسے دعا دی، وہ انہیں سلام کے ساتھ معذرت بھی کرنے لگا کہ آتے ہی سلام کرنا بھول گیا۔

''امی! اب جلدی سے پیکنگ کر لیں، شام تک گھر بھی پہنچنا ہے، میں میٹھی عید کی میٹھی چاند رات اپنے سب پیاروں کے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔'' وہ محبت پاش نظروں سے سویرا کو دیکھتے ہوئے بولا، وہ نظریں جھکا گئی۔

''افطاری تو یہیں کرو گے نہ۔'' اماں تو پریشان ہی ہو گئیں۔

''نہ نہ کہا نہ کہ سب اپنوں کے ساتھ۔'' وہ امی کو ساتھ لئے باہر نکل گیا اور سویرا لبوں پہ حسین مسکراہٹ سجائے جلدی جلدی پھیلاوا سمیٹنے لگی، اس دفعہ کی عید واقعی میٹھی ہونے والی تھی، وہ اپنے رب اور ماں باپ کی شکر گزار تھی۔

☆☆☆

ہماری مصنفہ عابی ناز کے والد صاحب علیل ہیں، آپ سب سے گزارش ہے کہ عابی ناز کے والد صاحب کی صحت کے لئے خصوصی دعا کریں، کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد صحت یاب کرے آمین۔

عید کا ادھورا چاند
نائلہ طارق

اس کائنات میں عورت اپنے خالق کی حسین ترین اور بہت ہی عزت و حرمت رکھنے والی مخلوق ہے، ایثار و قربانی کے جذبوں سے لیس، سراپا محبت اور شفقت۔

معاشرتی زندگی میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی جیسے رشتوں کی پاکیزگی اور آسودگی عورت سے ہی منسوب ہے۔

زمانہ جاہلیت کے تاریک دور کو گزرے صدیاں بیت چکی ہیں مگر اس زمانہ جدید میں آج بھی اس کے تاریک سائے بڑے دھڑلے سے منڈلاتے دکھائی دیتے ہیں، یہ تاریک سائے دن رات کے لمحوں میں جہاں جہاں سے گزرتے ہیں کانچ سے نازک دل پر، عزتوں کے آبگینوں پر، شرم و حیا کے پردوں پر اپنی تاریکی کی گہری چھاپ چھوڑتے جاتے ہیں، وہ بھی ایک ایسا ہی تاریک سایا تھا کہ جس میں ہراساں کرنے کا سامان موجود تھا، بس اسٹاپ، پبلک ٹرانسپورٹ کے رش، بازاروں کے ہجوم میں اپنی خباثت کی مہریں لگاتا وہ سایا ایک گھر میں داخل ہوا تھا، گھر کی رونق سے اندازہ ہو رہا تھا کہ خوشی کا سماں ہے، ڈھولک کی تھاپ بلند تھی، اونچی آواز میں سر سے سر ملاتیں لڑکیاں تالیاں پیٹ کر ہتھیلیاں سرخ کر رہی تھیں، بچے بھاگ دوڑ میں مگن تھے، گھر کے مرد اور عورتیں تقریب کی تیاریوں اور انتظامات میں مصروف دکھائی دے رہے تھے، عروج پر پہنچی اس رونق اور چہل پہل میں کسی جانب سے ایک آواز ابھری تھی۔

''اس بچی کو تو بہت تیز بخار ہے، دوا دی ہے اسے؟''

''ہاں، ڈاکٹر نے کہا ہے شام تک بخار اتر جائے گا۔'' لڑکی کی ماں بتا رہی تھی۔

''کالج کا پہلا سال ہے، امتحان نزدیک ہیں بس اسے ہی سر پر سوار کر کے بیمار ہو گئی۔''

''شام تک بخار اتر جائے تو یہ بارات کے ساتھ جا سکے گی، تب تک اسے کسی کمرے میں سلا دو، یہاں شور شرابے میں بے آرام ہو رہی ہے۔'' ایک عورت نے لڑکی کی ماں کو مشورہ دیا تھا۔

''ایسا کرو، اوپر دلہن کا کمرہ تیار ہو چکا ہے، اسے وہیں بھیج دو، وہاں کوئی نہیں جائے گا۔'' دولہے کی ماں درمیان میں بولی تھی۔

بیٹی کی طرف سے مطمئن ہوتی عورت دلہن کے کمرے کا دروازہ بند کر کے واپس سیڑھیاں اترتی چہل پہل کا حصہ بن گئی، اس کے بعد، آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے گزرتا سایا مہکتے، سجے سجائے کمرے میں داخل ہوا تھا، کمرے کی خاموش فضا میں رقص کرتے شیطانی اثرات نے اس منظر کو مزید حسین و جمیل بنا ڈالا تھا کہ جس میں مخملی بستر پر تیز روشنی میں ایک نڈھال، لاغر نوخیز وجود ارد گرد سے بے خبر تھا مگر...... اس کی حسیات ہوشیار تھیں۔

شیطانی سائے نے اسے اپنے تاریک پروں میں لپیٹ لینا چاہا تھا کہ یکدم دردناک چیخیں کمرے کے در و دیوار کو پھاڑ کر گھر کی چاروں سمتوں میں پھیلتی چلی گئی تھیں، ہر ذی روح ان چیخوں پر دہل اٹھا تھا، ان کے تعاقب میں بے شمار قدم سیڑھیوں کی طرف بھاگے تھے، جو کمرے میں داخل ہوتا، حق دق، ششدر ہوتا رہا، چند لمحوں میں ہی کمرہ بھر گیا تھا، کمرے کے وسط میں وہ اپنے حملہ آور کی کلائی میں دانت گاڑھے اسے کسی بھی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نظر نہیں آ رہی تھی، جبکہ حملہ آور دھاڑیں مارتا اذیت سے ادھ موا ہو رہا تھا، اس کا ہاتھ لہو سے تربتر ہو چکا تھا، دانت گوشت پھاڑ کر ہڈی میں اترے جا رہے تھے، دوسری جانب وہ جو لوگوں

کے بیچ بچاؤ کی کوشش اور پکاروں پر بھی اتنے تحفظ کے لیے پر یقین نہیں تھی، ماں کی آواز سن کر ہی اس کے دماغ میں جلتے بھانبڑ کی شدت میں کچھ کمی آئی تھی، ماں کے لمس کو پہچانتے ہوئے اپنے حملہ آور کو کچا چبا جانے کی خواہش معدوم ہوئی تھی، اس کے جبڑوں کی سختی کم ہوتے ہی حملہ آور تڑپتا ہوا فرش پر گرا تھا، شعلہ بار آنکھوں سے اسے گھورتی وہ نمکین ذائقہ منہ میں گھلتا محسوس کر گئی تھی، وہاں موجود کسی بھی فرد کو کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، غم و غصے کے باوجود کچھ افراد زخمی کو ہسپتال لے جانے کے لئے اس کی جانب بڑھے تھے، جبکہ وہ تن کر سر اٹھائے کھڑی تھی، اس کا دامن صاف تھا، اسے مذاحمت اور اپنے بچاؤ کا پورا حق حاصل تھا، کوئی انگلی اس کی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی، یہ عزت و حرمت کا معاملہ تھا، اپنے گناہ گار کو اس نے جو سزا دی وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا، شدید نفرت سے اس نے منہ میں گھلتے سرخ سیال کو ایک طرف تھوک دیا تھا۔

☆☆☆

پارک میں دھیرے دھیرے شام اترتی نکھرتی جا رہی تھی، کھیلتے بچوں کا شور و غل سماعتوں کو بھلا لگ رہا تھا، دنیا جہان سے بے نیاز جوڑے جھیل کنارے بینچوں پر بیٹھے راز و نیاز میں مگن تھے، ان ہی میں سے ایک بینچ پر براجمان وہ سینے پر بازو باندھے جھیل کے شفاف پانی پر منڈلاتے سفید پرندوں کو دیکھ رہا تھا، اس وقت بھی وہ سوچ رہا تھا کہ یہ پرندے اس کے دیس کی فضاؤں سے گزرتے یہاں آئے ہوں گے، موسم بدلے گا تو یہ پھر واپسی کے لئے جب پر تولیں گے تو ضرور اس کے ملک کی سرحدوں سے گزریں گے، وہ ملک، وہ زمین جہاں اس کی جڑیں ہیں، جس کی مٹی کی خوشبو اس کی پہچان ہے، انسان بھی

کتنا عجیب ہے، اپنوں کے قریب رہ کر ان قدر نہیں جان پاتا، مگر جب اپنوں سے، اپنی زمین سے دور ہو جاتا ہے تو احساس ہوتا کہ اپنی زمین کی مٹی کی خوشبو میں کتنی سرشاری، کتنی طاقت ہوتی ہے، اپنوں کی قربت ان کی قدر کیا ہوتی ہے، اپنی مرضی سے وہ ملک بدر ہوا ہوتا تو شاید گزرے آٹھ سالوں میں اسے قرار آ جاتا مگر...... یہ سزائے دربدری تو اسے سنائی گئی تھی، ایک لغزش کی سزا۔

لغزشیں قابل تلافی ہوتی ہیں، کہیں نہ کہیں گنجائش نکل ہی آتی ہے مگر گنجائش دل میں نہیں رہتی، دل سے جو اتر گیا وہ واپس اپنے مقام تک دل کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتا، دل سے جو ایک بار نکل گیا، اس کا دوبارہ داخلہ ممنوع ہو جاتا ہے، یہ دل کا فیصلہ ہوتا ہے، دل رحم کر سکتا ہے، دل مجبور ہو سکتا ہے مگر کوئی لاکھ سر پٹخے ایک بار جس کے لئے دل نے اپنے دروازے بند کر لئے تو پھر کھلنا ناممکن ہوتا ہے، یہ جس وجود میں دھڑکتا ہے، اس کی بھی نہیں سنتا، یقیناً اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا تھا، گزرے عرصے میں اس کے بہن، بھائی، باپ سے چھپ کر اس سے رابطہ رکھتے رہے تھے، ماں کے سوا اسے کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی، اپنے باپ سے، خاندان کا کوئی فرد اس کے باپ کے خوف سے ہی بے دھڑک اس سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا، ایسی ہی چند مزید پابندیاں اس کی سزا میں اس کے باپ نے شامل کر رکھی تھیں، جس پر وہ اور اس کے گھر والے کاربند تھے۔

اپنی اس بھیانک غلطی کے بعد پہلی بار اس نے صحیح معنوں میں اپنے باپ کو پہچانا تھا، بھائی کی عزت کے لئے وہ اس کی جان لینے کے درپہ ہو گئے، بھائی کی لعن طعن پر ذلت و شرمساری سے وہ اپنی جان لینے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے، اس

کی ایک لغزش نے نہ صرف اس کے کردار اور ذات کو مسخ کیا تھا بلکہ دو گھرانوں کی جڑوں میں بھی زہر ڈال دیا تھا، در بدری کی سزا کاٹتے ہوئے اس نے ماہ و سال کے شمار رکھنے بھی چھوڑ دیئے تھے، ایک مشین کی طرح اجنبی فضاؤں میں زندگی گزارتے ہوئے اس کے احساسات، جذبات مر چکے تھے، یہ خلش البتہ بے چین رکھتی کہ اسے معافی مانگنے کا ایک موقع تک نہیں دیا گیا، اس کی التجاؤں کو سنا تک نہیں گیا تھا مگر اب اسے کسی سے اس چیز کی شکایت نہیں تھی، آہستہ آہستہ اپنے خول میں بند رہ کر اس نے زندہ رہنا سیکھ لیا تھا، شاید آگے بھی زندگی اسی طرح گزرتی رہتی اگر اسے اپنے باپ کی علالت کی خبر نہ ملتی، ماں اور بہن، بھائی اس سے ایسی باتیں شیئر کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے، وہ جانتا تھا، یہ بھی کہ گھر کے لئے بھی اس کے باپ نے اس کے لئے دروازے بند رکھے ہوئے ہیں، جانے کیوں اپنے باپ کی علالت خبر ملنے کے بعد اس کی چھٹی حس بار بار یہ الارم دے رہی تھی کہ ان کی بیماری معمولی نوعیت کی نہیں ہے، گھر والوں کی تسلی تشفی کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا، بہت عرصہ گزرا اس نے اپنے باپ کے سینے سے لگنے، ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے کی حسرت کو سلا دیا تھا، مگر اب یہ سب اچانک ناممکن لگنے لگا تھا، پہلی بار وہ کسی کی بھی رضا جانے بغیر واپس جانے کا حتمی فیصلہ کرنا چاہتا تھا، یہ فیصلہ کرنے کے بعد اسے ایک عجیب سی راحت ملی تھی، ایک عجیب سرکشی نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا، آخر وہ اپنے باپ کی آخری اولاد ہے، ان کا چہیتا بیٹا رہ چکا ہے، حالات نے ان کے دل کو سخت کیا تھا، قدرت نے نہیں، حالات کو بدلا جا سکتا ہے مگر قدرت کے فیصلے کو نہیں، حالات سے بھاگتے بھاگتے وہ تھک چکا تھا، اس کی وجہ سے اس کے باپ کا سر جھکا تھا، اپنی کوشش سے وہ ان کی نظروں میں سرخ رو ہونا چاہتا تھا، ان کے دل تک واپس پہنچنا چاہتا تھا، جو بویا تھا اسے کاٹنے کے لئے اب ہر صورت وہ واپس لوٹنے کے فیصلے پر عمل درآمد کرنا چاہتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اسے کسی کو اپنے فیصلے میں شامل کرنا، ہر کوشش کرنی تھی اس کی سپورٹ حاصل کرنے کے لئے۔

گہری سانس لے کر اس نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی تھی، ملگجا اندھیرا پھیل چکا تھا، پارک کی لائٹس آن ہوتی جا رہی تھیں، بوجھل دل کو سنبھالے وہ بینچ سے اٹھ گیا تھا، اک آخری نگاہ اس نے اپنے اپنے آشیانوں کی جانب اڑان بھرتے پرندوں پر ضرور ڈالی تھی۔

☆☆☆

''نہ کوئی تمہید، نہ کوئی واسطہ، نہ کوئی حوالہ ہے میرے پاس، بس اتنا کہنا ہے کہ تمہارے سہارے کے بغیر اپنے ملک میں قدم رکھنے کے لئے زمین تک نہیں ملے گی، میں سب سے کہہ کہہ کر تھک چکا ہوں، آج بہت امید کے ساتھ تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں واپس آنا چاہتا ہوں، جو سزا تم نے نہیں دی، اس کی رہائی تم سے مانگ رہا ہوں، جس طرح صحرا کی تپتی ریت، بارش کی بوندوں کے لئے ترستی ہے، تمہارے جواب کے انتظار میں میری کچھ ایسی ہی کیفیت رہے گی۔''

ایک بار نہیں، کئی بار وہ اس کی ای میل کو پڑھ چکی تھی، جو کچھ دھندلا چکا تھا وہ پھر تازہ ہو چکا تھا مگر اس کی تاثیر معدوم ہو چکی تھی، اسے یاد تھا۔

اپنے تایا کے پہلے بیٹے کی شادی اٹینڈ کرنے وہ سب اپنے آبائی شہر پہنچے تھے مگر پھر جو حالات رونما ہوئے اس کے بعد وہ شادی میں

شرکت کے لئے بنا، واپس اپنے شہر لوٹ گئے تھے، اس کے بعد نہ اس کے تایا کی فیملی سے کوئی رابطہ ہوا نہ ہی دوبارہ کبھی ان کے شہر میں اس کے گھر کے کسی فرد نے قدم رکھا، اپنے باپ کی فطرت کو وہ جانتی تھی، جو فیصلہ وہ کرلیں، ہر قیمت پر ان سب کو ہی اس پر عمل کرنا پڑتا تھا، دوسری جانب اس کے تایا بھی گرم مزاج اور سخت گیر فطرت کے مالک تھے، معاملات کچھ ایسے بگڑے کہ پھر نہ سنبھلے۔

رشتوں کا احترام ختم ہوا پھر جینا مرنا بھی ختم ہو گیا، اس کے باپ نے اپنی دونوں بہنوں کو بھی سختی سے تاکید کردی تھی کہ تایا کے گھر کے کسی فرد کا نام تک ان کے گھر میں وہ نہ لیں، بہر حال الگ الگ شہروں کے باوجود کوئی نہ کوئی اڑتی خبر یہاں سے وہاں تو ہوتی رہی تھی، کچھ دن پہلے اس کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچی کہ اس کے تایا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، کسی نے شاید محسوس نہ کیا ہو مگر اپنے باپ کی مضطرب کیفیت وہ محسوس کرگئی تھی، یہ حیرت کی بات نہیں تھی، ایک نہ ایک دن خون کو جوش مارنا ہی تھا، خون کی کشش ختم کیسے ہوسکتی تھی اور اب یہ ای میل جو اس کے لئے بالکل غیر متوقع تھی، کافی وقت تو اسے یہ یقین ہونے میں ہی لگا کہ یہ میل بھیجنے والا کون ہے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح سے کبھی رابطہ کرے گا، بہت سوچنے کے بعد اس نے اس بارے میں اپنے باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

کافی کے مگ اٹھائے وہ اسٹڈی میں داخل ہوئی تھی جہاں ارباب کریم کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے مگ ان کے سامنے ٹیبل پر رکھتی وہ قریب ہی کرسی پر براجمان ہوگئی تھی۔

''بوتیک میں کام کیسا جارہا ہے؟'' کتاب ایک طرف رکھتے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''ٹھیک جا رہا ہے سب، ایک کلیکشن مارکیٹ میں آرہا ہے بس اسی کی تیاری چل رہی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''ابو! آپ ناراض نہ ہوں تو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ متذبذب تھی۔

''بلا جھجک کہو، تم نے پہلے بھی کبھی ایسی کوئی بات یا عمل نہیں کیا جو میری ناراضی کا سبب بنے۔'' ان کے پر شفقت لہجے پر اس کی ڈھارس بندھی تھی۔

''ابو! آپ کو فون پر ہی کم از کم تایا ابو کی عیادت کرلینی چاہیے۔'' اس کی بات پر ارباب نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''آج اچانک تمہیں یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''کیونکہ بہت وقت گزر چکا ہے، آپ دونوں کو ایک دوسرے کو ناکردہ گناہ کی سزا دیتے دیتے، کسی کو تو پہل اب کرنی چاہیے، وہ بڑے ہیں، آپ ان کی طرف قدم بڑھائیں گے تو وہ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے، انہوں نے تو خود اسے سزا دی ہے جو ہمارا گناہ گار تھا، انہوں نے ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھا تو اپنی اولاد سے بھی منہ موڑے رکھا ہے، پورا خاندان اس چیز کا گواہ ہے، مجھے یہ چیز تکلیف دیتی ہے کہ آپ دونوں بھائیوں کے تعلقات ختم ہونے میں میرا نام بھی آتا ہے، آپ امی کی فکر نہ کریں وہ اس بات کی مخالفت نہیں کریں گی کہ آپ تایا ابو سے بات کریں۔'' اس کے التجائی لہجے پر ارباب کریم کچھ الجھے ہوئے تھے۔

''تمہاری بات قابل غور ہے مگر اس سے پہلے تم نے کبھی مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی،

آخر وہ کیا سبب ہے کہ تم میری ناراضی کے خدشے کے باوجود اپنے تایا کے بارے میں بات کر رہی ہو؟'' ارباب کریم کے سنجیدہ جانچتے لہجے پر وہ ایک پل کو رکی تھی۔

''ابو! دراصل آج اچانک مجھے غزنین کی ای میل ملی ہے۔'' کچھ جھجکتے ہوئے اس نے ساری بات ان کے گوش گزار کی تھی۔

''ابو! آپ تایا ابو کو زیادہ جانتے ہیں، آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غزنین نے بہت مجبور ہو کر اتنے عرصے بعد رابطہ کیا ہے تو اس لئے کہ وہ باقی سب کی طرف سے مایوس ہو چکا ہوگا، اسے مجھ سے زیادہ آپ کی مدد کی ضرورت ہے، میں یہ موقع کسی کو نہیں دینا چاہتی کہ کوئی ہمیں کم ظرف سمجھے۔'' وہ ان کے تاثرات نوٹ کرتی پر امید لہجے میں بولی تھی۔

''ملائکہ! تم چاہتی ہو کہ میں اس شخص کی مدد کروں جس نے میری عزت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اپنے ہی گھر میں نقب لگانے کی نیت کی۔'' ارباب سخت ناگواری سے بولے تھے۔

''اسے اس کے کیے کی سزا ملی ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ اسے مایوس نہ کریں، اللہ کی خوشنودی کے لئے اسے معاف کر دیں، وہ آپ کا اپنا خون ہے، اس سچ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، رشتوں کے درمیان دیواریں اٹھتی ہیں، گرتی ہیں، ان دیواروں کا اٹھنا بڑی بات نہیں، ان کو نہ گرنا بڑے نقصان کی بات ہے، ایک کوشش غزنین نے کی ہے تو ایک کوشش ہم بھی کیوں نہ کریں دیوار کو گرانے کی، کیا آپ یہ بھول گئے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' اس کے سمجھانے والے انداز پر ارباب کریم اس بار خاموش رہے تھے۔

☆☆☆

اسکرین پر بلنک کرتے نمبر نے اس کی دھڑکنوں کو بے تحاشہ بڑھا دیا تھا، کال ریسو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں لرزش نمایاں تھی۔

''ملائکہ بات کر رہی ہوں غزنین۔'' اس کی مستقل خاموشی پر ملائکہ کو پھر بولنا پڑا تھا۔

''ملائکہ! کیسی ہو تم؟'' وہ بمشکل بول سکا تھا۔

''بالکل ٹھیک...... اور تم؟ مصروف تو نہیں تھے؟''

''نہیں...... چچا جان کیسے ہیں؟'' اس کے حلق میں کوئی چیز اٹکنے لگی تھی۔

''یہ سوال تم خود ان سے کر لینا، ابھی مجھے یہ بتاؤ تمہیں واپس آنے میں کتنے دن لگ سکتے ہیں؟''

''مجھے اجازت نہیں وہاں آنے کی، آ بھی گیا تو گھر میں ابو داخل نہیں ہونے دیں گے۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولا تھا۔

''تم اپنے گھر نہیں، ہمارے گھر آؤ گے، فکر مت کرو، آگے بھی سب ٹھیک ہوگا، ابھی تم یہ بتاؤ صرف کہ کتنے دن لگ سکتے ہیں؟''

''میں تو آج ہی واپس آنا چاہتا ہوں، شاید ایک ہفتہ لگ جائے۔'' وہ بولا تھا۔

''اچھی بات ہے، پھر تم ابھی سے تیاری شروع کر دو واپس......''

''ملائکہ......'' وہ درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''ایک احسان اور کر دو، چچا جان سے بات کروا دو۔'' جانے کیا کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ ملائکہ نے فوراً اس کی خواہش پر عمل کیا تھا۔

سالوں سے اس نے اپنے باپ کی آواز نہیں سنی تھی، ترسے ہوئے کانوں میں باپ کے

لب و لہجے سے ملتی چچا کی آواز پہنچی تو وہ درد چھپا نہیں سکا تھا، پتہ ہی نہیں چلا کس لمحے آنکھیں چھلک گئیں۔
''چچا جان! مجھے معاف کر دیں۔'' گھٹی آواز میں وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا۔

☆☆☆

اس دن وہ معمول کی طرح بوتیک میں مصروف تھی جب اچانک غزنین کی کال آئی تھی۔
''کہاں ہو تم؟ ایک ہفتہ مکمل ہو چکا ہے۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی تھی۔
''ہاں، اسی لئے تو تمہارے شہر میں موجود ہوں۔''
''کیا، تم سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ دنگ ہوئی تھی۔
''ہاں میں پہنچ گیا ہوں، ایئر پورٹ سے ہی کال کر رہا ہوں۔''
''واقعی۔'' اس بار ملائکہ کے لہجے میں خوشی نمایاں تھی۔
''آنے سے پہلے کیوں نہیں بتایا، میں ابو کے ساتھ تمہیں ریسیو کرنے ایئر پورٹ تو پہنچ جاتی، ایسا کرو تم ہمارا انتظار کرو، میں ابھی ابو کے ساتھ......''
''نہیں، میں خود آ رہا ہوں، تم گھر پر ہو؟'' وہ درمیان میں بولا تھا۔
''نہیں، میں بوتیک میں ہوں۔''
''ٹھیک ہے، پھر مجھے بوتیک کا ایڈریس بتاؤ میں وہاں آتا ہوں۔''
''اس سے تو بہتر ہے گھر کا ایڈریس لے لو، میں بھی گھر پہنچتی ہوں۔''
''نہیں میں تمہارے ساتھ گھر جانا چاہتا ہوں، مجھے بوتیک کا ایڈریس بتاؤ۔'' اس کے کچھ اصرار پر ملائکہ نے ایڈریس بتا دیا تھا۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد غزنین کی دوبارہ کال آئی تھی۔
''پہنچ گئے؟'' اس کے لہجے کی بے چینی کو غزنین نے صاف طور پر محسوس کیا تھا۔
''ہاں، مگر میں بوتیک کے اندر نہیں آؤں گا، تم باہر آ جاؤ تو اچھا ہے۔''
''کوئی مسئلہ ہی نہیں، میں بس آ رہی ہوں۔''
''پہچان لو گی؟'' اس کے سوال پر وہ چونکی تھی۔
''ہاں، شاید یہ تو مسئلہ ہو سکتا ہے۔'' وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔
''ویسے تمہارے لئے بھی یہ مسئلہ ہو سکتا ہے۔''
''نہیں، میں تو تمہیں پہچان لوں گا۔'' اس کے پریقین لہجے پر وہ حیران ہوئی تھی۔
''مگر کیسے؟ نہ تو میں کسی تقریب میں کوئی تصویر بنواتی ہوں نہ ہی کسی سوشل سائٹ پر میری کوئی تصویر ہے۔''
''ہاں، لیکن میں پھر بھی تمہیں پہچان لوں گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ تم مجھے پہچانتی ہو یا نہیں۔''
''میں سمجھ گئی، لیکن میں بھی بہت ہوشیار ہوں، بوتیک سے کچھ خواتین نکلنے والی ہیں، ان کے ساتھ ہی نکلوں گی، تنہا نکلی تو تم سمجھ جاؤ گے۔''
''چلو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔'' وہ بولا تھا۔
''تمہارے اعتماد نے تو میرا اعتماد ڈانوا ڈول کر دیا ہے، سامنے تم خود سے نہیں آؤ گے، یہ تو بتا دو بوتیک سے نکل کر دائیں طرف جاؤں یا بائیں؟''
''جس طرف چاہوں چل پڑنا، تمہارے راستے میں، میں آ جاؤں گا، دیکھتے ہیں تم پہچان پاتی ہو یا نہیں۔'' غزنین کے چیلنج کرنے والے

انداز پر وہ بھی پر جوش ہو گئی تھی، وہ بوتیک سے تنہا نکلنے والی ایک کسٹمر کی طرف بڑھتی اس کے ہم قدم ہو گئی تھی جو اس کی ہم عمر ہی نظر آتی تھی، ملائکہ کی طرح اس نے بھی اسکارف سر پر لیا ہوا تھا اور بس ایک شولڈر بیگ کندھے پر موجود تھا، حالانکہ اس کا راستہ دائیں جانب تھا مگر اس لڑکی کو دائیں جانب جاتا دیکھ کر وہ نامحسوس انداز بائیں طرف نکل آئی تھی، یہ ایک مصروف شاہراہ تھی جس کے اطراف میں شاپنگ مالز اور ریسٹورنٹس وغیرہ تھے، شام کا وقت تھا لہٰذا ٹریفک کے ساتھ ساتھ لوگ بھی بے تحاشہ موجود تھے، چلتے چلتے مستقل اس کی کھوجتی نظریں آتے جاتے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھیں، حالانکہ اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا، بہرحال اسے یہ تسلی تھی کہ غزنین کے پاس کچھ نہ سہی کم از کم ایک سفری بیگ تو موجود ہو گا، اسی دوران اس کی نگاہ سامنے سے آتے ایک شخص پر ٹھہر گئی تھیں، دراز قامت، چہرے پر ہلکی سی فرنچ کٹ، وہ پتہ نہیں کس دھیان میں اور عجلت میں ہی ملائکہ کے برابر سے نکلا ہی تھا کہ وہ بے اختیار اسے پکار گئی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" ملائکہ کی آواز پر وہ جیسے زبردستی رکا تھا، جبکہ ملائکہ کو اب نظر آیا تھا کہ وہ شخص تو بالکل خالی ہاتھ ہے، اس کے بے طرح سنجیدہ تاثرات اور آنکھوں سے عیاں ہوتی اجنبی اور سوالیہ تاثرات پر ملائکہ کو شرمندگی نے آگھیرا تھا۔

"سوری، مجھے ذرا غلط فہمی ہو گئی تھی۔" کچھ گھبرا کر معذرت کرتی وہ سرعت سے آگے بڑھ گئی مگر چند قدم دور جا کر جانے کیوں اس نے ذرا جو گردن موڑ کر دیکھا تو بری طرح ٹھٹکتی رک گئی تھی۔

وہ وہیں رکا اس پر ہی نظر جمائے ہوئے تھا شاید اس نے ملائکہ کی معذرت قبول نہیں کی تھی، لبوں پر بے ساختہ بکھرتی مسکراہٹ کے ساتھ وہ واپس قدم بڑھاتی اس کے مقابل آئی تھی جو مسکراتی نظروں سے ہی اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو طے ہو گیا، چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری سے نہ جائے۔" ملائکہ نے مسکراتے ہوئے اس کے شرمندہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

"تمہارا سامان کہاں ہیں؟"

"وہاں، اس ٹیکسی میں۔" غزنین نے دور کسی ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"سامان وہاں، تم یہاں۔" وہ دنگ ہوئی تھی۔

"غزنین صاحب! ایسی لاپروائی تو یورپ میں بھی کوئی نہیں کرتا ہو گا، اب جلدی چلو ورنہ ہم تو یہاں ہو گے مگر سامان وہاں نہیں ہو گا۔" ہول کر بولتی وہ عجلت میں غزنین سے پہلے ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کے سارے اندیشے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، ارباب کریم کے گھر میں اس کا گرمجوشی کے ساتھ والہانہ استقبال ہوا تھا، غزنین کی آمد راز ہی تھی، یہاں تک کہ ملائکہ کی دونوں شادی شدہ بہنیں بھی اس بات سے بے خبر تھیں مگر گھر میں جتنے افراد تھے سب ہی بہت محبت اور احترام سے پیش آئے، یہاں تک کہ ملائکہ کی ماں اور اس کی چچی کی بھی زبان پر کوئی سخت جملہ یا شکایت نہیں آئی تھی، سب کے درمیان موجود رہ کر توجہ اور اپنائیت کو سمیٹتے ہوئے اسے آگے کے مراحل بھی بہت مشکل نہیں لگ رہے تھے، گھر کی خواتین نے خاص طور پر کھانے پر اس کے لئے خوب اہتمام کیا تھا، ایک منٹ کے لئے بھی اسے کسی نے تنہا نہیں چھوڑا، رات

گئے تک آگے کا پروگرام بھی ترتیب دے دیا گیا تھا، جس کے مطابق غزنین کو ایک دن مزید ان کے گھر رکنا تھا اور پھر تیسرے دن ملائکہ اور اس کے ماں باپ کے ہمراہ اپنے شہر اور اپنے گھر جانا تھا، مگر اس سے پہلے ہی کچھ ایسا ہو گیا جس نے اس کی سوچ کے زاویے کو ہی بدل کر رکھ دیا، اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی زندگی ایک نیا رخ اختیار کر لے گی۔

☆☆☆

خوف ایک کیفیت ہے، ایک ایسی طاقت ور کیفیت جو انسان کو مکمل اپنے حصار میں لے کر اس حد تک دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں، اس کیفیت سے گزرنے کے بعد جو پہلی سوچ، پہلا احساس دل، دماغ میں جاگتا ہے، وہی اس لمحے کی سب سے بڑی حقیقت اور سچائی ہوتی ہے، ملائکہ کے گھر میں آنے والی دوسری رات اسے خوف کی کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار کر گئی تھی، اب تک کی زندگی میں اس نے پہلے بھی خوف کے ایسے حملے کا سامنا نہیں کیا تھا۔

کافی رات گزر جانے کے باوجود بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی، دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے متوجہ کیا تھا، سامنے ہی ملائکہ حیران سی کھڑی تھی۔

''کمرے کی لائٹ آن دیکھی تو آنا پڑا، تم اب تک سوئے کیوں نہیں؟ طبیعت تو گڑبڑ نہیں؟'' اس کی تشویش پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، بس ذرا سر میں درد ہے اس لئے نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''اچھا تو پھر میں، تمہارے لئے درد کی ٹیبلیٹ لے کر آتی ہوں اور ساتھ ہی اچھی سی چائے بھی، افاقہ ہو گا۔''

''میری وجہ سے پریشان مت ہو درد زیادہ نہیں ہے، میں سو جاؤں گا۔'' اس نے روکنا چاہا تھا۔

''تکلف مت کرو، میرا بھی موڈ ہے چائے کا، تم لاؤنج میں ہی آ جاؤ، میں جب تک چائے تیار کرتی ہوں، تب تک تم ڈاکومنٹری دیکھو بہت اچھی ہے۔'' ملائکہ کے ان سنی کر دینے پر اسے ماننا ہی پڑا تھا۔

پانی کا گلاس اور ٹیبلیٹ دے کر ملائکہ کچن کی طرف چلی گئی تھی، چائے کے مگ سینٹرل ٹیبل پر رکھتے ہوئے ملائکہ نے حیرت سے اسے پکارا تھا جو آنکھوں پر بازو رکھے یقیناً سو گیا تھا، ملائکہ کو یہی ٹھیک لگا تھا کہ اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے، لاؤنج کی لائٹس اس نے آف کر کے بس ایک فینسی لائٹ آن رہنے دی تھی، صوفے پر نیم دراز غزنین کے قریب ہی نیچے پڑا ریموٹ اٹھاتے ہوئے اچانک ہی ملائکہ کی نگاہ اس کے ہاتھ پر موجود دانتوں کے گہرے نشان پر چند لمحوں کے لئے ٹھہر گئی تھی، کچھ عجیب سا محسوس کرتے ہوئے اس نے نگاہوں کا رخ بدل کر ریموٹ سے ٹی وی آف کیا تھا، ریموٹ ٹی وی ٹرالی پر رکھنے وہ اس جانب بڑھی تھی کہ یکدم اس کے وجود کو ایک جھٹکا لگا تھا۔

گھٹنوں کے بل گرتے ہی اس کا سر پیچھے کارپٹ سے جا ٹکرایا تھا، اس کے حلق سے کوئی آواز تک نہیں نکلی تھی، پتہ نہیں کتنے منٹ کے لئے اس پر غنودگی چھائی رہی تھی مگر آنکھ کھلتے ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ لاؤنج میں ہے گہری خاموشی اردگرد پھیلی تھی، نیند کے خمار میں ہی اس نے ایسے ہی اپنے اردگرد نگاہ ڈالی تھی، اگلے ہی پل وہ پورے وجود سے اچھلا تقریباً صوفے کی پشت پر

تھا، یہ دہشت ہی تو تھی کہ وہ صوفے پر چڑھ گیا تھا، اگر اس کے قدم ساتھ دیتے تو وہ صوفے کی پشت کو پھلانگ کر دور بھاگ جاتا مگر جو بھیانک منظر اس کے سامنے تھا، وہ اس کے حواسوں کو ہی نہیں اس کے وجود کو بھی سن کر چکا تھا، اس کے اعصاب مضبوط نہ ہوتے تو یقیناً وہ چیخ اٹھتا مگر وہ لرز ضرور گیا تھا، ایک خوف کی شدت بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہے، خوف کی ایک شدت وہ بھی ہوتی ہے جو پتھرا کر رکھ دیتی ہے، وہ بھی پتھر کی طرح ساکت رہ گیا تھا مگر دل خوف کی شدت سے سینہ پھاڑ کر باہر آنے کو تھا، پیچھے صوفے کی پشت کو پکڑے وہ آدھے اٹھنے اور آدھے بیٹھنے والی پوزیشن میں ساکت تھا، اردگرد پھیلا سناٹا پہلی بار ہیبت زدہ لگ رہا تھا، وحشت ناک نظریں اس پر ہی جمی تھیں جو پہلی نگاہ میں زرد روشنی میں کسی عفریت سے زیادہ دہشت ناک لگ رہی تھی، اس کے پیر گھٹنوں کی طرف مڑے ہوئے تھے۔

دونوں بازو عجیب طرح سے پشت کے نیچے دبے ہوئے تھے، اس کی تھوڑی بالکل چھت کی طرف اٹھی ہوئی تھی اتنی کہ اس کے سر کا اوپری حصہ کارپٹ سے لگا ہوا تھا، زرد روشنی میں اس کی غیر معمولی حد تک کھلی آنکھیں غزنین کی جانب تھیں مگر سیاہ پتلیاں کسی غیر مرئی شے پر مرکوز تھیں، وہ پلکیں جھپک ہی نہیں رہی تھی، اس کا مڑا، تڑا وجود کسی پتھر کی طرح ساکت و جامد تھا، غزنین کے ہواس مختل اور اعصاب شل ہی تھے، ایک ٹک ملائکہ کی جانب دیکھتا وہ بالآخر دھیرے دھیرے خوف کو پچھاڑنے کی کوشش کرتا صوفے سے کھسکتا نیچے کارپٹ پر آیا تھا، اس کا دل، دماغ خوف سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اس نے قدموں پر اٹھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، اس وقت اس کے لئے سب سے مشکل کام وہاں رکے رہنا تھا اور اس سے بھی زیادہ مشکل کام ملائکہ کی سمت دیکھنا اس کے قریب جانا تھا، گزرے ایک منٹ میں وہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا، کوئی چیز تھی جو اسے ملائکہ کی سمت کھینچ رہی تھی، یہ سچ تھا کہ اس سے خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ اسے اس طرح چھوڑ کر نہیں بھاگنا چاہتا تھا، اس کا حلق بالکل خشک تھا جب بہت ہمت کر کے پنجوں کے بل وہ ذرا ملائکہ کی سمت بڑھا تھا، اس کی طرف بڑھتے بڑھتے غزنین نے بمشکل لرزتے لہجے میں اس کا نام لے کر پکارا تھا مگر وہ تو بے جان، بے حس و حرکت اسی حالت میں تھی۔

''کسی بیماری کے دورے نہیں پڑتے اسے، آسیب زدہ ہے یہ ڈائن، میرے بیٹے پر بہتان باندھا جا رہا ہے، اس خون آشام بلا نے سب کے سامنے میرے بچے کا ہاتھ چبا ڈالا۔'' دور کہیں سے وہ اپنی ماں کی چیخ و پکار سن رہا تھا، ان کی آواز مستقل اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

لرزتے ہاتھوں سے غزنین نے اس کا چہرہ سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی، مگر اس کا وجود اکڑا ہوا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے نازک وجود کو توڑ مڑوڑ کر بہت اونچائی سے نیچے پٹخ دیا ہو، ذرا سی کوشش کے بعد وہ اس کا سر نارمل حالت میں لے آیا تھا، اس کے سرد برف جیسے چہرے کو چھوتے ہی غزنین کی کیفیت بدلنے لگی تھی، وہ کیفیت جس کا خوف سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ بس اذیت ناک حالت میں تھی اس میں اس کی گردن اور دیگر اعضاء متاثر ہو سکتے تھے، جس وقت غزنین نے اس کا سر ٹھیک کیا، اس کی آنکھ کے کنارے سے آنسوؤں کے قطرے پھسلے تھے، جن کو دیکھنے کے بعد غزنین نے اس کی

تکلیف کو صحیح معنوں میں محسوس کیا تھا، اس کی چھت پر جمی ساکت پتلیوں کو دیکھتے ہوئے غزنین نے چاہا تھا کہ اسے بتائے کہ وہ اس کے ساتھ ہے، اس کے قریب ہے، وہ اسے کچھ نہیں ہونے دے گا مگر...... شاید اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، خاموشی سب کچھ کہہ رہی تھی، سب کچھ سمجھا رہی تھی، زرد روشنی میں ملائکہ کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو چکا تھا، رحم، ہمدردی، اپنائیت جانے کون کون سے بے نام جذبوں کے ساتھ وہ اس کے سرد پیشانی کو سہلاتا، اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا، اگلے چند سیکنڈ میں اس نے اس تمام عرصے میں پہلی بار ملائکہ کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھا تو جیسے ہوش میں آیا تھا، یکدم اسے احساس ہوا تھا کہ یہ پوزیشن اس کے لئے بھی کتنی نازک ہے، اسے تنہا یہاں رکنے کے بجائے گھر کے کسی فرد کو بلانا چاہیے، اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے پر عمل کرتا یکدم اسے ملائکہ کے وجود میں حرکت دکھائی دی، اگلے ہی پل وہ ڈبڈبائی آنکھیں کھولتی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ اتنی لاغر دکھائی دے رہی تھی کہ غزنین سب کچھ بھلا کر اسے اٹھ کر بیٹھنے کے لئے سہارا دے گیا تھا، اس لمحے وہ ساکت رہ گیا تھا جب ملائکہ اٹھتے ہی اس کے بازو سے سر ٹکائے سسک اٹھی تھی، اس کے گرم آنسو اپنے بازو پر محسوس کرتے ہوئے غزنین کے دل کو کچھ ہوا تھا، اس کی گھٹی سسکیاں اس کے خوف، اذیت اور لاچاری کی گواہ تھیں، جو بے چین کرتیں غزنین کو اس کا چہرہ دیکھنے پر مجبور کر گئی تھی، کوئی چیز تھی اس کے آنسوؤں سے تر بتر چہرے پر کہ انجام کی پرواہ کیے بغیر غزنین نے لب اس کی پیشانی سے لگا دیئے تھے، ملائکہ کی سسکیاں حلق میں گھٹ گئی تھیں، اس کی جرأت پر وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتی بت بن گئی تھی۔

اس کے رخساروں اور ہونٹوں پر رکے آنسوؤں کے قطرے پوروں میں سمیٹتا وہ اس کی ساکت آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو اب؟'' غزنین کے نرم لہجے پر بھی اس کا سکتہ نہیں ٹوٹا تھا۔

''تمہیں پیاس لگی ہوگی، میں پانی لے کر آتا ہوں۔'' اس کے سامنے سے اٹھتا وہ تیز قدموں سے لاؤنج نکل گیا مگر جب پانی کی بائل اور گلاس اٹھائے واپس آیا تو لاؤنج میں کہیں بھی ملائکہ کا نام و نشان نہیں تھا، گہری سانس لے کر اس نے پانی کی بائل کو دیکھا تھا، اس پانی کی اسے بھی اشد ضرورت تھی، اپنی تکلیف تو انسان سہہ لیتا ہے مگر اپنے کسی بہت ہی خاص، اپنے کو تکلیف میں دیکھنا اسے محسوس کرنا۔

لق دق صحرا کو عبور کرنے کی جیسی اذیت سے دوچار کر دیتا ہے، ایسے ہی صحرا کی پیاس وہ محسوس کر رہا تھا، ان لمحات کی سب بڑی حقیقت، سب سے اہم سچائی یہی تھی کہ ملائکہ اس کے دل، اس کی زندگی میں سب سے خاص مقام پر موجود تھی، یہ مقام اس نے کب فتح کیا غزنین خود یہ نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک دیتا وہ اسے دیکھ سکتا تھا جو اپنا دوپٹہ پریس کرتے کرتے پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''میں بس تیار ہوں، جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی اتنا وقت لگ گیا۔'' بولتے ہوئے ملائکہ نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا تھا جو

اسٹڈی ٹیبل کے گرد رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔
''صبح سے تم دکھائی نہیں دیں، چچی جان نے بتایا تمہاری طبیعت کچھ ناساز ہے، اب کیسی ہو تم؟''

''ہاں، اب تو ٹھیک ہوں، تایا ابو کے گھر جانے کی خوشی نے طبیعت فریش کر دی۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی، جبکہ غزنین نے بغور اسے دیکھا تھا، ہلکی سی نقاہت اب بھی اس کے چہرے اور لہجے سے عیاں تھی مگر لائٹ سے میک اپ نے اس کے چہرے کو فریش کر دیا تھا، ادھ کھلے نم بال اس کی پشت پر چمک رہے تھے، کاٹن کے ایمبرائیڈ ڈ ہلکے اورنج کلر لباس میں وہ بہت نکھری نکھری سی نظر آئی تھی، یا پھر اسے ہی وہ پرکشش دکھائی دے رہی تھی، بہر حال جو بھی تھا کل رات سے اب تک کچھ چیزیں بدل چکی تھیں جو اس کے اختیار میں نہیں تھیں، ملائکہ خاموشی سے دوپٹہ پریس کرتی رہی تھی جبکہ وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتا پچھلے صحن میں کھلتی کھڑکی کے قریب آ گیا تھا، کاسنی رنگ کے نازک پھولوں والی بیل ہوا کے جھونکوں سے کھڑکی سے ٹکرا رہی تھی، کاسنی پھولوں کے گچھے کو چھوتے ہوئے غزنین نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا جو دوپٹہ شانوں پر ڈالتی وارڈ روب کی طرف جا رہی تھی۔
''جانتی ہو، کل رات میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔'' اس کے اچانک کہنے پر ملائکہ رکی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھے بغیر بالمقابل آ ٹھہری تھی۔
''ہاں مجھے اندازہ ہے، سوری میری وجہ سے تم کافی پریشان ہوئے۔''
''نہیں، تمہاری وجہ سے نہیں۔'' اس کے فوراً ہی کہنے پر ملائکہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
''جو میں نے اپنے اور تمہارے درمیان محسوس کیا، میں اس سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔'' اس کے گہرے لہجے پر ملائکہ کے تاثرات بدلے تھے۔
''کیا محسوس کیا، فی الحال میرے لئے یہ لفظوں میں بیان کرنا کٹھن ہے۔''
''پتہ نہیں، تم کیا کہہ رہے ہو، سمجھ سے باہر ہے۔'' اس کی آنکھوں میں چمکتی مسکراہٹ اور لہجے کی گہرائی سے گھبرا کر بولتی وہ سامنے سے ہٹ گئی تھی، چند لمحوں تک وہ اس کو دیکھتا رہا تھا جو ڈریسنگ کے قریب اپنے بیگ میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔
''تمہارے ساتھ اب تک وہ پرابلم ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا، کوئی ٹریٹمنٹ چل رہا ہے؟''
وہ پوچھ رہا تھا۔
''وہ تو بچپن سے ہی چل رہا ہے، بس اب میں ہی پابندی سے جاری نہیں کر پاتی، ویسے بھی وقت کے ساتھ ساتھ یہ پرابلم کم ہوتی جا رہی ہے، پچھلے سال صرف دو بار ایسا اٹیک ہوا تھا۔''
وہ سرسری انداز میں بتا رہی تھی۔
''میں دعا کروں گا کہ تمہیں مکمل ایسے اٹیک سے نجات مل جائے، میں دوبارہ کبھی تمہیں اتنی تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔'' کچھ تھا اس کے مدھم لہجے میں کہ ملائکہ اس سے نگاہیں نہیں چرا سکتی تھی۔
''اگر تم تیار ہو تو چلیں۔'' رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا وہ بولا تھا جواباً ملائکہ نے غائب دماغی سے اثبات میں سر ہلا کر بیگ کاندھے پر ڈالا تھا اور اس کے ساتھ ہی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اسے احساس ہوا تھا کہ گزرا تمام وقت رائیگاں نہیں گیا تھا، یہ عرصہ تو واپس اپنوں کے دل تک کی رسائی حاصل کرنے کا ایک راستہ تھا جو

اس نے کڑے مصائب کے ساتھ ہموار کرلیا تھا، اس دوران جو کچھ اس نے وقت اور حالات سے سیکھا، سہا، برداشت کیا وہ سب اس کی آگے کی زندگی کے لئے بہت کارآمد تھا۔

اس کی اچانک آمد اس کے گھرانے کے لئے حیرت کا شدید جھٹکا تھی، وہ شکر گزار تھا، ملائکہ اور اس کے ماں باپ کا، جن کی وجہ سے اس نے اپنے باپ کا سامنا کرنے کا کٹھن مرحلہ بھی طے کرلیا، بھائی اور بیٹے کو ساتھ اپنے سامنے دیکھ کر وہ تو گنگ ہو گئے تھے مگر جب آنکھوں پر یقین آیا انہوں نے بھائی اور بیٹے کو ایک ساتھ سینے سے لگا کر سالوں کی گرد دھو ڈالی تھی، یہ ملاپ ایک نہ ایک دن تو ہونا تھا اور یہی وقت مقرر تھا۔

☆☆☆

کثافتوں سے پاک صبح خیزی کی مدھم خنک ہوا میں وہ چھت کی کھلی فضا میں ٹہلتا، اپنے رب کا شکر گزار تھا۔

پرندوں کی چہچہاہٹوں کو سنتے ہوئے اس کی نگاہ نیچے لان تک گئی تھی، وہ یقیناً ملائکہ ہی تھی جو چہل قدمی کے لئے باہر آئی تھی، باؤنڈری پر ہاتھ ٹکائے قدرے جھکا وہ اسے ہی دیکھے گیا تھا۔

یہاں آنے کے بعد سب کے درمیان بھی وہ خود سے ملائکہ کی لاتعلقی کو، گریز کو محسوس کر گیا تھا، وہ اس سے نگاہ تک نہیں ملا رہی تھی، کجا کہ مخاطب کرتی اور وہ حیران نہیں تھا مگر اس رات کی دو مختلف کیفیات سے گزرنے کے بعد جو خاموش جذباتی تعلق ملائکہ سے بندھ چکا تھا، وہ اس سے نگاہ نہیں چرا سکتا تھا۔

شاید اس کی نگاہوں کا ہی اثر تھا کہ ملائکہ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گئی تھی، اگلے چند لمحوں میں غزنین نے اسے چھت کی طرف آتے سیڑھیاں طے کرتے دیکھا تھا، سفید لباس میں سفید ہی دوپٹہ سر اور شانوں پر ڈالے وہ سادہ سے روپ میں اس کے سامنے آرکی تھی، آج سے پہلے غزنین کو کبھی کوئی صبح اتنی خوبصورت اور جاذب نظر نہیں لگی تھی۔

''اب خوش ہو تم؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں اور اس کے لئے میں تم سب کا احسان مند رہوں گا، اگر تم سب مجھے معاف کر کے قبول نہ کرتے تو آج بھی میں دور کہیں پچھتاوے کی آگ میں جلتا خالی ہاتھ بیٹھا ہوتا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ایک عمل ساری زندگی پر بھاری پڑ سکتا ہے، اگر تم نے آٹھ سال اپنے ایک عمل کی بدولت سزا کے طور پر کاٹے تو آزاد میں بھی نہیں رہی تھی، تمہیں مزاحمت کا حق تھا مگر کسی کی جان لینے کا نہیں، کوئی بھی یقین نہیں میرے اس عمل کے بعد کہ میں نارمل ہوں یا آسیب زدہ، اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک میری شادی ہو چکی ہوتی اور امی، ابو میری طرف سے بے سکون نہیں ہوتے۔'' اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ بولی تھی۔

''میں اس چیز کے لئے بھی تمہارے سامنے شرمسار ہوں گا کہ میری وجہ سے تمہارے بارے میں غلط باتیں پھیلی ہیں اور اس سب میں میرے گھر کے کچھ افراد کا بھی ہاتھ رہا ہے۔'' وہ کچھ ندامت سے قبول کر رہا تھا۔

''اب وہ سب دہرانے سے کچھ حاصل نہیں، اب وقت بدل چکا ہے، میں خوش ہوں کہ میں نے تمہیں مایوس نہیں کیا، تم نے جو چاہا وہ ہو گیا، اب تم ایک اچھی زندگی کی شروعات کر رہے ہو۔'' ملائکہ نے موضوع بدلا تھا۔

''ہاں اور ایک اچھی زندگی کی شروعات اور زیادہ اچھی ہو جائے اگر اس کی شروعات میں

تمہارے ساتھ مل کر کروں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم کچھ زیادہ جذباتی ہو رہے ہو جبکہ میری زندگی میں کسی جذباتی فیصلے کی جگہ نہیں۔'' وہ کچھ ناگواری سے جتا گئی تھی۔

''جذبات اور احساسات کے بغیر زندگی کا تصور کر سکتی ہو تم؟'' وہ بغور اس کے تاثرات دیکھتا بولا تھا۔

''غزنین! ایک طویل مدت کے بعد دو گھر ملے ہیں، ان کے درمیان پھر سے آگ لگانے کی کوشش مت کرو، فضول چیزیں دماغ سے نکال کر اپنی سوچ کا رخ بدلو۔'' وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں، آگ نہیں، بس کسی کے دل میں اپنی چاہت کے دیے روشن کرنا چاہتا ہوں، سوچ کا رخ بدلنے کا کوئی فائدہ نہیں، ہر رخ پر تم موجود ہو، بتاؤ کہاں جاؤں؟'' اس کے سوال پر ملائکہ زچ ہوتی جانے کے لئے پلٹ گئی تھی کہ غزنین نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام کر واپس اپنے مقابل کیا تھا۔

''میرے سوال کا جواب دے کر جاؤ۔''

اس کی ساکت نظروں میں دیکھتا وہ بولا تھا، ملائکہ رکی سانس کے ساتھ کچھ بول نہیں سکی تھی نہ ہی اس کی گہری نگاہوں میں بولتے جذبوں کی تاب لا سکی تھی، اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتی وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اگلے روز روانگی تھی، ملائکہ کی کوشش تھی کہ اس سے دوبارہ ٹکراؤ نہ ہو مگر عین وقت پر وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کے روبرو آ کھڑا ہوا تھا۔

''اب تم تک پہنچنے کے لئے راستہ ہموار کرنا ہوگا، مگر میں جانتا ہوں اس میں زیادہ دشواری نہیں ہوگی، ویسے تمہیں یہ بہت عجیب لگے مگر سچ تو یہ ہے کہ میرے لئے تمہاری مرضی سے زیادہ تمہارا ساتھ اہم ہے، جو میں حاصل کر کے رہوں گا۔'' اس کے پریقین لہجے پر ملائکہ نے بس ایک نگاہ اس کی مسکراتی نظروں میں دیکھا تھا، زبان سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔

☆☆☆

ایک لفظ تک بھلے ہی اس نے نہ کہا ہو مگر اپنے عمل سے اس نے یہ باور کروا دیا کہ جو غزنین چاہتا ہے وہ اس کی چاہت نہیں، جب ہی تو اس نے ایک بار بھی اس کی کال ریسو نہیں کی جبکہ غزنین کسی معمول کی طرح صبح، دوپہر، شام مستقل مزاجی سے اسے کال کرتا رہا تھا اور یہ سلسلہ جاری تھا۔

رمضان کا رحمتوں بھرا مقدس مہینہ شروع ہو چکا تھا مگر گھر کے اندر جو کھچڑی پک رہی تھی، وہ اس کے مزاج کو برہم رکھے ہوئے تھی، اپنی ماں سے اس کے تعلقات کشیدہ چل رہے تھے جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں تناؤ قائم تھا، ارباب کریم سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر کسی مصلحت کے تحت خاموش تھے، ملائکہ کو ان کی یہ خاموشی بہت کھل رہی تھی، اس سب سے فرار کے لئے یہ غنیمت تھا کہ بوتیک میں اس کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں مگر ایک لاوا تھا جو اس کے اندر پک رہا تھا۔

رمضان کا دوسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا جب اس رات معمول کی طرح غزنین کی کال آئی تھی، ہر بار کی طرح ملائکہ وہ کال نظر انداز نہیں کر سکی تھی، ضبط ختم ہو چکا تھا لہٰذا اس کی کال ریسیو کرتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔

''تمہیں سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا چاہتی ہوں، زبان سے انکار کرنا کیا اب بھی ضروری ہے، آخر یہ سب کر کے تم ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''السلام وعلیکم!'' جواباً اس کے پرسکون لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا، دوسری بات یہ کہ انکار کے لئے زبان کھولنا بھی مت ورنہ سب کی خوشی غارت ہو جائے گی اور میں نے تو انکار سن کر ویسے ہی تباہ ہو جانا ہے۔''

''میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ، اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم یہ سب کرو گے تو کبھی ابو سے تمہاری بات نہ کرواتی، اپنے باپ سے ملنے کی حسرت لئے گزر جاتے دنیا سے۔''

''توبہ، لوگ معاف کر کے بھی دل میں بغض رکھتے ہیں، وہ بھی رمضان کے مہینے میں، ویسے لگتا ہے آج تمہارے شہر کا موسم کافی گرم تھا جبکہ روزہ تو تھا ہی طویل۔''

''غزنین! میں مذاق نہیں برداشت کروں گی، میرے دل میں کوئی بغض نہیں اگر میں نے تم پر کوئی احسان کیا بھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس احسان کا بدلہ تم مجھ پر ترس کھا کر اتارو، مجھے تمہارے رحم کی ضرورت نہیں، خاندان بھر کی واہ واہ سمیٹنے کے لئے تم مجھے مہرہ مت بناؤ، اگر تم نے اس معاملے کو ختم نہیں کیا تو میں خود تایا ابو کو فون کروں گی۔'' وہ بگڑے لہجے میں دھمکا گئی تھی۔

''ملائکہ! ایک بات ذہن نشین کر لو کہ مجھے نہ کسی کی واہ واہ سمیٹنے کی خواہش ہے نہ ہی تم قابل رحم ہو، اگر تم میرے جذبات کو نہیں خاطر میں لانا چاہتیں تو نہ کرو ان کی قدر لیکن اس طرح ان جذبات کو مجروح نہ کرو، اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہیں کسی دباؤ میں لا کر تم پر مسلط ہونا چاہتا ہوں تو یہ خدشہ دل سے نکال دو، تمہارے دل میں جو کچھ ہے، جو تمہاری مرضی ہے، وہ سب براہ راست مجھ سے کہنا، میں سب سنوں گا، مانوں گا، کچھ دن میں امی، ابو تمہارے گھر آئیں گے، ان سے کچھ کہنے سے پہلے ایک بار اپنے ماں باپ کی طرف بھی دیکھ لینا، مجھے تم پر پورا یقین ہے کہ تم میرے اور اپنے ماں باپ کی دل آزاری نہیں کرو گی، میں اب بار بار کال کر کے تمہیں پریشان نہیں کروں گا، میرے پہنچنے تک خاموشی سے اس معاملے پر مزید سوچو، پھر جو فیصلہ تمہارا ہوگا، وہ مجھے قبول ہوگا، بس یہ درخواست ہے کہ اپنا فیصلہ میری آنکھوں میں دیکھ کر سنانا۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر ملائکہ نے کچھ بھی کہے بغیر لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

☆☆☆

آخری عشرے کا پہلا روزہ تھا، وہ بوتیک میں تھی جب اچانک بھائی کی آمد ہوئی، اس اطلاع کے ساتھ کہ اس کے تایا، تائی گھر آئے ہوئے ہیں، ظاہر ہے پھر بوتیک میں رکنا ناممکن تھا، گھر پہنچنے تک اسے یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ تایا وغیرہ کی آمد معمولی نوعیت کی نہیں ہے اور یہ ٹھیک بھی تھا، تایا، تائی کے علاوہ ان کی بڑی بہو اور بڑی بیٹی بھی ساتھ موجود تھیں، ان کے والہانہ انداز اور گرمجوشی کے ساتھ ساتھ جو وہ دیکھ رہی تھی وہ سب اس کی زبان گنگ کر گئے تھے، اس کی ماں کے مطابق ان کی کسی بیٹی کی اتنی شاندار عیدی سسرال سے نہیں آئی تھی، سب بہت خوش تھے، گھر میں رونق سی بکھری تھی، افطار کا لطف دوبالا ہو گیا تھا، اس کی خاموشی کو یقیناً شرم و حیا پر معمول کیا ہوگا، جبکہ حقیقتاً یہ سب اس کے لئے شاک تھا، اسے یہی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کیسا ردعمل رکھنا چاہیے، کیا سوچنا اور کیا سمجھنا چاہیے؟

رات میں وہ سب عید کے دوسرے دن کی دعوت دے کر واپسی کے لئے روانہ ہو گئے تھے، ملائکہ کا ماؤف دماغ ٹھکانے پہ آنے لگا تھا، وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے ماں باپ کتنے خوش اور

مطمئن نظر آ رہے تھے، سب کی خاطر وہ خاموشی سے سب کے درمیان بیٹھی اپنے عیدی میں آئے لوازمات کو دیکھتی اور بھابیوں کی تعریفیں سنتی رہی تھی۔

☆☆☆

پیشانی پر ابھرتے لمس نے ایک بار پھر اسے کروٹ بدلنے پر مجبور کر دیا تھا، راہ فرار ملنا ناممکن لگ رہا تھا، غزنین کی یقین دہانی اب ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی، دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، دبے قدموں وہ کمرے سے نکلتی ڈرائنگ روم تک آئی تھی، لائٹ آن کر کے وہ خالی خالی نظروں سے عیدی میں آنے والے لوازمات کو دیکھ رہی تھی، جو اس لئے سجا دیئے گئے تھے تاکہ کل اس کی بہنیں بھی آ کر ان چیزوں کو دیکھ لیں۔

عقب سے ابھرتی آہٹ پر اس نے پلٹ کر اندر آتے ارباب کریم کو دیکھا تھا، ضبط ختم ہو گیا تھا، دل بھر آیا سو ان کے مہربان سینے سے لگ کر بے آواز آنسو بہانے شروع کر دیئے تھے۔

”میں جانتا ہوں بیٹا تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے، خاموش اس لئے تھا کہ میں انتظار کر رہا تھا کہ میری بیٹی مجھ سے ضرور کوئی مشورہ لے گی اپنی پریشانیوں کا ذکر مجھ سے کرے گی مگر تم نے مجھے پہلی بار بہت مایوس کیا۔“ ان کی شکایت پر ملائکہ نے دھندلائی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

”مجھے لگا کہ امی کی طرح آپ کو بھی میرا انکار پسند نہیں آئے گا، آخر غزنین کسی اچھی لڑکی کو بھی تو اپنے لئے چن سکتا ہے۔“

”کیوں آخر میری بیٹی میں کیا برائی ہے؟“ انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

”جو بات تمہیں مجھ سے شیئر کرنی چاہیے تھی وہ غزنین نے مجھ سے شیئر کی، اپنے دل سے سارے خدشات نکال دو، کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ میں مطمئن ہوں، جب انسان خود کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو تو اسے اللہ سے رجوع کرنا چاہیے، وہ اپنے بندوں کو بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے، میں اس لئے مطمئن ہوں کہ میں استغفار کر چکا ہوں، جبکہ تم یہ عمل بھی بھول کر خود کو پریشانی میں مبتلا کیے ہوئے ہو۔“

”یہ غلطی تو مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔“ وہ ندامت سے بولی تھی۔

”مجھے اللہ پر ہمیشہ مکمل بھروسہ رہا ہے اس لئے میں نے سب اس کی مرضی پر چھوڑ دیا، آپ مطمئن ہیں تو...... تو میرے لئے کافی ہے۔“ نظر جھکائے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

”خوش رہو۔“ ارباب کریم نے سکھ کی سانس لے کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

☆☆☆

چاند رات سے ہی لاشعوری طور پر اسے انتظار رہا تھا کہ غزنین اسے کال کرے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

اس وقت وہ بوتیک جانے کی تیاری کر رہی تھی، جہاں عید کے لئے خصوصی طور پر ایک چھوٹی سی گیٹ ٹوگیدر اور ڈنر کا اہتمام تھا۔

غزنین کی ماں اور اپنی تائی کی ہدایت پر ان کے لائے ہوئے لباس اور دیگر چیزیں خاص طور پر آج زیب تن کی تھیں، سبز رنگ کے نفیس دیدہ زیب لباس میں ہم رنگ جھلملاتے دوپٹے کو سلیقے سے شانوں پر سجا کر اس نے ایئرنگز کانوں میں پہنے تھے، ادھ کھلے تراشیدہ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے آخری تنقیدی جائزہ لیا تھا، موقع کی مناسبت سے کچھ ڈارک میک اپ میں اس کا چہرہ بہت دلکش دکھائی دے رہا تھا، ویسے بھی اندر کا موسم ہنستا مسکراتا، سرشار اور

خوشگوار ہو تو چہرے پر اداسی کی رمق تک باقی نہیں رہتی۔

دستک کی آواز پر وہ چونک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل دھڑکن رک سی گئی تھی، اس پر نگاہ پڑتے ہی ایک پل کو غزنین بھی ٹھٹکا تھا، سر سے پیر تک سفر کرتی اس کی بس ایک ہی گہری نگاہ پر ملائکہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ گڑبڑا کر کھڑکی کی سمت چلی گئی تھی اور پردے ایک طرف ہٹا دیئے تھے، کھڑکی سے ٹکراتے کاسنی پھولوں کی مسحور کن مہک ہوا کے مدھم دوش پر کمرے کی فضا میں پھیل گئی تھی۔

''السلام و علیکم! عید مبارک۔'' ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے غزنین نے مخاطب کرنے میں پہل کی تھی مگر نہ اس نے پلٹ کر دیکھا نہ خاموشی توڑی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت ناراض ہو، کچھ بھی کہنے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ چچا جان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن رہوں، تم سے مزید کوئی مباحثہ نہ کروں لہٰذا ان کی بات مانتے ہوئے، تمہیں خاموش رکھنے کے لئے مجھے کچھ غلط بیانی کرنی پڑی تھی۔'' اس کے شرمندہ لہجے پر بھی ملائکہ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

''تمہاری ناراضی بالکل جائز ہے، تم نے میرے لئے اپنے ظرف کو وسیع کیا، سب کچھ بھلا کر میرے لئے حالات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی باوجود اس کے کہ میں تمہارے اعتبار کے قابل نہ تھا اور نہ ہی میں تمہارے قابل ہوں، لیکن ایک سچ یہ بھی ہے کہ جس قدر میں نے تمہیں سوچا ہے اس قدر کسی اور کو بھی نہیں سوچا۔'' اس کے گمبھیر لہجے پر ملائکہ نے اس بار اسے دیکھا تھا۔

''نہیں، غلط مت سمجھو، میں تم سے کسی افلاطونی اور اچانک ہو جانے والی کسی محبت کا دعویٰ کرنے نہیں آیا، ان فیکٹ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرا اعتبار کرو، میں نے بہت کوشش کی کہ تمہاری مرضی کے خلاف نہ جاؤں مگر میں نظر انداز نہیں کر سکا اس تعلق کو جو میرے دل کا تم سے بندھ گیا ہے جس نے مجھے یہ جرأت دی کہ میں تمہاری تکلیف کو محسوس کر سکوں، ماضی اور حال میں بہت فرق ہے، ماضی میں میری بدنیتی کا عمل دخل رہا تھا مگر اس رات تمہیں چھونے کی خواہش میں کوئی اور ہی جذبہ تھا، سچائی تھی، پاکیزگی تھی، میں تمہیں یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے قریب ہوں تمہارے ساتھ ہوں، اس تکلیف میں تم تنہا نہیں ہو ملائکہ، کیا یہ سب کچھ ایک بار بھی ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں محسوس نہیں ہوا تھا؟'' اس کے مدھم لہجے پر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔

''مجھے جواب چاہیے ملائکہ۔'' اس کی پشت پر چمکتے سیاہ بالوں پر نظر جمائے وہ پوچھ رہا تھا، گہری سانس لے کر ملائکہ نے پلٹ کر اس آنکھوں میں روشن امید کو بغور دیکھا تھا۔

''اگر میں کہوں کہ ہاں، جو سب تم نے اس رات کے حوالے سے کہا ہے، وہ سب میں نے محسوس کر لیا تھا تو پھر؟'' وہ جواباً سوال بھی کر رہی تھی۔

''تو پھر تمہارا یہ کہنا ہی مجھے میری نظروں میں سرخرو کر دے گا، میرا ضمیر مطمئن رہے گا کہ تم نے اس سب کو غلط رنگ نہیں دیا جبکہ مجھ پر تمہارا اعتبار کرنا تمہارے لئے دشوار بھی تھا۔''

''میں بند آنکھوں سے بھی تمہاری نیت اور ارادوں کو بھانپ لینے کا تجربہ رکھتی ہوں، دونوں

بار میں نے تمہارا مختلف روپ دیکھا، اس بار کسی مزاحمت کی نہ میرے اندر طاقت تھی نہ اس کی ضرورت تھی، اٹیک کے بعد مجھے جس پناہ کی جس سہارے کی ضرورت تھی، میری اس ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے تم نے یہ تک پرواہ نہیں کی کہ یہ تمہارے حق میں برا ہو سکتا تھا، تم پھر وہیں پہنچ سکتے تھے جہاں سے چلے تھے، لیکن جو بھی تھا اس بار میں نے تمہارے اندر کے اچھے انسان ضرور پا لیا ہے۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔

''اگر ایسا ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے، ہاں مگر واقعی میں نے کسی احتیاط کے بارے میں نہیں سوچا تھا، بس اتنا یاد رہا کہ تم تکلیف میں ہو، میں اپنی نام نہاد پارسائی پر حرف آنے کے ڈر سے تمہیں چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر ملائکہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''اور اگر میرا آسیب تمہیں چڑھ جاتا تو؟'' وہ مسکراہٹ چھپائے پوچھ رہی تھی۔

''وہ تو سالوں پہلے چڑھ گیا تھا محترمہ۔''

ہزاروں پیر بدلے مگر
تیرا سایا نہیں جاتا

اس کی مسکراتی نظروں پر وہ نگاہ چرا گئی تھی۔

''بہت مدت بعد اتنی خوبصورت اور مکمل عید نصیب ہوئی ہے، صرف تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں، عید کی مبارکباد بھی نہیں دو گی؟''

''عید کی بہت بہت مبارکباد، ویسے یہاں تک آ کر تم نے کوئی احسان تو نہیں کیا۔'' اس کے جتانے پر وہ مسکرایا تھا۔

''ہرگز نہیں، ویسے شکر ہے حالات سازگار ہیں، بڑی دعائیں، التجائیں کی تھیں اللہ سے، تمہارا انکار سننے کی سکت جو نہیں تھی۔''

☆☆☆

☆☆☆

''مگر تم نے تو کہا تھا کہ میں انکار کروں یا انکار، جو بھی، تم قبول کرو گے، مانو گے۔'' وہ یاد دلا رہی تھی۔

''میرا یقین کرو، یہ میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''یقین کرنا پڑے گا تم نے بڑی لگن سے دعائیں، التجائیں کی ہوں گی۔'' وہ خفت زدہ لہجے میں بولی تھی۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں، ہر نماز میں، اللہ سے تمہیں مانگتا رہا ہوں، یہی التجاء کی کہ میرے پروردگار، یہ میری انا، میری مردانگی کے خلاف ہے کہ ایک عورت کے سامنے تاعمر میرا سر جھکا رہے مگر میرا عمل کچھ ایسے ہیں کہ میں اس عورت کے سامنے اپنا سر اٹھانا بھی نہیں چاہتا نہ ہی کبھی میری آواز اس کے سامنے بلند ہو سکتی ہے، میرے رب، آپ نے ہی اس عورت کو ذریعہ بنایا کہ اس کی وجہ سے آج میں واپس اپنی خوشیوں اور جنت میں لوٹ آیا ہوں، تو پھر میرے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنی خوشیوں، اپنی جنت میں اس عورت کے علاوہ کسی کو داخل ہونے دوں، اس کے علاوہ کسی کو دیکھوں، اس کے علاوہ کسی کو سوچوں یا چاہوں، اسے حق ہے مجھ پر اختیار رکھنے کا، میں اس کی مرضی سے سانس لوں، وہ جو کہے میں کروں، وہ جس سانچے میں مجھے ڈھالنا چاہے میں ڈھل جاؤں، بس تو پھر میرے اللہ بے شک آپ ہی اس عورت کے دل کو میرے لئے نرم کرنے والے ہیں، میں اس معاملے میں بے بس ہوں کیونکہ وہ عورت میرے بس کی نہیں ہے، آپ ہی میری چاہت اس کے دل میں ڈالیں اگر یہ آپ کو پسند ہو ورنہ پھر اس کا خیال بھی میرے دل سے نکال دیجئے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولتا چلا گیا تھا جبکہ ملائکہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

''پتہ ہے، ایک دعا اور بھی مانگی تھی اور وہ یہ کہ میں تم سے اس بار کسی اور کی نہیں اپنی ذاتی حجلہ عروسی میں ملوں اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہ صرف انسانیت اور قدرت کے اصولوں کے تحت پیش آئیں بلکہ عزت و احترام کے اصولوں پر بھی کاربند رہیں۔'' اس کے مزید کہنے پر وہ جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی جبکہ غزنین بس مسکراتی نظروں سے اس کے جھلملاتے چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔

جھلمل کرتا روشن روشن
داغ ہوئے سب ماند
کتنا دلکش عید کا پورا چاند

''بہت اچھی لگتی ہو تم ہنستے ہوئے، مجھ سے عیدی مانگو ورنہ نظر لگا دوں گا۔'' اس کے شوخ لہجے اور شرارتی نظروں پر وہ مزید ہنستی سرخ ہوتا چہرہ حنائی ہاتھوں میں چھپا گئی تھی، اس کی جلترنگ ہنسی کی جھنکار غزنین کو ہلکا پھلکا اور سرشار کر رہی تھی، تمام بوجھ اتر چکے تھے، زندگی میں جب یقین ہونے لگتا ہے کہ اب کچھ اچھا نہیں ہو سکتا، اب کچھ نہیں بدل سکتا تو اس یقین کی حد کے بعد ہی کچھ اچھا ہو جاتا ہے، کچھ ایسا جس کی بدولت سب کچھ بدل جاتا ہے، اس عید پر ان دونوں کے دل کے بدلتے آسمان پر محبت کا پورا چاند اپنی آب و تاب سے جگمگا اٹھا تھا۔

☆☆☆

سویرا فلک

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔'' اس محاورے کا مفہوم علینہ کو پورے سیاق وسباق کے ساتھ اس وقت سمجھ آیا جب اسے سطوت بیگم کی آمد کا مژدہ سنایا گیا۔

''اب کیا تک بنتی ہے؟ چین نہیں ان لوگوں کو بھی، جب باہمی رضا مندی سے رشتہ طے ہوگیا، باقاعدہ منگنی بھی ہوگئی ہے، تو اب بر دکھاوے کا سلسلہ پھر سے کیوں چلایا جارہا ہے۔'' علینہ سے چھوٹی عمارہ نے کباب کی ٹکیاں بناتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر قورمہ کے لئے نفاست سے پیاز کاٹتی ماں کی طرف دیکھا تو انہوں نے تیز آواز اور تند لہجے میں بیٹی کے ناگوار انداز کو ٹوک دیا۔

''تم چپ رہو، ہر بات میں بحث نہیں کیا کرو اور منگنی تو کیا یہاں تو نکاح تک کی حیثیت سے انکاری رہتے ہیں لوگ اور پھر جب معاملہ پسند کی شادی کا ہو تو مزید نزاکت پکڑ لیتا ہے۔'' عالیہ بیگم نے کٹی ہوئی پیاز گرم تیل سے بھری کڑاہی میں ڈال کر ترچھی نگاہوں سے ٹرائفل کے لئے فروٹ کاٹتی علینہ کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔

''مگر امی یہ تو زیادتی ہے، شادی پسند کی ضرور ہے مگر بڑوں کی رضامندی سے رشتہ ہوا ہے، کوئی کورٹ میرج تو نہیں ہوئی۔'' عمارہ میں زچ کر دینے کی حد تک صاف گوئی کی عادت تھی اور عموماً وہ حق بات کے لئے ہی آواز بلند کرتی تھی، اس لئے طوعاً وکرہاً عالیہ بیگم کی ٹانگ اڑانے کی عادت کو برداشت کرتیں۔

''یہ بات تو صحیح ہے مگر سب کو پتہ ہے کہ وجاہت علینہ کو پسند کرتا ہے اور خود علینہ بھی وجاہت کی حامی تھی، جب ہی تو نفیسہ آپا رشتہ لے کر آئیں، جبکہ صادق بھائی کا جھکاؤ اپنی بھتیجی کی جانب تھا، یہ وجاہت کی ضد ہی تو تھی کہ وہ لوگ علینہ کا ہاتھ مانگنے آئے، میں نے تو پہلے ہی سمجھایا تھا تمہارے بابا کو کہ صادق بھائی کی بہن سطوت تیز طرار خاتون ہیں، بھائی کا یہ اقدام انہیں قطعاً نہ بھائے گا، اب دیکھ لو کہاں اتنے عرصے سے لندن میں مقیم ہیں اب پندرہ سال بعد بھائی کی محبت ایسی دل میں جاگی کہ منگنی کی خبر سنتے ہی آناً فاناً چلی آئیں اور پھر اس دن ائیر پورٹ پر جس لہجے میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تو وجاہت کی پسند دیکھنے آئی ہوں، بچوں کو بھلا کھرے کھوٹے کی کیا پہچان، دل میں تو آیا کہ اسی وقت کھری کھری سنا دوں، مگر سسرالی رشتوں سے مڈبھیڑ لینا دانش مندی نہیں۔'' عالیہ بیگم نے یوں دانت پیستے ہوئے کہا گویا وہ تصور میں سطوت بیگم کو اپنے جبڑے میں جکڑ کر شیر کی مانند کچا چبا رہی ہوں، ادھر تفصیل جان کر عمارہ کی تلوؤں میں لگی اور دماغ کو جا پہنچی۔

''اچھا اور وہ جو ہر ہفتے آپی سے گھنٹہ بھر اسکائپ پر سوالات کی بوچھاڑ کرتی رہی ہیں تو وہ کیا ''کون بنے گا کروڑ پتی'' کھیلتی رہی ہیں اور ایسے گھورتی ہیں جیسے کمپیوٹر اسکرین میں سے بھی بھسم کر دیں میری آپی کو ہونہہ، جانچ پڑتال،

پوچھو گی کون سا محدب عدسہ لے کر آئی ہیں جس سے انسانوں کی سوچ، جذبات اور خیالات تک کی اسکریننگ کرلیں گی۔"

"بس کرو عمارہ مجھے اور پریشان مت کرو، اب جلدی سے کام ختم کرو ان لوگوں نے آٹھ بجے پہنچ جانا ہیں یہاں، تمہیں پتہ ہے صادق بھائی کس قدر پابند ہیں وقت کے، پانچ بجے گئے ہیں، جلدی ہاتھ چلاؤ۔" عالیہ بیگم نے سلاد کاٹتی عمارہ کو کہا اور خود تیزی سے ہاتھ چلاتے قورمہ کا مصالحہ بھاننے لگیں، تو عمارہ نے اپنی توجہ سلاد کی

سجاوٹ پر مرکوز کر دی جبکہ پیالے میں ٹرائفل کے لئے فروٹس، کسٹرڈ اور کیک کی تہہ لگاتی علینہ کے ہاتھوں کے ساتھ دل بھی کپکپا اٹھا تھا۔

☆☆☆

پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، اس رات ڈنر سے واپسی پر سطوت بیگم کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر بس ایک ہی جملہ دہرائے جا رہی تھیں اور سب کے دل دہلائے جا رہی تھیں۔

''توبہ بھئی کس قدر بناوٹی لوگ ہیں اور وہ علینہ تو ایسی گھنی ہے کہ کچھ بھی پوچھو ہوں ہاں سے زیادہ جواب ہی نہیں دیتی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بھابھی، علینہ تو بڑی سادہ دل اور معصوم بچی ہے میں نے تو بچپن سے دیکھا ہے اسے، یہ کم گوئی تو اس کی فطرت میں ہی شامل ہے۔'' سلمٰی بیگم نے نند کو وضاحت کی۔

''ارے آپ رہنے دیں بھابھی، میں دنیا دیکھی ہے، آپ تو وہی دیکھتی ہیں جو آپ دیکھنا چاہتی ہیں اور برا مت مانیے گا وہ آپ کی بھانجی ہے تو آپ کو تو اچھی لگے گی ہیں، مگر میں خوب جانتی ہوں کہ یہ ایسی لڑکیاں بڑی میسنی ہوتی ہیں اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ، ارے لڑکیاں تو میری سمن جیسی ہونی چاہئیں، شوخ، چنچل۔'' سطوت بیگم نے بھاوج کی وضاحتی دلیل قطعاً مسترد کرتے ہوئے اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی طرف دیکھا جو بظاہر سب سے بے نیاز ٹیب میں فیس بک سے کنیکٹ تھی مگر درحقیقت اس کے کان اپنے مستقبل کے فیصلے کی جانب لگے ہوئے تھے۔

''میں نے تو کہا تو سوچ سمجھ لو، مگر ان ہی صاحبزادے کو عشق کے دریا میں ڈوبنے کی جلدی تھی۔'' صادق صاحب جو پہلے بیٹے کی محبت میں خوشی خوشی اس کی پسند کو اپنی بہو بنانے پر رضا مند ہو گئے تھے، بہن کو سامنے دیکھ کر یکدم تھالی کے بینگن کی طرح لڑھک گئے تو نفیسہ کلس کر رہ گئیں، مگر تیز طرار نند کے سامنے ان کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی، وجاہت جواب تک بہت خاموشی سے بڑوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اپنی پھپھو کی نیت کو بھانپ چکا تھا پینٹ کی جیب میں ہاتھ پھنسائے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے جو بھی فیصلہ لیا، وہ آپ سب بڑوں کی رضا مندی سے لیا، کیونکہ میرے بڑے میرے لئے محترم اور مقدم ہیں اور رہیں گے، مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں پھپھو کی خواہش کے مطابق علینہ کو چھوڑ کر ماریہ سے شادی کرتا ہوں تو کیا میں اور ماریہ خوش رہ سکیں گے کیونکہ میں علینہ کو چاہتا ہوں اس بات کا علم ماریہ کو بخوبی ہے، تو کیا ماریہ ساری عمر اس بات کو دل میں لئے ایک خوشحال ازدواجی زندگی گزار سکے گی کہ اس کے شوہر کے دل کا مکین وہ نہیں کوئی اور ہے، کیونکہ میں چاہ کر بھی علینہ کو بھلا نہیں پاؤں گا۔'' اور پھر وہ گھوم کر ماریہ کے عین مقابل آ کھڑا ہوا۔

''بلکہ تم خود اس سوال کا جواب دو ماریہ، آفٹر آل تم بھی دل دماغ رکھتی ہو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ ہے۔'' ماریہ حق دق اسے دیکھتی رہ گئی پھر اس نے مڑ کے بڑے صوفے پر ایک ساتھ براجمان پھپھو، صادق صاحب اور نفیسہ بیگم کو دیکھا۔

''میں نے اب اپنا کیس آپ لوگوں کی عدالت میں رکھ دیا ہے، میں نافرمانبرداری کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا، مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ بھی نہیں کیا ہے اس کے باوجود اب میں وہی کروں گا جو آپ لوگ چاہئیں گے

کیونکہ میرے دل کا حال تو آپ جانتے ہی ہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ فوری طور پر کمرے سے باہر نکل گیا، پھپھو کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا اور صادق صاحب اور نفیسہ بیگم گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا، سب لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے اس کے آغاز کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے، عالیہ بیگم کچن میں سحری کے لئے قیمہ بھوننے لگیں اور عمارہ تیزی سے پراٹھوں کا آٹا گوندھنے میں لگی ہوئی تھی، علینہ نے ابو اور واجد بھائی کے نماز کے کپڑے استری کیے اور پھر چھت پر چلی آئی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا تو ستاروں کو چاند کے بنا دیکھ کر اس کا دل ایک دم بوجھل ہونے لگا۔

چاند رمضان کریم کے آغاز کی نوید دے کر بالکل ایسے ہی غائب ہو گیا تھا جیسے پھپھو کی آمد کے بعد وجاہت اور وہ بھی یوں ہی اکیلی ہی سی تھی جیسے آسمان کے ستارے، پھر وہ چھت کی منڈیر کی طرف آ کھڑی ہوئی، نیچے آتے جاتے راستوں پر خوب چہل پہل تھی مگر اس کا دل ویران تھا، اپنے اندر اتری اس خاموشی اور سناٹے کی لہر سے اسے اس قدر خوف آیا کہ اس کی آنکھیں بھر آئیں، جب ہمیں اکیلے رہ جانے کا احساس ہونے لگتا ہے تو دل و جاں یونہی لرزنے اور کپکپانے لگتے ہیں کہ اب کیا ہو گیا، یہی احساس اور خوف علینہ کو مارے دے رہا تھا، پھپھو کے جانے کے بعد مکمل خاموشی تھی نہ خالہ کا فون آیا نہ وجاہت کے ایس ایم ایس آئے تھے، عالیہ بیگم نے سختی سے سب کو خود سے کانٹیکٹ کرنے سے منع کر رکھا تھا، لیکن اب تو دس دن سے زیادہ ہو چلے تھے۔

"وجاہت تم تو کہتے تھے کہ یہ عید ہم ساتھ کریں گے۔" وہ تر رخساروں کے ساتھ دل ہی دل میں اس سے شکوہ کناں ہوئی، وہ آنکھیں میچ کر ضبط کی حدیں عبور کرتی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی تو ایک آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

آ گیا ، رمضان کا ماہ مقدس آ گیا
آ گیا رمضان کا ماہ مقدس آ گیا
رحمتوں کا نور ہے یہ نور چہار سو ہے
سمیٹ لو سمیٹ لو ماہ مبارک آ گیا
آ گیا رمضان کا ماہ مقدس آ گیا
آ گیا رمضان کا ماہ مقدس آ گیا

ایک فقیر صدا لگاتا چلا آ رہا تھا، اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا ہو، وہ تیزی سے نیچے کی جانب جانے والی سیڑھیوں کی طرف بھاگی، وہ امید کے اس دیئے کو بجھنے نہیں دینا چاہتی تھی، امید ہی زندگی کی معراج ہے اور دعا امید ہے اور دعا ہی عبادت کا مغز ہے، انسان کا کام کوشش کرنا اور کرتے رہنا ہے، کیونکہ آس کی یہی ڈور زندگی کی پتنگ کو تھامے رکھتی ہے اور پتنگ ہمیشہ اسی امید پر اڑان بھرتی ہے کہ وہ آسمان کی وسعتوں میں سما سکے گی اور بادلوں کی ہم سفر بن سکے گی۔

☆☆☆

آج سترھواں روزہ تھا، صادق صاحب تراویح سے واپس آئے تو نفیسہ بیگم دودھ کا گلاس اور ان کی دوائیں لئے ان کے پاس آ بیٹھیں۔

"پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟" نفیسہ بیگم نے گولیاں شیشی سے نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس بارے میں؟" صادق صاحب نے گولیاں پھانک کر دودھ کے گھونٹ سے حلق میں اتار کر پوچھا۔

''وجاہت اور علینہ کے بارے میں، ہم نے رجب میں شادی کی بات کی تھی مگر اب جو تاخیر ہوئی تو رمضان بھی گزرنے کو ہے۔'' نفیسہ بیگم کے لہجے میں فکر ہی فکر تھی۔

''عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے آپ ماں بیٹے نے مجھے۔'' صادق صاحب کا لہجہ بھی الجھا ہوا تھا۔

''ایسے تو نہ کہیے، سب کچھ آپ کی رضا مندی اور موجودگی میں ہوا ہے۔'' نفیسہ بیگم کو بے بنیاد الزام بہت کھلا۔

''ہاں لیکن آپ سوچ لیجئے اب بھی وقت ہے آپا کی بیٹی بھی بری تو نہیں، آپا کہہ رہی تھیں، وجاہت کو ساتھ لے جائیں گی، مقدر بن جائے گا اور یہ بھی تو دیکھئے ملک کے حالات کیسے ناگزیر ہوئے جا رہے ہیں، ایسے میں ماریہ ہی بہتر نہ رہے گی۔'' صادق صاحب بیگم کو قائل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

''یہ بھی خوب کہیے آپ نے، اب مقدر کیا انسان بنانے لگے ہیں، معاذ اللہ، دوسرا وجاہت کا اگر رزق یہاں کے علاوہ کہیں بھی اور لکھا ہے تو وہ خود وہاں کسی نہ کسی سبب پہنچ جائے گی اور اس سے بھی بڑھ کر کیا ماریہ جیسی مغربی اطوار کی لڑکی ہم میں نبھ سکے گی اور سب سے بڑھ کر یہ سوچئے کہ جس بیٹے نے ہر قدم ہماری مرضی اور اجازت سے اٹھایا اس کی خوشی میں خوش رہنا کیا ہمارا فرض نہیں اور آپ بس لمحے بھر کو یہ تصور کر لیجئے کہ اگر علینہ کی جگہ ہماری بیٹی زارا ہوتی تو اور عمیر کے گھر والے ایسا کوئی قدم اٹھاتے تو ہمارے دلوں پر کیا گزرتی، کیا حال ہوتا ہماری بچی کا جو دل و دماغ سے عمیر کو اپنا شوہر مان چکی ہے۔'' نفیسہ بیگم نے آئینہ دکھایا تو صادق صاحب اندر تک لرز گئے۔

''اللہ نہ کرے، آپ صحیح کہتی ہیں ہم اپنے لئے سوچتے ہیں وہی دوسروں کے لئے سوچنا چاہیے، جایئے بھابھی سے کہہ دیجئے کہ اگلے اتوار ہم افطار ان کے یہاں کریں گے تو سمدھیوں کے لئے ذرا خاص اہتمام کریں۔'' صادق صاحب نے شگفتہ لہجے میں کہا تو نفیسہ بیگم بھی مسکرا دیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے اور فی الحال عید کے بعد نکاح کر لیتے ہیں تاکہ آپا بھی شریک ہو جائیں۔''

''واہ بیگم آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔'' صادق صاحب کی خوشی دیدنی تھی۔

''میں وجاہت کو جا کر یہ خوشخبری سناتی ہوں اور عالیہ کو بھی فون کر دوں کہیں سو نہ جائے۔'' نفیسہ بیگم موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئیں تو صادق صاحب نے ٹی وی آن کر لیا۔

☆☆☆

جب انسان کا وقت اچھا آ جائے تو سب کچھ اچھا ہوتا چلا جاتا ہے، عالیہ اور نفیسہ میں وقتی طور پر جو دبی رنجش پیدا ہوئی تھی آج یوں مل بیٹھ کر دکھ سکھ بانٹنے سے دور ہو گئی، سطوت بیگم بھی اب کافی حد تک نارمل تھیں، سب ہی خوش تھے اور افطار اور نماز مغرب سے فارغ ہو کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے تھے، مرد سیاست پر تبصرہ کرنے بیٹھے تو خواتین نے مہنگائی اور عید کی تیاریوں پر رائے زنی شروع کر دی، عمارہ ماریہ کو اپنے روم میں کپڑے دکھانے لے آئی، بس ایک وہ تھی جو چپ چپ تھی اور سب سے علیحدہ رہنا چاہ رہی تھی اور پھر کسی کی مسلسل کھوجتی نظروں نے اسے چھت پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

''آہم۔'' وجاہت چند لمحوں میں ہی علینہ کا تعاقب کرتا چھت پر چلا آیا۔

''ناراض ہو؟'' اس کے مخاطب کرنے کے باوجود وہ خاموش کھڑی تھی تو وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

''نہیں، ناراضگی یا دوستی ان میں ہوتی ہے جن میں کوئی رشتہ ہو۔'' وہ بدستور رخ موڑے کھڑی تھی۔

''علینہ ادھر تو دیکھو، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے پھر پکارا۔

''وجاہت میں جانتی ہوں کہ آپ مجبور تھے، لیکن کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کی خاموشی نے مجھے کس اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا، میرے اندیشوں اور واہموں کو آپ کی خاموشی نے ایسی جلا بخشی کہ آج خوشی کے موقع پر بھی میں خوش نہیں ہو پا رہی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کناں تھی، وجاہت تڑپ اٹھا۔

''تمہارا شکوہ بالکل بجا ہے علینہ، مگر میں خود دوراہے پر کھڑا تھا، ایک جانب تم میری محبت دوسری جانب والدین کی نافرمانی جو اللہ کی نافرمانی ہے، اسی پس و پیش میں پڑھ کر میں خود تنہا رہ کر صحیح فیصلہ کرنا چاہ رہا تھا۔''

''اور اگر آپ کو دونوں میں سے ایک منتخب کرنا پڑتا تو۔'' علینہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''جو اللہ کی رضا میں راضی ہوتے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور پھر انہیں ایسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔'' وجاہت نے اس کے گلابی ہاتھ تھام لئے تو اس کی نظریں بھی بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ گئیں۔

''لیکن میں آپ سے ناراض ہوں۔'' علینہ نے کسی خیال کے تحت اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔

''ارے اب کیا ہوا؟'' وجاہت چونک پڑا۔

''آپ نے کہا تھا کہ ہم یہ عید ساتھ گزاریں گے، مان لیں کہ آپ وعدہ ایفا نہیں کر سکے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی تو وجاہت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے تو بندہ حاضر ہے، جو چاہے سو سزا دو اگر ملکہ عالیہ کی اجازت ہو اور جان کی امان پاؤں تو اپنی صفائی میں کچھ کہنے بلکہ سنانے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں۔''

''اجازت ہے فریادی۔'' علینہ نے گردن اکڑا کر کہا تو وجاہت نے گھٹنے زمین پر ٹیک کر علینہ کے ہاتھ تھام لئے، علینہ کی سرمئی آنکھیں حیا کے لال ڈوروں سے سج گئیں اور چہرے پر وجاہت کی آنکھوں سے پھوٹتی محبت کی دھنک بکھر گئی، وجاہت چند لمحے مبہوت ہو کر اسے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔

ادھر سے چاند تم دیکھو اُدھر سے چاند ہم دیکھیں
نگاہیں یوں ٹکرائیں کہ دو دلوں کی عید ہو جائے

''چاندرات کو تیار رہنا، یہ عید نہ سہی، ہم چاندرات ضرور ساتھ منائیں گے، میں نے خالہ سے اجازت لے لی ہے۔''

''بہت وہ ہیں آپ۔'' علینہ کو کچھ نہ سوجھا تو ہاتھ چھڑا کر نیچے کی جانب بھاگ گئی اور وجاہت کا جاندار قہقہہ دور تک اس کا پیچھا کرتا رہا۔

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

- ''اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔'' (سورہ انعام)
- ''وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' (سورہ انعام)
- ''اے محمد! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔'' (سورہ انعام)
- ''اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔'' (سورہ انعام)
- ''اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

علینہ طارق، لاہور

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کرلے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرور پہنچا دیں تو جھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

معکنون شاہ، لاہور

رویت ہلال کی تحقیق اور شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زادالمعاد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو رمضان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔'' (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

نوزیہ زل، شیخوپورہ

خوفناک بلا

ایک شخص نے رات خواب میں ایک خوفناک بلا دیکھی، اس نے پوچھا۔
''تو کون ہے؟''
دعا نے جواب دیا۔
''میں تیرے برے عمل ہوں۔''
پوچھا۔
''تجھ سے چھٹکارا پانے کی کیا صورت ہے؟''
کہا۔
''کثرت درود! بلند آواز سے درود پڑھنے کی فضلیت! ایک گناہ گار شخص کو انتقال کے بعد ان کے پڑوسی نے خواب میں دیکھا وہ جنت کے اندر ہے۔''
پوچھا۔
''تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟''
اس نے بتایا۔
''میں ایک اجتماع میں شریک ہوا، وہاں ایک محدث صاحب نے دروان بیان ارشاد فرمایا، جو شخص نبیؐ پاک پر بلند آواز میں درود شریف پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہے، میں نے بلند آواز سے درود پاک پڑھا، مجھے دیکھ کر حاضرین نے بھی اونچی آواز سے درود سلام پڑھا، اس عمل کے سبب اللہ نے مجھ سمیت تمام شرکائے اجتماع کی مغفرت فرمادی۔''
فریدہ خانم، لاہور

قدر پوچھو

☆ دین کی قدر عالم سے پوچھو۔
☆ آنکھ کی قدر بینا سے پوچھو۔
☆ دولت کی قدر غریب سے پوچھو۔
☆ روٹی کی قدر کسی بھوکے سے پوچھو۔
☆ ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو۔
☆ علم کی قدر کسی ان پڑھ سے پوچھو۔
☆ بائی کی قدر کسی مال سے پوچھو۔
☆ صحت کی قدر کسی بیمار سے پوچھو۔
محمد سجاد پرنس، چانوٹ پاکپتن

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کسی کے کام آکر ہی ٹوٹ جائے، اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حسین و دلکش بنائیے، اس کے ہر لمحے کو انجوائے کریں مگر ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ اپنی زندگی کو حسین بناتے ہوئے کسی کی زندگی کو عذاب میں نہ ڈالیں، ناجائز بھی کسی کو تکلیف نہ دیں، ظاہری سی بات ہے انسان اپنی زندگی میں بہت کچھ کھوتا تب اس کو جا کر کچھ ملتا ہے، اس کھونے اور پانے کی حسین دلکش کشمکش کو زندگی کہتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟
عمارہ اعجاز، حافظ آباد

زندگی

☆ زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے، یہ ایک راز ہے ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا وہ مارا گیا۔
☆ زندگی سمندر ہے اپنے بادلوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا، انہیں الوداع کہنے والا اور پھر یہی سمندر اپنے مسافروں کو اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہے۔
ظلی نعیم احمد، ملتان

میرے نفس کی نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس سے خلوت برتوں جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہوں۔
میں اس حسن پر نگاہ رکھوں جو صورت رنگ اور جدل کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔
میں جاگوں جب بستی والے سو رہے ہوں

میں سوؤں جب بستی والے جاگ رہے ہوں۔
میں لبیک کہوں جب کوئی نا معلوم آواز پکارے، جب کوئی خطرہ آواز دے، میں اس سے محبت کروں جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔
فرحین ملک، دھوریہ

تاثیر میرے لہجے کی

- آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔
- تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
- نقصان وہ نہیں جو آپ ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔
- پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔
- بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔
- ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔
- بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

فرح راؤ، کینٹ لاہور

قطرہ قطرہ قلزم

☆ ہمہ حال ایک ہی حال میں رہنے کا عمل اس لئے مشکل ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہ سکتی۔
☆ صحت خراب ہو تو کوئی موسم بھی خوشگوار نہیں ہوتا اور صحت خوشگوار ہو تو کوئی موسم خراب نہیں ہوتا۔
☆ بے وفا، وفا کے بدلے میں ہی تو برائیاں کرتا ہے۔
☆ اہل دل حضرات ذرے ذرے سے دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل انسانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔
☆ کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔
☆ سیاست ہمیشہ میدان میں رہتی ہے اور حکومت ہمیشہ ایوان میں۔
☆ غریبوں کی حالت بدلنے والے خود فریبی کے ذائقے سے ناآشنا ہوتے ہیں۔
☆ موسم بدلنے کا وقت آ جائے تو خود وقت کا موسم بدل جاتا ہے۔
☆ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔
☆ مقدر اور انسان ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں اور ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں۔
☆ کبھی کبھی نیکی اس طرح آتی ہے جیسے بارش۔
☆ کبھی کبھی برائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آ جاتی ہے۔
☆ انسان جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور انسان فطرتاً اپنے علاوہ کچھ اور ہونا چاہتا ہے۔

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

عید آئی ہے دل دکھاتی ہے
یاد بچھڑے ہوؤں کی لاتی ہے
جن سے ملنے کا آسرا ہی نہیں
عید ان کا خیال لاتی ہے

....

عید اس پر خفا ہو گئی ہم سے
کہ ہم نے اسے منایا ہی نہیں
ہم اسے کیا بتائیں کہ عید کا دن
ہمارے آنگن میں کبھی آیا ہی نہیں

....

کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں

فرحین ملک ---- دھوریہ

سنو الفاظ ہیں کم اور تمنائیں ہزار
مبارک ہوں میری جانب سے تمہیں عید کی خوشیاں

....

خوشیوں سے عید ہوتی ہے خوشیوں سے عید کرنا
اپنی اس خوشی میں سب کو شریک کرنا

....

آشیائے حیات عید کا دن
زندگی کا ثبات عید کا دن
صبر، عزم و تحمل کی تصویر
مظہر التفات عید کا دن

اسماء بدر ---- مظفرگڑھ

یہ دن بھی مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو عید مبارک

اس سمت چلے ہو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں صرف تنہا اسے کہنا
ہم نے ہلال عید کے ہاتھ بھجوایا یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت بار بار اسے کہنا

....

جسے میں نہیں یاد اسے عید مبارک
جو اوروں میں ہے شاد اسے عید مبارک
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد اسے عید مبارک

عابد محمود ---- ملکہ ہانس

ایسا نہیں کہ ترے بعد اہل کرم نہیں ملے
تجھ سا نہیں ملا کوئی ورنہ لوگ کم نہیں ملے
اک تیری جدائی کے درد کی بات اور ہے
جن کو نہ سہہ سکے یہ دل ایسے تو غم نہیں ملے

....

تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں

....

میں نے یہ سوچ کر بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون جنگل میں لگے درخت کو پانی دے گا

امان اللہ انجم ---- جناب نگر

عید آئی ہے بڑی دھوم سے اس بار مگر
کتنا ویران ہے اس بار بھی گھر تیرے سوا
تیری ہستی کے سوا مانگ کے کیا لینا ہے
ہم نہ مانگیں گے کوئی اور ثمر تیرے سوا

....

عید بھی تیری خوشیاں بھی تیری تو ہمیشہ آباد رہے

دیتا ہے تجھ کو دعا تجھے بھی میری طرح انتظار رہے

....

کبھی دوست بن کبھی دلدار بن کر
روپ بدل بدل کر ڈستے ہیں لوگ
درد دے کر جن کو سکون ملتا ہے
دنیا میں ایسے بھی بستے ہیں لوگ
فریحہ امید چوہدری ---- گوجرانوالہ
وہ اک بار بھی نہ آیا ملنے ہم سے
اور عید ہے کہ پھر آ گئی

....

ہم نے لیا ہونٹوں سے جو نام تیرا
دل ہونٹوں سے الجھ پڑا یہ ہے صرف میرا

....

میں نے چاہا تجھے یہ کچھ نذر کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے تراشے ہوئے موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو مرے قلب کی دھڑکن دھڑکن
خالدہ ناہید ---- لاہور
شاید تیری نوا سے ملے عید کا پیغام
اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

....

میرے نزدیک ہی رہتے ہیں مرے اک کرم فرما
وہ جب بھی ملتے ہیں اپنی روزہ داری بتاتے ہیں

....

سحر کے وقت کو ہم نے کبھی دیکھا نہیں
مگر ہر دعوت افطار پر وہ پائے جاتے ہیں
حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
سوچ نگر میں اک خیال آیا ہے
آج پھر دل کے دریچہ میں در آیا ہے
بھول جانے کی جسے قسم کھائی تھی
وہ آج پھر مجھے شدت سے یاد آیا ہے

....

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو

....

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو!
اک پل کو ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کا ساتھ
فریدہ خانم ---- لاہور
دل یہ کہتا ہے کہ ہر ایک کے آنسو پی لوں
اور کوئی خواب کسی کا نہ ہو ریزہ ریزہ

....

عمر بھر کو داغ دے جاتی ہے ادنیٰ بھول بھی
جرم ثابت ہو نہ ہو الزام پھر الزام ہے

....

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
شگفتہ نعیم احمد ---- ملتان
ناز میں اس کے اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

....

جو ہو سکے تو توڑ دے اک نگاہ کی ضرب سے
میرے سومنات مزاج کو اس غزنوی کی تلاش ہے

....

مثال موج ہوا دربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ ملا ہمسفر وہ ایسا تھا
خود اپنے سر لیا الزام بے وفائی تک
کہا نہ کچھ بھی اسے معتبر وہ ایسا تھا
اشعر اقبال ---- سوہادہ
عشق سمجھے تھے جس کو وہ شاید
تھا بس اک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیاں نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رشتہ

یار ایک مسئلہ ہے یہ دنیا
یار ایک مسئلہ تو میں بھی ہوں

....

میں نہیں جانتا محبت کو
ہاں مگر مانتا تو میں بھی ہوں
عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد
یہ دعا ہے میری آتش عشق میں تو بھی میری جلا کرے
نہ ہو ہنسنا نصیب تجھے تیرے دل میں بھی درد ہوا کرے
تیرے سامنے تیرا گھر جلے تیرا بس چلے نہ بجھا سکے
پھر تیرے منہ سے بھی یہ دعا نکلے نہ گھر کسی کا جلا کرے

....

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

....

چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کو کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کی ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند
نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور
ان کو دیکھا تو پھر اترا نہ گیا
آسمان تک ہی رہا عید کا چاند

....

نلیس تجھے نہ دکھ زندگی میں
پھول کی طرح تو مہکے خدا کرے
زندہ رہے نام ابد تک تیرا
عید کی خوشیاں تجھے مبارک خدا کرے

....

بڑی یاس میں عید کا دن گزرا
خدا کی قسم تم بہت یاد آئے

شاہینہ یوسف ---- عمر کوٹ
خوشبو بادل پھول یہ کلیاں شبنم تیرے نام
دوست عید کی خوشیاں ہیں سب تیرے نام
جھلمل کرتا نیلا پانی جگمگ کرتے چاند اور تارے
رات کی رانی تارے کرنیں چندا پونم تیرے نام

....

وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب شب برات ہر روز روز عید

....

جو شخص کھو گیا ہم سے اندھیری راہوں میں
اسی کو ڈھونڈ کے لاؤ کے عید آئی ہے
افشاں زینب ---- شیخوپورہ
یہ دیکھیے اداس نگاہوں کو کیا ملے
ہر طرف پھول بانٹتی پھرتی ہے شام عید
عید کے دن نہ سہی عید کے بعد ہی سہی
عید تو ہم بھی منائیں گے تیری دید کے بعد

....

جشن طرب ہو تم کو مبارک مجھ کو یونہی رہنے دو
عید کا دن خوشیوں کا دن ہے شکوہ لب پر لائیں کیا
توڑ کے رشتے ناطے سارے غیر کی محفل کی آباد
باد صبا اب تو ہی بتا ہم رسم عید نبھائیں کیا

....

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے بارے میں تمہیں کیا معلوم
اک تم ہو کہ سمجھتے نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
علینہ طارق ---- لاہور
مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند

☆☆☆

بلقیس بھٹی

رنگ حنا

ایک روز مرتضیٰ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امین دام ظلکم!
ابوبکر اور عمر کے زمانے میں چین تھا
عثمان کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے پڑ گئے
اپنی تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے؟
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم
اسماء بدر، مظفر گڑھ

تسلی

بھکاری نے ایک خاتون سے پانچ روپے مانگے تو وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولیں۔
''تم کو شرم نہیں آتی ہمارے علاقے میں بھیک مانگتے ہو؟''
بھکاری تسلی دینے والے انداز میں بولا۔
''آپ کو اپنے علاقے کے بارے میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں میں تو اس سے بھی بدتر علاقوں میں بھیک مانگ چکا ہوں۔''
میاں منیر احمد انجم، فیصل آباد

حنا

تیرنام کی مہندی نے
میرے ہاتھ جو مہکا دیئے تو
عید کے سب رنگ
مہکنے لگے تھے

عمارہ اعجاز، حافظ آباد

شاعر

اک شاعر کے گھر چور گئے کچھ چرانے کو
مگر وہ غریب تو گئے تھے پچھتانے کو
شاعر سمجھا میرے قدر دان آ گئے
بیٹھ گیا انہیں غزل سنانے کو
عظمیٰ نعیم احمد، ملتان

قطعہ

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برات سے ڈر لگتا ہے

گولڈن ورڈز

☆ عبادت ایسے کرو کہ روح کو لطف دے جو عبادت دنیا میں مزہ نہ دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
☆ الفاظ کی تفاسیر بدل جائیں تو معتقدین بھٹک جایا کرتے ہیں
☆ نفس کو مال و دولت کے لئے ذلیل مت کرو۔
☆ قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی ان کی قیمت گھٹاتی ہے۔
☆ بعض حقائق کو ماننے کے لئے ہمیں اپنی انتہائی قوت درکار ہوتی ہے۔
ارج گل، مظفر گڑھ

خوشبو

کل سپنے میں آیا تو
کمرے میں مرے اب بھی

پھیلی ہے کوئی خوشبو

دوری

جان لیوا ہے یہ دوری
دونوں ہی تڑپتے ہیں
کیسی ہے یہ مجبوری؟

امان اللہ انجم، چناب نگر آز

چاند

تجھے دیکھنے کے شوق میں
سر شام ہی میں نے
سارے شہر کی بتیاں بجھا دیں
اب تو آ جا
سورج بھی ڈوب گیا
رات نے اپنا سیاہ آنچل پھیلا لیا
تیری راہ تکتے تکتے
آنکھیں بھی تھک گئیں
اب تو آ جا
اب چاند
تجھے دیکھ کر
ہم عید منالیں

عابد محمود، ملکہ ہانس

خدا کے خوف سے

ایک صوفی صاحب مذہبی امور کو بڑی لگن سے ادا کرتے لیکن وہ بے چارے ان پڑھ تھے اور حساب کتاب انہیں بالکل نہیں آتا تھا، چنانچہ جب بھی رمضان آتا تو وہ بھول جاتے کہ کتنے روزے رکھے ہیں اور کتنے باقی رہ گئے ہیں، کسی دوسرے سے پوچھنا وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے، اب کی بار رمضان آیا تو انہوں نے ایک عمدہ ترکیب نکالی، روزانہ رات کو جب وہ روزہ افطار کرتے تو ایک گھڑے میں ایک پتھر ڈال دیتے، پھر پتھر گن لیتے، ان کا پوتا بڑا شریر تھا، وہ دو تین دن دادا کو یہ عمل کرتے دیکھتا رہا اور ایک دن ڈھیر سارے پتھر گھڑے میں ڈال دیئے، رمضان کے اختتام پر صوفی صاحب نے پتھر گنے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

صبح عید ملنے کے لئے آنے والوں میں سے صوفی صاحب کے ایک بے تکلف دوست نے مذاقاً پوچھا۔

''ہاں بھئی سناؤ کتنے روزے رکھے اب کی بار؟''

''باون۔'' صوفی صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کیا کہا باون؟'' مگر روزے تو تیس ہوتے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''خدا کا خوف کرو یار۔''

''میں نے خدا کے خوف سے باون بتائے ہی ورنہ روزے سو سے اوپر ہو چکے ہیں۔'' صوفی صاحب نے ہنوز سنجیدگی سے جواب دیا۔

فرحین ملک، دھوریہ

ذہانت

ایک عالم کا بڑا چرچا تھا کہ وہ روحوں سے بات کروا دیتے ہیں، ایک بچہ بھی اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے محلے بھر میں مشہور تھا ان عالم کے پاس پہنچا اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا۔

''میں اپنے دادا کی روح سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اگر بتیاں جل رہی تھیں، چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''کیوں آئے ہو برخوردار؟'' قریب سے عالم صاحب کے چیلے نے بچے کو ٹھوکا دیا۔

''یہ تمہارے دادا کی روح بول رہی ہے

پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''
''دادا جان!'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
''مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی روح یہاں کیا کر رہی ہے؟ جبکہ آپ کا تو ابھی انتقال بھی نہیں ہوا۔''

علینہ طارق، لاہور

ایک پنتھ دو کاج

ایک آرٹسٹ کسی خوبصورت کاٹیج کی پینٹنگ بنا رہا تھا۔
''تم میرے کاٹیج کی تصویر بنانے کے بعد کیا کرو گے؟'' کاٹیج کے مالک نے پوچھا۔
''اس کو ایک نمائش میں بھیجوں گا۔''
آرٹسٹ نے جواب دیا۔
''وہاں تو اسے بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔''
آرٹسٹ بولا۔
''یہ بات تو سچ ہے۔''
مالک مکان۔
''تو پھر ایسا کرو کہ تصویر میں ایک جملہ بھی لکھ دو، یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔''

شائل وہاب، کراچی

اپریل فول

ایک چھوٹا مگر ذہین بچہ اپنی ماں کے کمرے میں آ کر اپنے ملازموں کی شکایت کرنے لگا۔
''امی...... امی بشیر اور نوراں کچن میں ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ ڈالے پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہیں، میں اچانک اندر گیا تو دونوں جلدی سے الگ ہو گئے۔''
''کیا میں ابھی ان دونوں کو بتاتی ہوں بچے کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آئی دونوں کو، بشیر کو تو ابھی نوکری سے نکالتی ہوں اور نوراں کو۔''
بیگم صاحبہ زور زور سے بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں، بچے کی تالیاں بجانے کی آواز پر رک گئیں۔
''اپریل فول...... اپریل فون، امی اپریل فول ای وہ بشیر تھوڑی تھا وہ تو ابو تھے۔''

شازیہ نواب، علی پور

بیوی کہیں جسے

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز بمباری کے لئے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے اچانک بیوی راستے میں سے ہی مڑی اور کہنے لگی۔
''میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی۔''
میاں نے غصے سے جواب دیا۔
''ہاں ہاں جلدی سے اٹھا لاؤ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔''

افشاں اشرف، عارف والا

دشمن

بیمار میاں اپنی تیز مزاج بیگم سے بولے۔
''بیگم میرے مرنے کے بعد تم دھرم سنگھ سے شادی کر لینا۔''
بیگم بولی۔
''کیا کہا، وہ تو تمہارا جانی دشمن ہے۔'' بیگم تیوری چڑھا کر بولی۔
میں نے کہا۔
''ہاں بیگم اگر میں اپنی زندگی میں اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکا تو مرنے کے بعد ہی سہی۔''

سعدیہ وہاب، سرگودھا

☆☆☆

عظمیٰ نعیم ---- ملتان

س: عرصے بعد اس محفل میں آئی ہوں کیسا لگ رہا ہے؟

ج: اگر کوئی صبح کا بھولا شام کو آجائے اسے بھولا نہیں کہتے۔

س: ارے کیا کہا کہ بھول گئے؟

ج: ارے بھولا نہیں بہت یاد ہے۔

س: سب سے پہلے شادی کی مبارکباد تو دے دیں؟

ج: نہ بلایا نہ کھلایا اب بتایا، پھر بھی اس خبر سے دل ہوا سوایا۔

س: اب حافظ آباد کے بجائے ملتان سے شامل ہوا کروں گی یاد رکھنا؟

ج: خوشی ہوئی کہ آپ حنا کو نہیں بھولیں۔

س: جی کسی مہربان نے آکے میری زندگی......؟

ج: خدا اس مہربان کو ہمیشہ مہربان ہی رکھے۔

بشریٰ رشید ---- راولپنڈی

س: میں نے آپ کے لئے لاہور سے لے کر راولپنڈی تک پھول ہی پھول راہ میں بچھائے ہیں کب تشریف فرما ہوں گے؟

ج: لاہور تک بچھائے ہیں میرے گھر تک نہیں۔

س: میں زمانے میں وفا ڈھونڈتی ہوں مگر ملتی نہیں؟

ج: کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔

س: محبت کیا ہے؟

ج: خلل ہے دماغ کا۔

س: میں عید پر آپ کا انتظار کروں گی آئیں گے نا؟

ج: چل جھوٹی نہ ہو۔

س: سنجیدگی سے کچھ سوچیں؟

ج: سوچ رہا ہوں اور بھی سنجیدگی سے۔

س: ہم اکٹھے مریں گے اور اکٹھے جئیں گے، کہا تھا نا، آپ نے بھول گئے؟

ج: ان ہونی باتیں بھول ہی جاتی ہیں۔

حنا ناز ---- پنڈدادنخان

س: اس بار بھی روزے نہیں رکھے؟

ج: مجھے کیوں بتا رہی ہو۔

س: اچھا کتنے رکھے؟

ج: یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا۔

س: سنا ہے بے روزے سب سے پہلے عید مناتے ہیں؟

ج: تجربے کی بات معلوم ہوتی ہے۔

س: آپ کی عید کب شروع ہوتی ہے؟

ج: جس دن عید ہوتی ہے۔

س: عیدی کتنی ملتی ہے؟

ج: کبھی حساب نہیں رکھا۔

س: کچھ خاص جو کھائیں گے بتائیں؟

ج: جو مل جائے صبر شکر کر کے کھالیں گے۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: عید کہاں پر منا رہے ہو گھر یا پھر؟

ج: اپنے گھر ہی منالیں گے۔

س: کبھی عید مبارک بھی کہہ دیا کرو کنجوس؟

ج: عید کے دن عید مبارک کہہ دوں گا۔

س: عیدی لینے آؤں یا آپ بھیج دیں گے؟
ج: ہم تو اس بات کے حامی ہیں، ہمارے ہاں آؤ گے تو کیا لے کر آؤ گے۔
س: چلو بڑی عید پر ہی خدا حافظ؟
ج: جان چھڑا ہی گئے نا۔

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد

س: جب سے وہ ہمارے گھر آتا ہے تو سب کے چہرے کھل جاتے ہیں بتائیے کون؟
ج: وہی جس کے آنے پر تمہارے گھر والوں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔
س: ہماری وجہ سے آپ کا نام ہے ہم سوال نہ بھیجیں تو آپ فارغ بیٹھیں رہیں؟
ج: اگر میں نہ جمدی تے تیرا بیاہ نہ ہوندا۔
س: لنڈے بازار میں، میں نے دیکھا آپ کو لگتا ہے عید کی شاپنگ ہو رہی تھی؟
ج: تم سے ملنے کا ایک بہانہ تھا۔
س: جب بھی ملتا ہے خفا خفا سا لگتا ہے؟
ج: عادت سے مجبور جو ہوا۔
س: دل میں تمہارے گھر لینا ہے، وہ بھی کرایہ پر لینا ہے؟
ج: میں نے دل میں گھر نہیں بنایا تا کہ پڑے نہ کرایہ داروں کا سایہ۔

رضا سلمٰی ---- سادھوکے

س: یہ کیا محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے؟
ج: یہ خود سے پوچھئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔
س: رات بھر رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئیں؟
ج: کس نے کہا تھا کہ آنکھوں پر اتنا میک اپ کریں۔
س: میں اس کی خاطر بہت تڑپا پر......؟
ج: لیکن آپ کے تو پر نہیں ہیں۔
س: بال لمبے کیسے کروں؟
ج: میں نے کل ہی بال کٹوا دیئے تھے۔

س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: شرم آ رہی ہے مگر کیا کریں بتا ہی دیتے ہیں کہ آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا۔

نبیلہ نعمان ---- گلبرگ، لاہور

س: زندگی کا سفر کیسے طے کرنا چاہیے؟
ج: جو سواری بھی مل جائے۔
س: ذرا یہ بتائیے کہ فی زمانہ اپنے لوگ پرائے ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے بن جاتے ہیں؟
ج: دونوں سے ہی ہوشیار رہنا چاہیے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: کہیں محبوبہ سے سچ مچ محبت نہ ہو جائے۔

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

س: پہلی ہی محبت میرے محبوب نہ مانگ؟
ج: شادی ہو گئی ہے کیا۔
س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔
س: آج کل لوگوں کے چہروں پہ دکھاوے کا تبسم کیوں ہوتا ہے؟
ج: ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: سنا ہے بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں آپ کو خواب میں کیا نظر آتا ہے؟
ج: اگر میں کچھ کہہ دوں برا تو نہیں مناؤ گی۔
س: آج کے دور میں اپنوں کا خون سفید ہو گیا ہے وجہ؟
ج: انہیں اپنا تو نہ کہو۔

☆☆☆

عابد محمود: کی ڈائری سے ایک غزل

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا
چاند کے ساتھ تھیں ملاقاتیں
ہر ملاقات تم کو یاد کیا
رات کی بیکراں اداسی کا
تھام کر ہاتھ تم کو یاد کیا
اپنی آنکھوں کے خشک صحرا میں
لے کے برسات تم کو یاد کیا

فریدہ جاوید فری: کی ڈائری سے غزل

یقین مجھ کو اس کا کہاں رہ گیا ہے
فقط اب تو دل میں گماں رہ گیا ہے
کہا تھا کبھی اس نے آنے کا لیکن
نہ جانے وہ اب تک کہاں رہ گیا ہے
جہاں دیپ جلتے تھے اس کی چاہت کے
وہاں ان چراغوں کا دھواں رہ گیا ہے
محبت وفا دوستی خواب نکلی
بس اک حسرتوں کا جہاں رہ گیا ہے
کل جو آباد تھیں بستیاں ہر طرف
اب ان کی بربادیوں کا نشاں رہ گیا ہے

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک دلکش غزل

یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تجھے عید مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جسے تو چاہے وہی آ کر ملے تجھ سے
جسے تو سنے وہی نوید مبارک
ہر شخص ہر منزل ہر خوشی ہر سفر
ہر خیال ہر آرزو ہر امید مبارک
وہ چہرہ جسے دیکھنے کو ترسیں آنکھیں
تاعمر اس رخ روشن کی دید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے تیرے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر عید مبارک

محمود سجاد پرنس: کی ڈائری سے ایک غزل

نجانے کیوں ہم کو سب کچھ پرانا اچھا لگتا ہے
ہے وحشت ہم کو خوشیوں سے ویرانہ اچھا لگتا ہے
تنہائی کے کاموں میں محبت کی زباں لے کر
کسی کی بے وفائی نے بہت ہم کو رلا ڈالا
مگر اب تو رونے کا بہانہ اچھا لگتا ہے
یادوں کے سرہانے بیٹھ کر ہم رات بھر روئے
سکھایا جس نے رونا وہ شانہ اچھا لگتا ہے
صحرا کی اوٹ میں جب ڈوبتا سورج سرخی پھیلاتا ہے
تب شام کے ہارے پنچھی کا آشیانہ اچھا لگتا ہے
صبح کی وہ مست ہوا جب چھو کر گزرے شبنم کو
یہ منظر دیکھ کر کلیوں کا مسکانا اچھا لگتا ہے
یہ قول ہے داناؤں کا جنہیں بھولو وہ آتے ہیں یاد
جب ہی تو پرنس کو تیرا بھلانا اچھا لگتا ہے

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک نظم

''عید مبارک''

اے باد صبا عید مبارک اسے کہنا
کہنا کوئی کرتا ہے تجھے یاد ابھی تک
اک دل تری یادوں سے ہے آباد ابھی تک

کہنا کہ تمہیں عید گذشتہ کی طرح سے
شدت سے خیال آئے گا اس بات کا دن بھر
اک اور برس بیت گیا تجھ سے بچھڑ کر
کہنا یہ فقط ان کے لئے عید کا دن ہے
جن کے لئے محبوب کی یہ دید کا دن ہے
اے کاش کہ یہ عید بھی اپنے لئے ہوتی
مہندی سے ترا نام ترے ہاتھ پہ لکھتے
کچھ پھولوں کے گجرے ترے بالوں میں سجاتے
اے کاش اس سال تو ہم عید مناتے

بشریٰ رشید علوی: کی ڈائری سے ایک غزل

سوچ کی وادیوں میں گم ہو جائیں
درد کی چاہتوں میں گم ہو جائیں
اجلا چہرہ بھی ہو گیا دھندلا
دھند ہے آئینوں میں گم ہو جائیں
دل کہ آبادیوں سے ڈرتا ہے
آؤ ویرانیوں میں گم ہو جائیں
اب تو چہرے سے غم نمایاں ہے
غم کی پرچھائیوں میں گم ہو جائیں
آج ڈوبا ہے آس کا سورج
غم کی تاریکیوں میں گم ہو جائیں
سکھ نہ آئے گا اپنے گھر بشریٰ
زیست کے فاصلوں میں گم ہو جائیں

اسماء بذر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''ہلال عید کی شب''

تیرے چمن چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے اردگرد جھلملائے
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

خالدہ ناہید: کی ڈائری سے ایک نظم

''کیوں؟''

محبتوں کے شہد میں یہ زہر کیوں ملا دیا
ہنستی اور کھیلتی آنکھوں کو کیوں رلا دیا
کچھ ہاتھوں میں گلاب تھے کچھ آنکھوں میں خواب تھے
معصوم خواہشوں کو یوں مٹی میں کیوں ملا دیا
بہت سے اور کھیل تھے کہیں دلوں کے میل تھے
یہ کھیل خاک وخون کا تو نے کیوں رچا دیا
جو تو یقیں سے دور تھا تو ان کا کیا قصور تھا
ان کے یقیں کی منزلوں کو تو نے کیوں لادیا
اسی پہ تو چلا پھر اسی پہ تو پلا بڑھا
اس پاک سرزمین کو پھر ایسا کیوں بنا دیا

فرحین ملک: کی ڈائری سے دلکش نظم

میں نے چاہا
کہ ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے
میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول، دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں سے آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں، کبھی تیری قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے دیئے سدا چمکیں
خدا تیرا دامن حسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں
پلٹ کر دیکھے تو
بہت ہی خوش رنگ یادیں
گلاب لمحوں کی دلفریب باتیں
بیتے لمحوں کی چاندنی، تیرے دل کو بہلائے
تو گزرتے لمحوں سے پیار کرے

تو خدائے لم یزل تیری عمر دراز کرے
ارج گل: کی ڈائری سے ایک نظم
''صرف''
چاند تو کسی فلک کو
نصیب ہی سے ملتا ہے
میں نے کب
کسی ماہتاب کے لئے
کوئی بے چین آرزو کی تھی
میں نے تو صرف اپنے آسماں کے لئے
تارے مانگے تھے
عظمیٰ نعیم احمد: کی ڈائری سے ایک نظم
میں دعائیں مانگتی
بس اتنا کہتی ہوں
اے میرے خدا!
میری زندگی کے چاہے
سارے دیپ بجھا دے
اس کی آنکھوں کا ہر خواب
سلامت رکھنا
امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک غزل
سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
تو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
تو اپنے آپ کو برباد کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ہرن اس کو دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
مبالغے ہی سہی، سب کہانیاں ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تو تعبیر کرکے دیکھتے ہیں
حنا ناز: کی ڈائری سے دلکش نظم
''چوڑیوں کا موسم''
تو رکھ لے مری چوڑیاں
اب نہیں ضرورت ان کی
تو جو چلا جائے گا
یہ بے درد بہت درد دیں گیں
راتوں کو تیری یاد دلائیں گیں
ساری رات جگائیں گیں
اس سے بہتر تو ساتھ لے جا اپنے
جب ملے گا کچھ عرصہ بعد
پہنا دینا اپنے ہاتھوں سے
مسکرا دینا اس کے ساز پر
بس میں انتظار کروں گی
تیرے جلد لوٹ آنے کا
عید پہ چوڑیوں کے موسم کا
سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم
''تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں؟''
ایک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ
کاپی میں اک زندہ تتلی
یا اک مردہ پیلا پتہ
آنکھ ہو کوئی خواب زدہ سی
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا
یا پھر خوف زدہ سا بچہ
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ

عید الفطر پر میٹھے کا مطلب ہے شیر خورمہ لیکن اس بار ہم آپ کو سویوں کی بھی کئی ایک تراکیب بتا رہے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کو بھائیں گی بلکہ گھر والے بھی آپ کی تعریف کریں گے، یقین نہ آئے تو آزمالیں۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ	دو لیٹر
سویاں	دو کھانے کے چمچے
چاول	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	دو کھانے کے چمچے
شکر	ایک کپ
بادام	نصف کپ کٹے ہوئے
پستے	نصف کپ کٹے ہوئے
چھوہارے	چار عدد (ابال لیں)
کدوکش ناریل	نصف کپ
سبز الائچی	دس عدد چھلی ہوئی
زعفران اور کیوڑہ	حسب ضرورت

ترکیب

سویوں کو چورا کر کے ذرا سے گھی میں فرائی کرلیں، باداموں کو بھی کاٹ کر تل کر الگ رکھ لیں، پستے کو بھی کاٹ لیں، ناریل کو بھی تل لیں، نکال کر الگ کرلیں، بھیگے ہوئے چاولوں کو پانی سے نکال کر اچھی طرح باریک پیس لیں، دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، چولہے سے دودھ ہٹا کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں، دودھ نیم گرم ہو تو اس میں سویاں اور چاولوں کا آٹا ڈال کر نصف گھنٹے تک پکائیں، اس میں ابلے شکر چھوہارے، سبز الائچی، تلا ناریل، بادام، پستہ اور شکر ڈال کر پکنے دیں، دس منٹ بعد زعفران اور کیوڑہ ملا لیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے دیں، لذیذ شیر خورمہ تیار ہے۔

اسپیشل سویاں

اشیاء

سویاں	آدھا کپ چورا
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
دودھ	تین کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے
سبز الائچی	تین عدد چھلی ہوئی

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں سبز الائچی اور سویاں ڈال کر ایک منٹ تک تلیں، تمام اقسام کے دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ سویاں گاڑھی ہو جائیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا کرلیں، اسپیشل سویاں تیار ہیں۔

سویوں کی پڈنگ

اشیاء

پھیکا مکھن	چار کھانے کے چمچے
سویاں	دو کپ چورا کرلیں
گرم دودھ	آٹھ کپ
سبز الائچی	آدھا چائے کا چمچہ

کشمش	دو چائے کے چمچے
بادام	چھلے ہوئے، تین چائے کے چمچے
شکر	ایک کپ
پستہ	دو چائے کے چمچے، (ہوائیاں)

ترکیب

دھیمی آنچ پر مکھن گرم کر کے چورا سویاں ڈال کر اتنا بھونیں کہ سنہری ہو جائیں، گرم دودھ ڈال کر ابال آنے دیں پھر بادام اور الائچی شامل کر دیں، آدھے گھنٹے تک پکنے دیں، اس دوران چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، شکر بھی شامل کر دیں، مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں، ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں، کشمش اور پستہ چھڑک لیں، ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

سویوں کا مزعفر

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
شکر	آدھا کلو
گھی	ایک کپ
دودھ	ایک کلو
سبز الائچی	دس دانے چھلے ہوئے
زعفران	آدھا چائے کا چمچہ
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ	حسب پسند
چاندی کے ورق	حسب خواہش

ترکیب

شکر میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں، اس میں پیلا رنگ ملا لیں، گھی میں سویاں ڈال دیں، سنہری ہو جائیں تو اس میں دودھ ملا کر دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سارا دودھ سویوں میں جذب ہو جائے، اب سویوں میں پیلا شیرہ ڈال دیں، ساتھ ہی بادام اور پستہ ملا دیں، ورق لگا دیں، لذیز مزعفر تیار ہے۔

بادامی سویاں

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
گھی	۲۵۰ گرام
بادام	۲۵۰ گرام
شکر	۷۵۰ گرام
کھویا	۲۵۰ گرام
دودھ	ایک کلو
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ	حسب پسند
زعفران	حسب ضرورت
کریم	نصف کپ
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب

گھی گرم کر کے چورا کی گئی سویاں دھیمی آنچ پر سنہری کر لیں، دس منٹ بعد خوشبو آنے لگے تو پہلے سے ابلا دودھ اس میں شامل کر کے پیلا رنگ (پانی میں گھول لیں) بھی ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ جذب ہو جائے اور سویاں گل جائیں، بادام پیس لیں، کھویا بھون کر سویوں میں ڈال کر بادام بھی ملا لیں، چینی میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں اور سویوں میں شامل کر کے پانچ منٹ کے لئے تیز اور پانچ منٹ کے لئے دھیمی آنچ میں سویاں پکائیں، کیوڑے میں زعفران گھول کر سویوں میں ڈال کر اتار لیں، لذیذ بادامی سویاں تیار ہیں۔

کچی چکن بریانی

اشیاء

چکن	ڈیڑھ کلو (۱۲ ٹکڑے کروالیں)
دہی	ایک کپ
ادرک، لہسن، پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
پیاز	دو عدد سنہرے کر کے چورا کر لیں
تیل	ایک کپ
گرم مصالحہ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کٹا سبز دھنیا	چار چائے کے چمچے
کٹی سبز مرچیں	چھ عدد
چاول	آدھا کلو
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
سبز الائچی	چار عدد
سیاہ زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	تین چائے کے چمچے
زعفران	آدھا کپ دودھ میں ذرا سا بھیگی ہوئی
کیوڑہ	ذرا سا
آٹا (ذرا سا)	پانی ملا کر گوندھ لیں

ترکیب

دہی میں ادرک، لہسن، سرخ مرچ، نمک اور نصف مقدار میں سرخ پیاز، تیل گرم مصالحہ، دھنیا اور سبز مرچیں ملا کر چکن شامل کر کے دو سے تین گھنٹوں کے لیے رکھ چھوڑیں، دوسری طرف چاول میں دار چینی، سبز الائچی، سیاہ زیرہ اور نمک ملا کر ایک کنی پر ابال لیں، ایک بڑی دیگچی میں چکن کو اس کے دہی والے مرکب سمیت تہہ کی صورت بچھا لیں، اب اس پر چاول کی تہہ لگا لیں، اب ان چاولوں پر چورا کی ہوئی بقیہ پیاز ڈال کر، دیگچی کا ڈھکن بند کر کے [illegible]م پر رکھ دیں، ان چاولوں کو کافی دیر [illegible] ہے، تا کہ چکن گل جائے۔

لبنانی کباب

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
ابلے آلو	دو عدد
پیاز	دو عدد درمیانے
ابلی میکرونی	ایک کپ
بڑے ٹماٹر	دو عدد کٹے ہوئے
ابلے مٹر	تین سے چار کپ
سبز مرچیں	۶ سے ۸ عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لئے
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
پھینٹے انڈے	دو عدد

ترکیب

دھیمی آنچ پر قیمے میں ادرک، لہسن اور ٹماٹر نمک ملا کر پکائیں، جب سارا پانی خشک ہو جائے تو مرکب کو ٹھنڈا ہونے دیں، پھر تمام اشیاء ملا کر یکجان کر لیں، لمبوترے کباب بنا لیں، پھینٹے انڈے میں ڈبو ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر گرم تیل میں فرائی کر لیں، خیال رہے آنچ دھیمی ہونا چاہیے، عید ٹرالی کے لئے بہترین انتخاب ہے۔

کبابی مٹن

اشیاء

مٹن	آدھا کلو
دہی	آدھا کپ
پسی ہوئی پیاز	نصف کپ
پسی ادرک	ایک چائے کا چمچہ
پسا لہسن	ایک چائے کا چمچہ

سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

تیل کے علاوہ تمام اشیاء کو مٹن میں ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ چھوڑیں پھر اسے ابال لیں، جب گوشت گل جائے تو گرم تیل میں مٹن تل لیں، جب سنہری ہو جائے تو نان کے ساتھ پیش کریں۔

دہی پھلکیاں

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ سفید	ایک تولہ
لہسن	ایک بڑی پوتھی
پیاز	دو چھٹانک
دھنیا سبز	دو تولے

ترکیب

پیاز کو باریک تراش لیجیے اور تمام چیزوں کو باریک پیس کر بیسن میں ملا لیجیے اور پانی ڈال کر بیسن کو اس قدر پھینٹ لیجیے کہ سفید ہو جائے پھر پیاز بھی ڈال دیجیے اور گھی یا تیل میں پھلکیاں تل لیں، پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر پہلے پاس رکھ لیجیے اور پھر پھلکیوں کو کڑھائی سے نکال کر پانی میں ڈالیے، جب سب پھلکیاں تل لیں تو پانی سے نکال کر انہیں نچوڑ کر دہی میں ڈال دیجیے، ضرورت ہو تو مزید نمک اور سرخ مرچیں پیس کر چھڑک لیجیے، عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

آلو کی کچوریاں

اشیاء

آلو آدھا کلو ابال لیں اور چھلکا اتار کر بھرتہ بنا لیں

پیاز	ایک عدد درمیانہ سائز کٹی ہوئی
ہرا دھنیا	ایک گٹھی باریک کٹا ہوا
ہری مرچ	چار عدد
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ، پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
آٹا	آدھا کلو
گڑ	ایک چھوٹا ٹکڑا پانی میں ابال کر شیرا بنا لیں
اجوائن	چوتھائی چائے کا چمچہ
گھی یا تیل	حسب ضرورت

ترکیب

آٹے میں گڑ کا شیرا، جوائن، سوڈا اور نمک ملا کر نرم گوندھ لیں، مزید پانی ملا کر آٹے کو نرم کریں، جتنا نرم ہو گا کچوریاں اتنی یہ خستہ بنیں گی، آلو کے بھرتے میں سارے مصالحے اور لیموں کا رس ملا دیں چولہے پر کڑاہی میں تیز آنچ پر تیل گرم کریں، جتنی دیر میں تیل گرم ہو، پوری کے پیڑے کے برابر آٹا لے کر پانی سے ہاتھ گیلا کر کے پیڑے کو ہاتھ پر پھیلائیں پھر اس میں مصالحہ ملے ہوئے تھوڑے سے آلو رکھ کر دوبارہ ہاتھ گیلا کر کے چاروں طرف سے اٹھا کر بند کر دیں، گیلے ہاتھ سے ذرا سا دبا کر دوبارہ پھیلا لیں، پھر ہلکی آنچ پر تلنا شروع کر دیں، جب اچھی طرح تل جائے تو نکال کر پلیٹ میں اخبار بچھا کر رکھ دیں تاکہ تیل اچھی طرح جذب ہو جائے اور عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

☆☆☆

السلام علیکم!

آپ کے خطوط کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ کے سکون، عافیت اور خوشیوں کے لئے بہت سی دعائیں۔

زندگی کا حسن تبدیلی سے عبارت ہے، یکسانیت خواہ کسی بھی چیز میں ہو انسان اس سے بہت جلد اکتا جاتا ہے شاید اسی لئے کائنات کا پورا نظام تغیر وتبدل کے اصول پر چل رہا ہے، بہار، خزاں سردی اور گرمی، ایک دوسرے کا تعاقب کرتے یہ موسم بھی فطرت کے اسی نظام کے مظہر ہیں۔

ہمارے ملک میں ان دنوں گرمی اپنے عروج پر ہے، اس قہر برساتی گرمی سے حال سے بے حال انسان ہی نہیں چرند پرند، درخت، پھول، پودے، سبھی بے تابی سے ابر رحمت کے منتظر ہیں، کچھ ہی دنوں کی بات ہے کہ ہر طرف گھنگور گھٹائیں چھائیں گی اور برکھا برس کر دھرتی کو جل تھل کر دے گی، ہر طرف زندگی مسکرانے لگے گی اور ہر چہرہ کھل اٹھے گا۔

یہ تلخی اور خوشگواری ہی زندگی ہے، پل پل بدلتی اس زندگی میں انسان کو ہر طرح کے سرد وگرم سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے زندگی درحقیقت ایک امتحان ہے اور ناموافق حالات کا ہمت وحوصلہ سے مقابلہ کر کے ہی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، اچھے حالات، اچھے موسم، ہمارے منتظر رہتے ہیں شرط صرف اتنی ہے کہ ہمت نہ ہاریں اور کوشش جاری رکھیں اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں ہے اور اس کے مستحق وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

حنا کا یہ شمارہ جب آپ کو ملے گا رمضان المبارک کے تیسرے عشرہ کی آمد آمد ہو گی پھر کچھ ہی دن گزریں گے کہ خوشیوں کے پھول بکھیرنے والی عید کی روشن ساعتیں روزوں کے انعام کے طور پر ہمیں عنایت کی جائیں گی آپ سب کو ہماری طرف سے پیشگی عید مبارک۔

دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اپنے بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، حسب عادت درود پاک، تیسرا کلمہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں راحیلہ سجاد کا ملتان سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جون کا مہینہ اس پر ملتان کی گرمی خدا کی پناہ ایسے میں حنا کا ہنستا مسکراتا جون کا شمارہ، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ثابت ہوا، عائزہ خان بے حد پیاری لگ رہی ہیں سرورق پر، آگے بڑھے حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں کے بعد آپ کی طرف سے ہمیشہ کی طرح رمضان کا اسپیشل حصہ فضیلت رمضان کی صورت میں ملا، بہت سے وظائف ہمارے علم میں نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں بھی ہیں تو عین وقت پر بھول جاتے ہیں ایسی صورت میں آپ کی یہ کاوش ہمارے لئے بے حد

قیمتی تحفہ ہے، خوش رہیں۔

سردار محمود کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں، انشاء جی سے اشتہاروں کی روداد سن کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھونڈا اور ان کی تحریر میں کھو گئے اف سدرۃ جی کیا غضب کی قسط لکھی ہے اس بار آپ نے یہ گوہر کو بھی اب تک کر بیٹھنا سیکھا دیں اب آپ، پندرہ ماہ میں تو ایک بچہ بھی سمجھدار ہو جاتا ہے، نواز حسین کے روپ میں یہ کیسا گوہر چھپا ہے جس کے بولے ہوئے ہر ہر لفظ میں لاکھوں معنی چھپے ہیں۔

مزے کی بات یہ کہ جہاں پر سدرہ جی کے ناول کا اختتام ہوا وہاں عید سروے کے سوال شائع ہوئے جنہیں پڑھ کر ابھی سے انتظار شروع کر دیا ہے عید نمبر کا تا کہ اپنی پیاری مصنفین کی کھٹی میٹھی باتیں پڑھ سکیں۔

نایاب جیلانی کا سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' واقعی پہاڑوں کے اردگرد گھوم رہا ہے، مگر ایک بات واضح ہے کہ نشرہ کے دکھوں کا مداوا ولید ہی کرے گا کیوں آپی ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں نا، نایاب آپ نے اپنے ناول میں بہت سے نام ایسے استعمال کیے جو کہ پہلی مرتبہ ہی (کم ازکم میں نے تو) پڑھے جیسے حمت، مورے، عمکیہ وغیرہ پلیز تحریر میں کہیں نہ کہیں ان کے معنی بھی ضرور بتائے گا، مکمل ناول میں سندس جبیں کا ''چاندنگر کی شہزادی'' پڑھ کر مزہ آیا مگر وہ مزہ آخر میں جا کر کرکرا ہو گیا جہاں باقی آئندہ لکھا تھا، خیر ٹھنڈی سانس لے کر مصباح نارڈ کے پاس پہنچے جہاں وہ ''محبتوں کی طلب گار'' بنی بیٹھی تھی، طویل عرصے کے بعد مصباح نارڈ آئیں لیکن کچھ خاص متاثر نہ کر سکیں، وہی روایتی کہانی، ہما عامر نے ''یقین وفا'' کی آخری قسط میں بڑے اچھے انداز میں کہانی کو سمیٹا اگرچہ کہیں کہیں تحریر پر ان کی گرفت کمزور تھی مگر پھر بھی دلچسپ تھی جبکہ ماجبہ راجپوت کا ناولٹ ''آج محبت جیت گئی'' بھی اچھی کوشش تھی۔

افسانے پانچ تھے اور سبھی پسند آئے، مستقل سلسلوں میں حنا کی ڈائری سے ام خدیجہ، ام ایمن اور نادیہ کمال کا انتخاب بے حد پسند آیا، رنگ حنا میں بھی دوستوں نے مسکراہٹوں کے پھول بکھیرے، بیاض سب کا ذوق سراہے جانے کے قابل تھا، حاصل مطالعہ کی سب سے متاثر کن تحریر نازیہ کمال کی تھی۔

رمضان کے حوالے سے اس مرتبہ کا دستر خوان بہت خوب تھا ہلکے پھلکے مگر مزے کا سب کچھ خصوصاً چکن رول کی ترکیب تو میں خود متلاشی تھی، شکریہ حنا کا۔

آخر میں بات ہو جائے کس قیامت کے یہ نامے، کی تو اس میں فوزیہ آپی کی محبتیں اپنے عروج پر نظر آئی ہیں فوزیہ آپی آپ کے جوابات پڑھ کر میں نے آپ کا ایک پیکر تراشا ہے، ہنستا مسکراتا اور گنگناتا ہوا، انشاء اللہ جلد آؤں گی آپ کے آفس میں۔

راحیلہ سجاد یہ آپ کہاں غائب ہو جاتی ہیں دو سال کے وقفے سے ایک آدھ خط لکھ کر، حنا کی تحریروں پر آپ کا تبصرہ اتنا جامع اور مکمل ہوتا ہے کہ پڑھ کر اچھا لگتا ہے جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کا آفس آنے کا میں آج بلکہ ابھی سے انتظار کرنا شروع کر دیا ہے بس اب آپ جلدی سے آ جائیں اور اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

حرا انصاری: کا حیدر آباد سے موصول ہوا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ عائزہ ملک کی خوبصورت

مسکراہٹ سے سجا ملا، پیارے نبی کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح دل و دماغ میں اتر گئیں، انشا نامہ ہمیشہ کی طرح مسکراہٹیں بکھیرتا ہوا پسند آیا، سلسلے وار ناول "پربت کے اس پار کہیں" پڑھ کر لگتا ہے کہ ناول نہیں کوئی سفر نامہ پڑھ رہے ہیں، نایاب جیلانی کا تو یہ طرز تحریر نہیں، مکمل ناول میں مصباح نارڈ کا نام جگمگاتا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کافی عرصے بعد وہ آئی اور چھا گئیں بہت خوب، بے حد اچھی تحریر پسند آئی، اس کے علاوہ سندس جبیں کی تحریر "چاند نگر کی شہزادی" بھی ایک دلچسپ تحریر تھی بلکہ چونکا دینے والی بڑے حساس موضوع پر سندس نے قلم اٹھایا ہے "خود کلامی" ایک ایسی بیماری ہے جو ہوش مند انسان کو پاگل ثابت کر دیتی ہے ابھی تک شاید کسی نے اس موضوع پر لکھا نہیں، ویلڈن سندس ہمیں ایسی مزے کی تحریریں پڑھنے کو دیتی رہیں۔

ہما عامر کے ناول "یقین وفا" کا آخری حصہ کچھ خاص متاثر نہ کر سکا، جبکہ "لو آج محبت جیت گئی" ماہنہ راجپوت کی اچھی کوشش تھی، سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول کی قسط بے حد جاندار تھی ہر ہر لفظ کے اندر ایک جہاں آباد تھا بہت خوب سدرۃ المنتہیٰ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارے آمین۔

افسانوں میں قرۃ العین رائے کا افسانہ بے حد متاثر کن تھا جبکہ عمارہ امداد، سویرا فلک، ثمینہ شیخ اور تحسین اختر نے بھی اچھی کوشش کی۔

مستقل سلسلے تمام ہی پسند آئے، خصوصاً رمضان المبارک کی فضیلت والے صفحات بے حد معلوماتی تھے اللہ تعالیٰ فوزیہ شفیق کو اجر خیر عطا کرے۔

حرا انصاری خوش آمدید، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید دونوں مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

درخشاں ضیاء: کراچی سے لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ عائزہ خان کے ٹائٹل سے سجا ملا، بہت زیادہ پسند آیا، ابن انشاء کے "درجہ اول کے اشتہارات" بہت زبردست تھا، ابن انشاء کا کوئی ثانی نہیں، انہیں اللہ پاک جنت میں جگہ دے، اگر پورا رسالہ پڑھ کر خط لکھتی تو ادھورے سے رہ جاتی، فی الحال تین افسانے پڑھے ہیں، عمارہ امداد بہت اچھا لکھ رہی ہو آپ، یہ تحریر ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو کہتے ہیں ہم بھوک کی وجہ سے روزے نہیں رکھ پاتے، ثمینہ شیخ کی بے راہ روی اپنی طرز کی اچھی تحریر تھی، آج کل لوگ دنیا کی چکا چوند کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں، کہ حلال و حرام کا فرق بھول کر بس اپنی لائف سیٹ کرنے میں لگے رہتے ہیں، آخر میں حیدر کے سدھرنے پر بہت خوشی ہوئی، تحسین اختر آپ نے واقعی ٹھیک کہا ہے، لڑکیاں عجیب ہی ہوتی ہیں، ذرا ذرا سی باتوں پر اپ سیٹ ہو جانے والی اب مجھے ہی دیکھ لیں اس مہینے بھی میری کہانی نہیں لگی تو میں تھوڑا افسردہ ہو گئی تھی، فضیلت رمضان میں آپ کے بتائے وظیفے نوٹ کر لئے ہیں، اللہ عمل کرنے کی توفیق دے، میری طرف سے تمام ممبران کو پیشگی رمضان اور عید مبارک۔

درخشاں ضیاء خوش آمدید، آپ کی تحریر مل گئی ہے، قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شامل ہو گی، آپ مزید بھی لکھ کر بھجوائیں، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ۔

☆☆☆